وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ
اکرمُ التفاسیر
وَلَوْ اَنَّنَا
مولانا
محمد اکرم اعوان
8

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
اکرم التفاسیر
وَلَوْ اَنَّنَا
مولانا
محمد اکرم اعوان
8

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ.......................... ہشتم
بار اوّل.......................... اپریل 2012ء
تعداد.......................... دو ہزار
قیمت.......................... 500 روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان
ناظم نشر و اشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہو کر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔

از دل خیزد بر دل ریزد

اکثر احباب سوچتے ہوں گے اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس بارے میں عرض کر دوں کہ نہ تو خود ثنائی کی پہلے کوئی تمنا تھی' نہ اب ہے اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہوگی۔ نہ ہی یہ خیال دل میں آیا کہ مجھے کوئی بڑا عالم یا مفتی یا مفسر قرآن کہے' نہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر کبھی اپنا وقت قربان کیا۔ ہاں' یہ خواہش ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور استاد المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی خصوصی توجہ سے جو علوم و معارف عطا فرمائے انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق تک پہنچاؤں اور اپنا فریضہ ادا کروں۔

ایک اور بات جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے وقت نزول سے تا حال اور آئندہ تا قیامت بلکہ اس سے بھی آگے حساب و کتاب' جنت و دوزخ کی بات کرتا ہے اور تمام انسانیت کو رہنمائی اور ہدایت فراہم کرتا آیا ہے اور انشاء اللہ کرتا رہے گا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں' قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اب اس کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ اس لئے کہ تمام مخلوق کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے اپنے حالات کے مطابق استفادہ کرتے آئے ہیں' آئندہ بھی کرتے رہیں گے اور یہ خصوصیت

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کی ہو سکتی ہے۔ پہلے وقتوں میں آج کی طرح نقل و حمل و رسل و رسائل کے مواقع اتنے نہیں تھے۔ اس لئے ایک سے دوسری جگہ علوم و ایجادات پہنچنے میں سالہا سال لگ جاتے تھے۔

زمانہ حال کی جدید ایجادات اور خصوصاً الیکٹرانک ایجادات نے تو پوری دنیا کو ایک گھر کی صورت میں یکجا کر دیا یعنی Global Valley اور سالوں کی مسافت سمٹ کر سیکنڈ کے ہزارویں حصہ تک آ گئی ہے۔ اس لئے زمانے اور وقت کی رفتار بھی اتنی ہی تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ آنے والے وقتوں میں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوں گی' ان کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر ایمان لانے والوں میں بڑی تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً جدید علوم کے ماہرین اور سائنسدانوں کی کثیر تعداد اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہے اور یورپ میں تو بہت ہی اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

بات کہاں سے کہاں تک چلی گئی! بات تو ہو رہی تھی اسرار التنزیل کے ہوتے ہوئے اکرم التفاسیر کے منظر عام پر آنے کی۔ لہٰذا اسرار التنزیل کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ 1971ء کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معیت میں اپنے گھر کی حاضری کا شرف بخشا جس میں ساتھیوں کی کثیر تعداد بھی مقام ملتزم پر حاضر تھی۔ جس دربار سے کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا' عطا و کرم کی اس بارش میں اہل بصیرت نے دیکھا کہ فہم قرآن کا پیغام قلب پر وجدان کی صورت میں نازل ہوا۔ اسی پیغام کو اہل دل کی امانت سمجھتے ہوئے سپرد قلم کر دیا کہ شاید اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

اسرار التنزیل کا انداز عام فہم اور اجمالی ہے جبکہ اکرم التفاسیر میں حالات حاضرہ کے مطابق ذرا بحث کو وسیع کیا گیا ہے۔ یہ بات اہل علم پر عیاں ہے اور پڑھنے والوں کے لئے رشد و ہدایت کا موجب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے' نجات اخروی کا سبب

بنائے اور رضائے الٰہی نصیب فرمائے (آمین)

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

مولانا محمد اکرم اعوان
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
دارلعرفان منارہ ضلع چکوال

امیر المکرم بحیثیت مفکر قرآن

یہ اعجازِ قرآن ہے کہ بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور علوم میں ارتقاء کے باعث مفسیرین کرام قرآنی علوم کی وہ جہتیں بھی آشکار کر رہے ہیں جو پہلے مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ اگر یہ قرآن و حدیث کی معین کردہ حدود کے اندر اور اللہ کے دین اور شریعت کے مزاج سے ہم آہنگ ہیں تو یہ بھی آقائے نامدار ﷺ کے علوم کا ہی پرتو ہے جو بطور علم لدنی ان علمائے ربانی کو عطا ہوئے۔ امیر المکرم کے خطابات سے ماخوذ اکرم التفاسیر بھی فی زمانہ حالات و واقعات اور علوم جدیدہ کا احاطہ کرتے ہوئے علم لدنی کی ایسی روشن مثال ہے جس میں نہ صرف علوم مصطفوی ﷺ کی ضیاء نظر آتی ہے بلکہ برکات نبوی ﷺ قلوب کو تحریک بخشتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

قرآن کے مضامین میں اس قدر وسعت اور تنوع ہے کہ ان کی کسی فہرست کو حتمی قرار دینا ممکن ہی نہیں لیکن قرآن حکیم کا ہر مضمون ایک نظریہ اور فکر کی بات کرتا ہے۔ امیر المکرم سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ قران میں کثرت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ موسیٰ اور فرعون ہر زمانہ' ہر دور اور ہر معاشرے کے دو مرکزی کردار بھی ہیں جن کے مابین حق و باطل کا معرکہ مسلسل بپا ہے اور قرآن میں جا بجا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حوالے سے حق و باطل کے اسی معرکے کا تذکرہ ہے۔
حق و باطل کا یہی معرکہ قرآن کا مرکزی مضمون ہے۔ گرانقدر علمی مباحث قرآن کی معروف تفاسیر کی زینت تو نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے اس مرکزی مضمون یا بالفاظ دیگر ''فکر قرآنی'' پر بہت کم بات کی گئی۔

دشمنان اسلام آج کھل کر قرآن کی مخالفت پر تل گئے اور اس کے پیغام کو دبانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے ہیں' لیکن کیا وہ قرآن کے عائلی قوانین سے خائف ہیں' قانون وراثت سے پریشان ہیں' جنت و دوزخ یا ثواب و عذاب سے گھبرا رہے ہیں؟ نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کفار کا تو ان پر ایمان ہی نہیں۔ آج ساری کی ساری طاغوتی قوتیں اس قرآنی فکر سے لرزہ براندام ہیں جو دائمی غلبہ حق کی نوید دیتی ہے اور امیر المکرم اسی قرانی فکر کے نقیب ہیں۔ اکرم التفاسیر میں آپ نے اسی فکر قرآنی کو اجاگر کیا ہے' جو اس تفسیر کا طرہ امتیاز ہے۔

امیر المکرم کفار کے لئے اللہ تعالیٰ کے اٹل قانون قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ کی روشنی میں طاغوتی قوتوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ تمہارے لئے دائمی شکست کا فیصلہ فرما دیا گیا ہے اور ذلت و رسوائی تمہارا مقدر ہے۔ غلبۂ حق کو روکنا اب تمہارے بس کی بات نہیں۔ اپنے خطابات میں آپ بکھری ہوئی ملت کو دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آؤ پھر کسی یکتائی سے عہد غلامی کرلو۔ تمہاری ذمہ داری کوئی ایک معاشرہ' قوم یا ملک نہیں بلکہ پوری انسانیت ہے۔
قرآن نے انقلاب دشمن سازشوں سے آگاہ کرتے ہوئے یہود کی طویل فرد جرم بیان کی ہے جس میں انبیاء علیہم السلام سمیت اہل حق کے قتل کے جرائم بھی ہیں۔ امیر المکرم نے قرآنی فرمودات کی روشنی میں عالمی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں یہود کے سازشی کردار کو اس طرح بے نقاب کیا ہے کہ صیہونیت صرف عالم اسلام ہی کی نہیں بلکہ پوری

انسانیت کی دشمن نظر آتی ہے۔

یہ دوراسی فکر قرآنی کی پہچان کا دور ہے اور امیر المکرم نے بھرپور انداز میں اسے اجاگر کیا ہے۔ کفر اپنے لئے اس خطرے کو اس حد تک پہچان چکا ہے کہ عملی اقدام پر اتر آیا ہے لیکن حضرت امیر المکرم قرآن کی روشنی میں حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے غزوۃ الہند کی نوید دے رہے ہیں۔ آپ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر 12 کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''کفار کے لئے یہ آیہ کریمہ قیامت تک کے لئے نوید شکست ہے اور میں بڑی بے باکی سے کہتا ہوں، پورے یقین، پورے ایمان سے منبر رسول ﷺ پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ دنیا کی کافر سپر طاقتیں پھر شکست سے دوچار ہوں گی اور انشاء اللہ پھر غلبۂ اسلام ہوگا۔''

چونکہ تفسیر کا انداز بیانیہ ہے، تو امیر المکرم کے زوردار انداز بیان میں فکر قرآنی جب قاری تک پہنچتی ہے تو اس کے دل میں ایک تحریک بپا کردیتی ہے، یہاں تک کہ اسے آنے والے انقلاب کی چاپ سنائی دینے لگتی ہے۔

امیر المکرم نے فکر قرآنی کی بات کرتے ہوئے امت میں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلائی گئی اس غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حالات کو بدلنے کے لئے کسی امام مہدی کا انتظار کیا جائے۔ یہ موہوم امید افیون سے کم نہیں جس نے امت کو سلا دیا کہ اب کفر سے نبٹنا ہمارے بس کی بات نہیں اور یہ کام امام مہدی ہی کریں گے۔ حضرت کے خطبات بے عملی کی اس کیفیت سے بیداری کا پیغام ہیں کہ امت پہ ابھی بے بسی کا دور نہیں آیا۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے اور ہر فرد کو امام مہدی کا کردار ادا کرنا ہوگا۔ امیر المکرم امام مہدی کی آمد کی بجائے غلبۂ حق کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔ یہی قرآنی فکر ہے جو ہر عہد میں حق و باطل کے معرکے کو مہمیز کرتی ہے، جو ہر دور میں خون مسلم کو گرم اور امت مسلمہ کو متحرک رکھتی ہے۔ امیر المکرم نے اکرم التفاسیر میں یہ فکر اس قدر نمایاں طور پر پیش کی ہے کہ وہ مفسر قرآن

سے آگے مفکر قران نظر آتے ہیں اور یاد رہے! ہر انقلاب کے پیچھے کوئی مفکر ہوتا ہے۔

چھ جلدوں پر محیط تفسیر ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے امیر المکرم کی پہچان بطور مفسر قرآن تو مسلمہ ہے لیکن اب ''اکرم التفاسیر'' کی صورت آپ نے جس طرح قرآنی فکر کو اجاگر کیا ہے' آپ کا تعارف بطور ''مفکر قرآن'' حاوی نظر آتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفکر قرآن امیر المکرم کو صحت اور عمر دراز عطا فرمائے کہ یہ بیانیہ تفسیر نہ صرف مکمل ہو بلکہ آپ انقلاب بپا ہوتا ہوا بھی دیکھیں۔

حسب سابق احباب سلسلہ عالیہ جناب ذکاءاللہ جان' سید انور علی شاہ اور عاصم نذیر نے تدوین وتالیف میں معاونت کی' اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین

ابوالاحمدین

ابوالاحمدین

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 8 وَلَوْ اَنَّنَا

سورۃ الانعام رکوع 14 آیات 111 تا 121

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِیَرْضَوْهُ وَ لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓي اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾

اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے باتیں کرتے اور ہم انکے سامنے ہر شے کو (مخلوقات غیبیہ) کو حاضر کر دیتے یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے ہاں اگر اللہ ہی چاہیں تو (اور بات ہے) ولیکن ان میں اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا تھا دھوکہ دینے کے لیے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں اور اگر آپ کا پرودگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے تو آپ ان کو اور جو یہ افترا پردازی کرتے ہیں اُسے چھوڑ دیجئے۔ ﴿۱۱۲﴾ اور تا کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل اس طرف مائل ہوں اور تا کہ وہ اسے پسند کرلیں اور

جن امور کے یہ مرتکب ہوئے ان اُمور کے مرتکب ہو جائیں ﴿۱۱۳﴾ سو کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے تم پر واضح کتاب نازل فرمائی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری ہوئی ہے سو آپ ہرگز شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں۔ ﴿۱۱۴﴾ اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔ اس کے کلام کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱۵﴾ اور اگر آپ دنیا کے اکثر لوگوں کی باتیں ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے وہ محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور وہ محض قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ ﴿۱۱۶﴾ بے شک آپ کا پروردگار اُس کی راہ سے بھٹکے ہوؤں کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو سیدھے راستے (ہدایت) پر چل رہے ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾ تو جس چیز پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام لیا جائے اسے کھایا کرو اگر تم اس کی دلیلوں پر ایمان رکھتے ہو تو۔ ﴿۱۱۸﴾ اور تمہیں کیا ہوا کہ جس (جانور) پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اس میں سے نہیں کھاتے ہو حالانکہ جو تم پر حرام کیا ہے تمہیں تفصیل سے بتا دیا ہے سوائے اس کے کہ تم اس کے لئے انتہائی مجبور ہو جاؤ (تو اجازت ہے) اور یقیناً بہت سے لوگ بغیر کسی سند کے اپنے غلط خیالات کی وجہ سے گمراہ کرتے ہیں بلاشبہ آپ کا پروردگار (اللہ) حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ چھوڑ دو۔ بے شک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ ﴿۱۲۰﴾ اور اس (جانور) میں سے نہ کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بے شک یہ نافرمانی ہے اور یقیناً شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑا (بحث) کریں اور تم لوگ ان کے کہنے پر چلے تو پھر تم بھی یقیناً مشرکوں میں ہو گئے۔ ﴿۱۲۱﴾

خلاصہ رکوع

ان آیات کا سادہ، با محاورہ ترجمہ یا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں پر اگر ہم فرشتے بھی اتار دیتے یا مردے اٹھ کر ان سے باتیں کرتے یا آخرت کے سارے امور غیبیہ ان کے سامنے جمع کر دیتے پھر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوا ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اور ان میں اکثریت محض جہالت کی باتیں کرتی ہے اور اسی طرح ہم نے ہر نبیؐ کے لئے دشمن پیدا کر دیئے ہیں۔ شیطان جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنوں میں سے بھی ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے مشورے کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو بھی دھوکہ دیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے لیکن انہیں چھوڑ دیجیے اور جو افترا پردازی یہ کر رہے ہیں اس میں انہیں لگا رہنے دیجیے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ اسی کام میں لگے رہیں گے تو لوگوں کو گمراہ کریں گے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ان کی طرف انہی لوگوں کے دل متوجہ ہوں گے جن کو آخرت پہ ایمان نہیں ہے۔ وہی اسے پسند کریں گے تو جو جرم یہ کرنا چاہتے ہیں انہیں کر لینے دیجیے لیکن انہیں یہ بتا دیجئے کہ مومن مر سکتا ہے، جان دے سکتا ہے لیکن اللہ جل شانہٗ کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے کا حکم ماننا اس کے لئے ممکن نہیں تو کیا میں اللہ کریم کے علاوہ کسی دوسرے کا فیصلہ قبول کر لوں؟ حالانکہ اللہ کریم نے اپنی کتاب پوری تفصیل کے ساتھ نازل فرما دی ہے او زندگی کے ہر شعبے میں فیصلہ فرما دیا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ اور اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً کر کے دکھا دیا ہے۔ رہ گئے اہل کتاب جن کے پاس پہلے سے کتابیں موجود ہیں۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ کتاب قرآن حکیم آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ پورا پورا حق ہے۔ یہ اصل سچائی ہے، سراپا سچائی ہے۔ یہ حق اور صداقت کے ساتھ پوری سچائی ہے۔ جو کچھ اس کے باہر ہے یا اس کیخلاف ہے وہ غلط ہے۔ اے مخاطب! قرآن حکیم کے حق ہونے پر کبھی کسی شبے میں مبتلا نہ ہونا۔ آپ کے پروردگار کا کلام مکمل ہوا صداقت کے ساتھ اور پورے پورے عدل کے ساتھ۔ اللہ جل شانہٗ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔ جو اس نے فرما دیا وہ ہمیشہ قائم رہنے کے لئے ہے اور وہ سن بھی رہا ہے اور جانتا بھی ہے۔ جو کلمہ کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ بھی جانتا ہے۔ جو کسی کے دل میں ہے وہ بھی جانتا ہے۔ جو کوئی عملاً کر رہا ہے وہ بھی اللہ کے علم میں ہے۔ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ دنیا کے اکثر یا زیادہ لوگوں کی بات مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹا دیں گے اس لئے کہ اکثریت محض اپنے

گمان کا اتباع کرتی ہے۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے نہ نقلی محض اپنے گمان پر کام کرتی ہے اور یہ بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکتا ہے اللہ کریم کو خوب علم ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کون غلط کر رہا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے حکم کا اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ کی اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی فرداً فرداً ذاتی طور پر جانتا ہے۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں یا وہ ذبیحہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے وہ کھاؤ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ کیا چیز حرام ہے لہٰذا حرام سے بچو اور حلال کھاؤ ہاں اگر کوئی اتنا مجبور ہو جائے کہ قریب المرگ ہو جائے اور حلال میسر نہ ہو تو صرف اتنا حرام کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ لیکن وہ حرام، حلال نہیں ہوتا۔ حرام، حرام ہی رہتا ہے البتہ اسے جان بچانے کے لیے حرام کھانے پر سزا نہ ہوگی۔ اکثر لوگ کسی عملی دلیل کے بغیر محض اٹکل پچو سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں۔ دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ان سے بھی باخبر ہے جو حد سے نکل جانے والے ہیں اور تیرا پروردگار ان سب کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں اور جو ہدایت پر عمل کرتے ہیں اور گناہ چھوڑ دو۔ خواہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا۔ اور جو لوگ برائی اختیار کرتے ہیں وہ اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ جن چیزوں پر یا جس ذبیحہ پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ مت کھاؤ کہ یہ سخت نافرمانی ہے اور شیاطین اپنے ساتھیوں پر القاء کرتے ہیں۔ ان کے دل میں باتیں ڈالتے ہیں تا کہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں لیکن اگر تم نے ان کی بات مانی تو پھر تم مشرک ہو جاؤ گے۔

تفسیر ومعارف

(الانعام آیت: ۱۱۱)

اللہ کریم کا یہ ارشاد بڑا خوبصورت اور عجیب وغریب انداز لئے ہوئے ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے اللہ کریم نے ہر انسان کے اندر اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی استعداد رکھ دی ہے۔ طلب الٰہی کی استعداد ایک کیفِ روحانی ہے۔ ایک کیفیت ہے جس کا تعلق روح سے ہے۔ روح جب تک زندہ نہ ہو اور ہوش میں نہ ہو طلب الٰہی کی جستجو کیسے کرے؟ جس طرح ایک زندہ آدمی بے ہوش ہو جائے تو اس کے کردار اور میت کے کردار میں کوئی فرق نہیں رہتا اسی طرح بعض اوقات روح زندہ ہوتی ہے لیکن بے ہوش ہوتی ہے جس کا اثر کردار پر آتا ہے۔ روح زندہ بھی ہو اس کے حواس قائم ہوں تو پھر وہ طلب معرفت کی جستجو کرتی ہے اور جب تک از خود کوئی طلب الٰہی کی جستجو نہیں کرتا تو وہ زبردستی کسی پر ہدایت نہیں ٹھونستا۔

پچھلے رکوع میں منکرین کا تذکرہ تھا کہ یہ معجزات طلب کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کا جواب

دیا جارہا ہے کہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق معجزات کا اظہار ہوجائے تو بھی انہیں ایمان لانا نصیب نہیں ہوتا۔ یہ کوئی اور غلط تاویل گھڑ لیں گے اس لئے کہ ان کے اندر معرفت الٰہی کی طلب زندہ نہیں رہی۔ یہ اپنی فطری استعداد کھو بیٹھے ہیں۔ اس لئے فرمایا

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى کہ اگر ہم فرشتے نازل کردیں اور مردے انہیں آخرت کے احوال، موت کی کیفیت، قبر کی حالت، برزخ کی باتیں بتائیں یا ہم ان پر آخرت کے اُمور کھول دیں۔ انہیں جنت و دوزخ، عذاب وثواب نظر آجائے۔ میدانِ حشر کے نظارے نظر آنے لگیں تو اس سب کے باوجود یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان حقائق اخرویہ کی کوئی غلط تاویل کردیں گے کوئی نہ کوئی بہانہ کریں گے لیکن مان کر نہ دیں گے اس لئے کے ایمان کا تعلق معجزات دیکھنے سے نہیں بلکہ اس طلب سے ہے جو خود انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ اسی بات کی وضاحت یوں آئی ہے فرمایا وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ العنکبوت:69 جو لوگ میری ذات کو پانے کیلئے، میرے وصال کو پانے کے لیے، میرے قرب کو حاصل کرنے کے لئے، میری عظمت کو جاننے کے لئے اور میری معرفت حاصل کرنے کے لئے محنت کرتے ہیں میں انہیں اپنے تک آنے کے کئی راستے دِکھا دیتا ہوں۔ جو اللہ سے گڑگڑا کر مانگتے ہیں حصول معرفت کی دعا کرتے ہیں۔ عبادات میں محنت کرتے ہیں تو اللہ کریم ان کے لئے ایسے ذرائع پیدا کردیتے ہیں کہ انہیں یہ نعمت نصیب ہوجاتی ہے۔ اللہ کریم انہیں ایسے لوگوں سے ملا دیتے ہیں ایسی جگہوں پر پہنچا دیتے ہیں جہاں معرفت الٰہی کا حصول ممکن ہوجاتا ہے۔

روح کی حیات:

روح کی حیات کا مدار نورِ نبوت پر ہے۔ اگر عہد فترت ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضور اکرم ﷺ کی بعثتِ عالی کے درمیان پانچ سو سال کا زمانہ ایسا ہے جس میں کوئی حق بتانے والا نہیں تھا۔ کوئی ایسا عہد تھا یا آج بھی کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں اُسے دنیا کی کوئی خبر نہ پہنچتی ہو۔ اسے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ہو نہ اسلام وکفر کے فرق کی تب بھی اس کے اندر یہ استعداد ہے کہ وہ مظاہر قدرت کو دیکھ کر، سورج کے طلوع و غروب کو دیکھ کر، رات دن کے آنے جانے پر، موسموں کے تغیّر وتبدّل دیکھ کر اور کارگاہ حیات کے جاری نظام کو دیکھ کر اندازہ لگالیتا ہے کہ کوئی ہے جو اس کارخانۂ قدرت کا پیدا کرنے والا ہے۔ اسے چلانے والا ہے۔ اس کے دل میں طلب پیدا ہوجاتی ہے کہ میں اس کو مانوں، اسے چاہوں، اسے پہچان سکوں لیکن اسے کوئی

بتانے والا نہیں ملتا جو اللہ جل شانہٗ کی پہچان عطا کرے اور اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تو ایسے شخص کو آخرت میں عنداللہ مومن شمار کیا جائے گا مظاہر قدرت کو دیکھ کر اس کے اندر استعداد کے باعث اس میں قادر مطلق رب العلمین کو پانے کی اور چاہنے کی طلب پیدا ہوگئی لیکن جس تک حضور اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچ گئی اور اس نے نہیں مانا اور توجہ نہیں کی تو اس کی روح حیات سے محروم ہوگئی۔ پھر وہ چلتی پھرتی قبر ہے۔ شاعر نے کہا تھا واجسامھم قبل القبور قبورھم۔ ان کے جسم قبر میں جانے سے پہلے خود روح کی قبر بنے ہوئے ہیں۔ یہ چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ ان میں روح کی حیات ناپید ہے۔ روح میں حیات پیدا ہوتو ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ اس کارگاہ حیات کا خالق و مالک کون ہے؟ کیسا ہے؟ اللہ کریم فرماتے ہیں جب یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے تو میں اسے ایسے لوگوں میں پہنچا دیتا ہوں جہاں اسے یہ کیفیات نصیب ہوتی ہیں اور اسے ان سوالوں کے جواب ملتے ہیں اور اگر یہ چیز بندے میں از خود پیدا نہ ہوتو معجزات دیکھ کر بھی اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے بڑا مشکل معجزہ طلب کیا تھا۔ ان کے خیال میں یہ ناممکنات میں سے تھا اور بغیر قدرت باری کے یہ ناممکنات میں سے ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ چٹان پھٹ جائے اس میں سے ایک اونٹنی نکلے، وہ پورے دنوں کی حاملہ ہو اور چٹان سے نکلتے ہی وہ بچہ دے۔ صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ اللہ نے معجزہ دکھا دیا۔ چٹان پھٹ گئی۔ اونٹنی نکل آئی اونٹنی نے بچہ بھی دے دیا لیکن کیا انہیں ایمان نصیب ہوگیا؟ نہیں، بلکہ وہ اس اونٹنی کے درپے ہوگئے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں، اسے قتل کر ڈالا اس کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور ساری قوم تباہ ہوگئی۔

ابوجہل نے بارگاہ نبی کریمؐ میں مطالبہ کیا کہ زمین پر تو جادو چلتا ہے لیکن سنا ہے کہ آسمانوں پر جادو کا اثر نہیں ہوتا تو آپ اگر اللہ کے نبی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر دیجیے۔ اللہ کریم کو منظور تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی مبارک سے اشارہ فرمایا وَانْشَقَّ الْقَمَرُ القمر: 1 چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ سیرت میں ملتا ہے کہ پہاڑی کی چوٹی کے دونوں طرف دو حصوں میں نظر آتا تھا۔ ابوجہل یہ دیکھ کر بولا: لگتا ہے کہ جادو کا اثر آسمانوں پر بھی چل گیا ہے اور ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ اور اگر واقعی ایسا ہوا تو جو بدو مکہ سے باہر ہیں وہ جب مکہ آئیں گے تو ان سے پوچھیں گے۔ پھر جب لوگ مکہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے تصدیق کی کہ واقعی چاند دو ٹکڑوں میں نظر آیا تھا تو ابوجہل کا جواب یہی تھا کہ ان کا جادو تو آسمانوں پر بھی چل گیا ہے۔ وہ اپنے اس خبث باطن کے باعث ذلیل ہوکر کفر کی موت مرا۔ اس کے بارے نبی کریم ﷺ کے ارشاد عالی کا مفہوم ہے کہ میری امت کا فرعون موسیٰ کے فرعون سے زیادہ سخت تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے

ابو جہل کو فرعون سے زیادہ اشد فرعون کہا ہے اور آپ ﷺ نے سچ فرمایا موسیٰ کے زمانے کا فرعون برزخ کے منکشف ہو جانے پر ایمان کا طالب ہوا تھا اور ابو جہل وقت آخر بھی اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا رہا۔ دنیا میں بھی معجزات دیکھ کر کیا وہ ایمان لئے آیا؟ نہیں۔ اس کا اصول بتایا جا رہا ہے۔

فرمایا، معجزات یا ولی اللہ کی کرامات دیکھ کر کسی کو عقیدت یا ایمان یا حصول معرفت کی طلب پیدا نہیں ہوتی۔ یہ ایک از خود عمل ہے جس کی استعداد اللہ نے ہر انسان کو دی ہے۔ اسے اپنے اندر سوچنا چاہیے۔ اس کے دل سے طلب اٹھے تو اللہ اس کیلئے ہدایت کے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ اسے قرآن حکیم کے لفظ، لفظ میں ایک معجزہ دکھائی دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں ہر قدم پر نیا رنگ حسن اور رنگ جمال دکھائی دیتا ہے۔ اہل اللہ کی زندگیوں میں بھی اسے ایک راستہ تلاش کرنے کے لئے روشنی میسر ہوتی ہے شرط یہ کہ اس کے اپنے دل کی آنکھ روشن ہو۔ اپنی آنکھ کھلے تو نظارے بھی نظر آئیں۔ اور اگر اپنی آنکھ کی بینائی نہ ہو تو اس کے سامنے سورج طلوع ہو یا نہ ہو اسے کیا فرق پڑتا ہے؟ جس کی آنکھوں میں بینائی نہ ہو اسے کیا فرق پڑے گا کہ باغ میں کتنے خوبصورت پھول کھلے ہوئے ہیں؟ کتنی ہریالی ہے اور کتنے پھل درختوں سے لٹک رہے ہیں؟ ان معجزات کا مطالبہ کرنا بھی ایسا ہی ہے۔ اگر ہم ان کا مطالبہ مان کر ان پر فرشتے بھی نازل کر دیں جو عام آدمیوں کی طرح گلیوں میں پھرتے ہوں اور اللہ کی عظمت سے انہیں آگاہ کرتے ہوں یا مردے زندہ ہو کر انہیں اپنا حال دل سنائیں، خطا کار اسے اپنی موت کے بارے بتائے اور جسے ایمان نصیب نہیں ہوا وہ بتائے کہ سکرات الموت کتنی سخت گذری! برزخ میں اس کے ساتھ کیا گذر رہی ہے۔ وہ کتنے بڑے اور شدید عذاب بھگت رہا ہے۔ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوٓا اور اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ احوال بھی بتا دیئے جائیں جس سے مردے بھی آگاہ نہیں ہیں یعنی قیامت کا حال۔ ہم یہ بھی کھول کر رکھ دیں کہ قیامت میں کیا ہوگا؟ مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوٓا تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیں گے یا کوئی نہ کوئی اعتراض کر دیں گے۔ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اللہ تب چاہے گا جب یہ اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے۔ ان کے دل میں ایمان کی طلب ہی نہیں ہے تو اللہ کریم زبردستی تو عطا نہیں کرے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کریم زبردستی لوگوں کو کافر رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے دل میں طلب ہی پیدا نہیں ہوتی۔ جب کسی کے دل میں طلب ہی نہ ہو تو دینے والا اسے کیا دے؟ اللہ کریم تو بے نیاز ہے۔ وہ بندوں کا محتاج نہیں۔ اگر ساری مخلوق اس کی عظمت کا انکار کر دے تو اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور ساری مخلوق اعلیٰ درجہ ولایت پر سرفراز ہو جائے تو اس کی شان بڑھ نہیں جائے گی۔ وہ مخلوق سے بالاتر ہے اور بے نیاز ہے۔ مخلوق مانے گی تو اپنے فائدے کیلئے اور نہیں مانے گی تو اپنا نقصان

کرے گی۔فرمایا انہیں معجزات سے ایمان نصیب نہیں ہوگا جب تک ان کے دل میں وہ طلب پیدا نہ ہو اور اسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور پھر اللہ کریم چاہے تو انہیں ایمان نصیب ہو جائے گا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ لیکن ان کی اکثریت جاہل ہی ہوتی ہے۔ان کی باتیں فضول اور اعتراضات جاہلانہ ہوتے ہیں۔ان کے پاس کوئی علمی، عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی کہتے ہیں جہالت پر مبنی ہوتا ہے اس کی وجہ ان کے دل کا اندھا پن ہے۔جیسے رات کی تاریکی میں دیا سلائی جلا دی جائے اور کوئی کہے اسے تو دیا سلائی نظر نہیں آئی پھر چاند طلوع ہو اور اسے چاند نظر نہ آئے اور دن چڑھ آئے اور سورج طلوع ہو جائے اور وہ کہے کہ اسے تو کوئی شئے نظر نہیں آ رہی جبکہ اسکی آنکھیں بھی ہوں تو پھر اس کے لئے کون سی روشنی لائی جائے گی کہ اسے نظر آنے لگ جائے؟ سورج کے طلوع ہو جانے کے بعد دیکھنے کے لئے اور کون سی روشنی چاہیے؟ یہی بات یہاں ارشاد فرمائی کہ بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا تو پھر یہ لا علاج لوگ ہیں اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ انہیں اس لئے ایمان نصیب نہیں ہوا کہ ان کے دل اس طرف مائل نہ ہوئے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ

میرے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم یہ معاملہ صرف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہی نہیں ہے۔ہم نے ہر نبیؑ کے دشمن پیدا کئے۔ ہر نبیؑ کی مخالفت کی گئی اور میری مخلوق نے ہی کی۔ میں نے ہی پیدا کیا جنّوں کو اور انسانوں کو۔ میں نے انہیں زندگی دی، روزی دی ساری نعمتیں دیں لیکن انہوں نے میری عظمت کو چھوڑ کر شیطان کی مشابہت اختیار کی۔ شیطان کی پیروی اختیار کی۔ شیطان کے پیچھے چلے اور اس طرح چلے کہ فنا فی الشیطان ہو گئے۔ شیطان بن گئے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا شیطان ہے:

یہ آیت کریمہ واضح کر رہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والا شیطان ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان۔ اللہ کریم نے انسانوں کو بھی پیدا فرمایا اور جنّوں کو بھی چونکہ ہدایت پانا ان کے اپنے ذمے تھا لیکن ہدایت طلب نہ کر کے وہ اُلٹے راستے پر چل پڑے شیطان کی پیروی اختیار کر لی۔شیطان نے ان پر اس قدر شیطانی اوصاف القاء کئے کہ وہ مجسم شیطان بن گئے۔

بنیادی طور پر نافرمانوں کے دو درجے ہیں۔ایک درجہ یہ ہے کہ ہم سمجھیں کہ ہم کمزور ہیں ہم سے اتباع رسالت نہیں ہو رہا۔صلوٰۃ ادا نہیں ہوئی، کسی کا مال ہڑپ کر گئے، جھوٹ بول لیا اور یہ ادراک بھی ہو کہ جو کیا ہے وہ غلط کیا ہے۔ سچ وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے یعنی گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنے والا

گنا ہگار رہے، فاسق ہے لیکن کافر نہیں۔ اور جو شخص نہ صرف یہ کہ نافرمانی کرے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور یہ سمجھے کہ وہ صحیح کر رہا ہے اور اللہ، اللہ کے رسول ﷺ نے جو حکم فرمایا ہے وہ غلط ہے تو یہ کفر ہے۔ جیسے آجکل ہمارے دانشور کہتے ہیں کہ قرآن وسنت تو آج نا قابل عمل ہے۔ یہ تو قدیم زمانے کی بات ہے۔ ایسا کہنے والے مجسم شیطان بن چکے ہیں، خواہ وہ بڑے عہدوں پر ہوں یا کسی چھوٹے عہدے پر۔ عام آدمی ہوں یا ملک کے سربراہ۔ جو بھی یہ کہے گا کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان تو نا قابل عمل ہیں۔ یہ گئی گذری باتیں ہیں وہ مجسم شیطان بن چکا ہے۔ یہی يُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فرمایا، یہ ایک دوسرے کے دل میں القاء کرتے ہیں، ایک دوسرے کو باتیں بھی بتاتے ہیں زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ یہ ایک دوسرے سے جو بات کرتے ہیں اس میں بھی جھوٹ بولتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں۔ یعنی شیطان، شیطان سے بھی وفا نہیں کرتا خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ یہی اس وہم کی اصل اور اساس ہے جو آج لوگوں کی اکثریت کو لاحق ہے۔ آج کل یہ وہم عام ہو گیا ہے کہ کسی نے جادو کر کے یہ نقصان کر دیا ہے یا فلاں بیماری لگا دی ہے وغیرہ۔ جادو کی بھی اقسام بنا رکھی ہیں یہ کالا جادو ہے اور وہ سفید جادو ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جادو سارا ہی کالا ہے کہ یہ ظلمت ہوتی ہے۔ شیطانی عملیات سراسر ظلمت ہے۔ جادو شیطانی حرکات ہیں جو انسانوں کو ایذا دینے کے لئے کی جاتی ہیں۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ ایک شیطان یا جن کسی آدمی کو پکڑ لیتے ہیں اسے ڈراتے ہیں۔ پریشان کرتے ہیں۔ تکلیف اور دکھ درد پہنچاتے ہیں۔ وہ کسی جادوگر کے پاس علاج کے لئے جاتا ہے جو عامل کے نام سے پہچانا جاتا ہے لیکن خود شیطان ہوتا ہے۔ وہ کفریہ کلمات پڑھ کر پھونک مار دے یا کچھ لکھ کر اسے دھواں دے دے تو وہ شیطان جو اسے ایذا دے رہا ہوتا ہے وہ عامل سے تعاون کر کے اسے کچھ سکون دیتا ہے جس سے مریض کو یقین ہو جاتا ہے کہ اسے عامل سے فائدہ ہوا۔ یہ سلسلہ پھر چل نکلتا ہے اس کے نتیجے میں برائی ہی برائی پھیلتی ہے مال و دولت کا زیاں ہوتا ہے۔ بعض اوقات آبرو بھی ضائع ہو جاتی ہے اور بالآخر ایمان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ شیطان کا اپنی شیطنت پھیلانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔

شیطان کی شیطنت سے بچاؤ کا طریقہ:

اللہ کریم نے اس کا بہت آسان طریقہ سکھایا ہے کہ جب کوئی شیطان تنگ کرنے لگے تو فرمایا: اللہ کی پناہ میں آجاؤ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ الاعراف: 200 اللہ کریم فرماتے ہیں، میری پناہ میں آجاؤ۔ میرے پاس آجاؤ۔ میرے ساتھ بات کرو۔ میرا ذکر شروع کر دو۔ میری کتاب پڑھنا شروع کر دو۔ پاک صاف رہو۔

حلال کھاؤ۔ نیک عمل کرو۔ شیطان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا،
اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ الحجر:42 اللہ کریم نے ازل سے ہی شیطان کو بتادیا تھا کہ جو میرے بندے ہوں گے۔ جو نفس کے مطیع نہیں ہوں گے، جو دنیا کے حریص نہیں ہوں گے، جو حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر مال جمع کرنے والے نہیں ہوں گے، جو اپنی شہرت کے بھوکے نہیں ہوں گے، بلکہ جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی بس نہیں چلے گا۔ تو بڑا سادہ سا علاج ہے۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں آجاؤ۔ جو ہو چکا اس کی توبہ کرلو۔ اللہ پاک تو ایسا کریم ہے کہ فرماتا ہے تمھارے گناہ میری رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے۔ اگر کسی نے زمین وآسمان کے درمیان کو بھی گناہوں سے بھر دیا ہے تو وہ رحمت الٰہی کو عاجز نہیں کرسکتا۔ بندے کی سچی توبہ اور اصلاح احوال اللہ کریم کی مغفرت کو پالیتی ہے۔ الرحم الرحمین کا کرم اتنا وسیع ہے کہ وہ فرماتا ہے يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ الفرقان:70 اللہ کریم برائیوں کو نیکیوں میں بدل سکتا ہے۔ توبہ کرو اور اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ اللہ اللہ خیر صلاً کسی اور علاج کی ضرورت ہی نہیں لیکن ہم جو اپنے آپ کو بڑا نیک کہتے ہیں۔ اللہ سے بنا کر رکھنے کو تو ہمارا دل بھی نہیں چاہتا کہ جب چندہ ہڑپ کرنے لگیں گے تو اللہ روک دے گا۔ کسی کا مال کھانے لگیں گے تو اللہ روک دے گا۔ ہر بندے کی زبان پر ہے کہ اللہ بڑا ہے۔ اللہ کا نبی علیہ الصلوۃ والسلام بڑا ہے۔ اللہ کا دین بڑا ہے لیکن کچھ تو میں بھی ہوں۔ یہ جو 'میں' ہے یہ بندے کو اللہ کی پناہ میں نہیں آنے دیتی۔ پناہ میں تو تب آئے جب دوسرے کو اپنے سے بڑا سمجھے۔ جو خود بڑا ہو وہ کسی کی پناہ میں کیا جائے گا۔ اپنی بڑائی میں وہی مبتلا ہوتا ہے جسے اللہ کی عظمت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثریت شیطانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہتی ہے اور ایمان برباد کرنے پر تلی رہتی ہے۔ میرے پاس آئے دن یہی مسئلہ آتا رہتا ہے کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں ہوتی کسی نے باندھ دی ہے اور میں یہی وضاحت کرتا رہتا ہوں کہ اللہ کی، اللہ کے رسول ﷺ کی ہر بات حق ہے اور اس کے خلاف ہونا عقلاً بھی محال ہے۔ جسے اللہ پیدا کرنا چاہے اس کی پیدائش کو کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ حق ہے اور اسے جدید سائنس نے مزید وضاحت سے بیان کردیا ہے کہ وجود انسانی اڑھائی سو سیلوں کا مجموعہ ہے ہر چھ ماہ میں اتنے ہی ذرات خاکی بدن انسانی سے جھڑ جاتے ہیں اور اتنے ہی دوسرے پیدا ہوجاتے ہیں۔

اللہ کریم کا یہ اتنا مضبوط، اتنا باریک اور اتنا نازک نظام ہے کہ اس میں کسی کی مداخلت ممکن نہیں سائنس نے اسی بات کو عقلاً ثابت کردیا ہے۔ کوئی جادوگر اس ہستی کے سامنے دم نہیں مار سکتا کجا یہ کہ اس کے

کام میں مداخلت کرے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جسے وہ موت دینا چاہے اسے کوئی اور بچالے اور جسے وہ پیدا کرنا چاہے اسے کوئی پیدا ہونے سے روک سکے۔ بندہ صرف خواہش کرسکتا ہے اللہ کریم سے مانگ سکتا ہے۔ بندے کا کام دعا کرنا اور کوشش کرنا ہے۔ دینا یا نہ دینا یہ اس کے اپنے فیصلے پر منحصر ہے۔ وزارت بہبود آبادی کوشش کرتی رہی کہ بچے کم پیدا ہوں لیکن کسی کو پیدا ہونے سے نہ روک سکی اور جب اللہ کا حکم آیا تو سیلاب کے ذریعے موت کتنے لوگوں کو لمحوں میں اپنی آغوش میں لے کر چلی گئی۔ اللہ کی کائنات میں جینے کا سلیقہ یہی ہے کہ اپنا کام کرو۔ جو کام قدرت کا ہے اس میں مداخلت کی کوشش نہ کرو یہ بے سود ہے۔ اللہ نے اپنی ساری مخلوق کے لئے رزق کے وسائل زمین پر پھیلا دیئے ہیں۔ انہیں لوگوں میں انصاف سے بانٹو۔ ان سے چھین کر نہ کھاؤ تو ہر کسی کو اس کا حق مل جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ فرمایا شیطان، دوسرے شیطان سے بھی وفا نہیں کرتا خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔ یہ سب ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ میری مخلوق ہیں مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ میں ان کا خالق ہوں اور انہیں لوٹ کر میری ہی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ **وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ** ﴿۱۱۲﴾ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ کچھ بھی نہ کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں موت دے دیتا اس کام سے روک دیتا لیکن اس نے مہلت دی ہے وہ سب کا حساب لے گا۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں، مخالفتِ دین کی جو کوشش کر رہے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت میں کر رہے ہیں اور محض اپنی ہی عاقبت برباد کر رہے ہیں۔ اس وقت بھی دنیا بھر کا کفر جمع ہو گیا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام عالی کو روکنے کے لئے۔ کیا وہ روک سکا؟ اور کیا کوئی آج روک سکا ہے؟ آج بھی چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس میں دنیا پر **اشھد اَنّ لا الہ الا اللہ، اشھد انّ محمد رسول اللہ** کی صدا بلند نہ ہو رہی ہو۔ کبھی دنیا کا نقشہ سامنے رکھ کر جاپان، انڈونیشیا سے شروع کریں اور مغربی امریکہ تک دیکھتے چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایک جگہ فجر طلوع ہوئی اذانیں ہوئیں۔ وہاں ختم ہو رہی ہو تو اگلی جگہ فجر کی اذان ہو رہی ہو گی اسی طرح ظہر کی اذانیں اول جگہ سے شروع ہوتی ہیں اور ابھی ایک لہر دنیا کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچتی کہ پیچھے سے دوسرے شروع ہو جاتی ہے اسی طرح عصر، مغرب اور پھر عشاء ہوتی ہے اور ایسا وقت بھی دنیا پر ہوتا ہے کہ ایک وقت میں پانچ اذانیں ہو رہی ہوتی ہیں۔ یعنی کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ روئے زمین پر **اَشھدُ اَنّ لا الہ الا اللہ، اشھد انّ محمد رسول اللہ** کی صدا نہ بلند ہو رہی ہو۔ پوری دنیا کے کفر نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی اور آج بھی دنیا کی

بڑی بڑی طاقتیں اس نعرہ مستانہ کو روکنے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن نعرہ ہے کہ بلند ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ نے قرآن حکیم میں فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ الم نشرح :4 اور شاعر نے یوں دہرایا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر

ذکر اونچا تیرا، بول ہے بالا تیرا

فرمایا، ان شیطانوں نے کیا بگاڑ لیا؟ کس کو روک لیا؟ جس نے معرفت الٰہی حاصل کرنا چاہی ہم نے اسے اس کے مقصد تک پہنچا دیا۔ یہ نہیں روک سکے۔ جس نے اللہ کریم سے مغفرت چاہی اللہ کریم نے اسے بخش دیا۔ جس نے اللہ تعالیٰ سے توفیق عبادت مانگی اللہ تعالیٰ نے اسے توفیق عبادت عطا کر دی۔ ہاں جو خود ان شیطانوں کے چنگل میں آ جائے اور اللہ کریم سے طلب ہی نہ کرے تو اسے ہدایت کب نصیب ہوگی؟

فرمایا، یہ نئی بات نہیں انسانوں اور جنوں میں سے جو شیاطین تھے انہوں نے ہر نبیؐ کی مخالفت کی۔ طرح طرح کے جھوٹ لولے۔ جادو اور ٹونے ٹوٹکوں کا سہارا لیا۔ یہ لوگ صرف نیکوں سے ہی غلط بیانیاں نہیں کرتے آپس میں بھی ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وطن عزیز کے حکمران اور سیاستدان طبقے کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ جو برسر اقتدار آ جائے اس کے وزیر بن جاتے ہیں وہ چلا جائے تو دوسری حکومت میں شامل ہو جاتے ہیں پہلے والوں کو کوسنے لگ جاتے ہیں اور نئی حکومت کے گن گانے لگ جاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے جس کی برائی کر رہے ہیں وہ بھی جھوٹ ہے اور جس کی تعریف کر رہے ہیں وہ بھی جھوٹ ہے۔ ان اونچے کھڑے لوگوں کے سایے میں ہم اپنا کردار بھی دیکھیں تو ایسا ہی ہے کہ ہمیں کہیں سے کوئی لالچ ہو تو ہم تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں اور جہاں کہیں کسی دنیا کی چیز ملنے کی توقع نہ ہو وہاں ہمیں اعتراض ہی اعتراض نظر آتے ہیں۔ اب بڑے کم لوگ ہیں جو اللہ کے لئے سچ بولیں اور حق کی حمایت میں کھری بات کریں۔ ایسے خوش نصیب بڑے کم لوگ ہیں۔ اللہ کریم کا ارشاد حق ہے فرمایا، وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝ سبا:13 میرے شکر گزار بندے ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ مادی خواہشات اور مادی لذات میں کھو جاتے ہیں روح کی حیات اور روحانیت کی لذتیں پانا ان کے نصیب میں نہیں رہتا۔

فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے لیکن اللہ زبردستی نہ کسی کو برائی پر مجبور کرتا ہے نہ نیکی پر۔ اس نے پیدا کیا، نظام بنایا۔ اختیار دے دیا۔ موت تک ان کے پاس اختیار ہے۔ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ لہٰذا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کر لینے دیجیے جو یہ کرتے ہیں۔ ان کی پرواہ مت کیجیے۔ یہی پیغام اللہ کا اس بندے کے لیے ہے جو اللہ کا سچا طالب ہے کہ وہ برائیوں۔ بدکاروں

اور برے لوگوں سے ڈر کر اپنے قدم نہ ڈگمگائے۔ اللہ کی طلب میں استقامت دکھائے۔

گمراہی کا بنیادی سبب:

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ ﴿١١٣﴾

رہی یہ بات کہ انہیں چھوٹ مل گئی تو یہ بڑی گمراہی پھیلائیں گے تو فرمایا ان کے سبب وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں جنہیں خود آخرت کے بارے یقین نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے کہ ان ہی لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوتے ہیں جن کے دلوں میں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ جو اللہ کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے، جو رسول کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔ جنہیں آخرت پر یقین نہیں ہے۔ یعنی جن کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں وہی ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

ہم میں سے ہر ایک کے لئے اس میں سبق پوشیدہ ہے۔ ہم ہمیشہ اپنی غلطی کا الزام دوسروں پر دیتے ہیں۔ ہمارا بیٹا چوری کرے تو ہم کہتے ہیں اس کے دوست نے اسے چوری پر لگا دیا۔ ہم سے غلطی ہو تو کہتے ہیں فلاں نے ہم سے کرالیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ بنیادی خرابی آدمی کے اپنے نہاں خانہ دل میں ہوتی ہے اگر اپنا دل ہی غافل ہو۔ اللہ کریم سے آشنا نہ ہو تو اسے کوئی بھی کسی راستے پر لگا لے گا۔ اس کی عجیب کیفیت بن جاتی ہے کہ اس کا ایمان بالآخر کمزور پڑ جاتا ہے۔ آخرت کو ماننے کے لئے دل زندہ چاہیے مردہ دل آخرت پر ایمان نہیں رکھ سکتا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ کسی کو اپنی موت کا یقین نہیں آتا۔ یعنی اگر کسی کو اپنی موت کا یقین ہو تو کیا وہ بندہ اللہ کریم کی نافرمانی کرے گا؟ کفر کی طرف جائے گا؟ ہمارے اردگرد کی لوٹ مار اور دہشتگردی اور قتل وغارت کا یہ عمل کیا بتاتا ہے؟ کیا ان لوگوں کو یقین ہے کہ انہیں بھی مرنا ہے؟ اگر موت جیسی تلخ حقیقت روزانہ ہمارے سامنے وارد ہو رہی ہے۔ ہم لوگوں کو اپنے ہاتھوں دفن کرتے ہیں اور پھر بھی ہمیں یہ احساس نہیں کہ ہم نے بھی مر جانا ہے تو پھر قیامت کا یقین کون کرے گا؟ یہ یقین کیوں نہیں ہوتا؟ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ نہاں خانہ دل میں ایک لطیفہ ربانی ہے اگر اس میں اللہ کی یاد ہو تو یہ سارے حقائق سامنے آجائیں گے لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو تو چہرے پر موجود آنکھیں دیکھتی بھی رہیں تو یقین نہیں آتا۔ پھر زندگی کے سارے فیصلے من مانے ہوتے ہیں۔ سب کام اپنی مرضی سے کئے جاتے ہیں۔ عبادات کی جگہ رسومات آجاتی ہیں۔ معاشرت میں رواجات در آتے ہیں اللہ کے احکام کے مخالف رواجات بنا کر انہیں پسند کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ دین سے دوری ہوتا ہے۔ اس کے بعد دین مخالف اور

پھر دین سے عاری ہو جانے پر بات ختم ہوتی ہے۔فرمایا: جولوگ دین کے مقابلے میں رسومات جاری کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کے مقابلے میں دوسروں کی باتیں مانتے ہیں ان کی باتیں وہی لوگ مانتے ہیں جن کے اپنے دل تباہ ہو چکے ہوتے ہیں۔

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کوئی سنت مطہرہ کی بات کرے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام اس طرح کیا تھا۔صحابہ کرام نے اسے جاری رکھا سلف صالحین نے اسے اپنایا تو کہا جاتا ہے کہ یہ تو وہابی ہو گیا ہے۔ ہر طرح کی غلط کاری کرنے والے کو کوئی برا نہیں کہتا دین کا صاف ستھرا مسئلہ بیان کر دو تو کہتے ہیں وہابی ہو گئے ہیں۔دین کے نام پر کوئی رواج شروع کر دو۔اس میں گپ شپ ہو۔کھانا پینا ہو۔گانے بجانے والے ہوں تو سب بڑی خوشی سے اس میں شرکت کریں گے اور اسے باعث ثواب سمجھیں گے۔

دین میں من مانی کی ایک عام مثال رمضان میں دیکھی جاسکتی ہے۔تراویح میں قرآن حکیم سننا سنت موکدہ ہے اور بڑے ثواب کا کام ہے۔سارے دیو بندی۔بریلوی علماء اس پر متفق ہیں کہ جو شخص اجرت پر قرآن سنائے گا نہ اس کی اپنی نماز ادا ہوگی نہ اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی ہوگی لیکن حالات یہاں پہنچ چکے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گاؤں کے کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ہمیں کوئی حافظ بھیج دیجیے۔میں نے انہیں مسئلہ سمجھا دیا کہ وہ اجرت پر قرآن نہیں سنائے گا انہوں نے انکار کر دیا کہ ہم نے اللہ کے نام پر نہیں سننا۔ہم اس سے سنیں گے جو ہم سے پیسے لے گا۔ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا مطلوب و مقصود نہیں ہوتی۔مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں ناموری ہو کہ ہم نے حافظ کو اتنی رقم دی اتنے جوڑے کپڑے دیئے۔کیسی عجیب بات ہے کہ تیس دن ہر روز بیس رکعت نماز اتنی مشقت سے پڑھی اور یہ بھی پتہ ہے کہ نہ نماز پڑھانے والے کی ہوئی نہ اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی ہوئی لیکن یہ بات کسی سے منوا کر تو دکھائیں۔ہاں یہ درست ہے کہ حافظ اللہ کے لئے تراویح میں قرآن سنائے اور آپ اپنی خوشی سے اس کی خدمت کریں تو جائز ہے لیکن اگر اجرت طے ہے یا وہ اس امید پر آتا ہے کہ کچھ ملے گا تو پھر جائز نہیں۔

یہی حال مرنے کی رسومات کا ہے۔ہندوؤں کے ہاں رواج تھا کہ مرنے والے کا تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی کرتے تھے۔وہی رسومات ہمارے ہاں در آئی ہیں۔گھر کا فرد زندہ ہو تو کوئی پانی نہیں پوچھتا۔پانی مانگے تو کہتے ہیں اس کی تو عادت ہی یہی ہے اور جب مر جائے تو وہی ہندوانہ رسمیں جاری ہو جاتی ہیں اگر کوئی پوچھے کہ کیا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تیجہ، دسواں وغیرہ ہوتا تھا؟ کیا صحابہ کرامؓ نے ایسا کیا؟ کیا سلف صالحین کا یہی عمل تھا؟ تو کہتے ہیں یہ وہابی ہو گیا۔لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے

دل تباہ ہو چکے ہیں۔

وہاں اللہ کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے اہل اللہ ہر بندے پر محنت کرتے ہیں کہ اس کے دل میں اللہ کا نام نقش ہو جائے۔ جب دل میں اللہ کا نام نقش ہوتا ہے تو یہ برائی سے بچانے کا سبب بنتا ہے اور اگر دل میں اللہ نہ بستا ہو تو وہ بے آباد ہو جاتا ہے۔ جس گھر میں کوئی مالک نہ رہتا ہو وہ گھر کھنڈر بن جاتا ہے۔ اگر کوئی کچا کوٹھا ہی بنا لے لیکن اس میں رہائش پذیر ہو تو وہ قائم رہتا ہے اس میں رہنے والے اس کی مرمت کراتے رہتے ہیں اور کوئی بہت عالی شان پکا مکان بنا لو لیکن اس میں رہنا چھوڑ دو تو وہ از خود ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ اس کا رنگ اترنے لگے گا۔ سیمنٹ گرنے لگے گا۔ کھڑکیاں اور کواڑ ٹوٹنے لگیں گے گویا جہاں آبادی نہیں ہوتی وہاں پہلے ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے پھر جھاڑ جھنکار اگتا ہے پھر حشرات الارض آجاتے ہیں۔ چوہے آجاتے ہیں۔ چوہوں کو کھانے کے لئے سانپ آجاتے ہیں اور طرح طرح کی مصیبتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہی عالم دل کا بھی ہوتا ہے۔ دل کا مالک اللہ ہے۔ اگر آپ نے اللہ کا نام دل میں بسا لیا تو وہ آباد ہے خواہ آپ کے دل کا درجہ کچے کوٹھے کا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر آپ نے اس کے ساتھ محنت کی اور اسے ایک محل بنا دیا تو بھی وہ اللہ کے نام سے ہی آباد رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر اس محل کا باسی اس میں نہیں تو وہ ویران ہو جائے گا۔

فرمایا اصولی بات یہ ہے کہ خامی بندے کے اپنے اندر ہوتی ہے تب ہی وہ شیطان کی یا انسانوں میں سے مجسم شیطان کی بات مانتا ہے۔ اگر اس کے اپنے اندر خرابی نہ ہو تو شیطان اس سے بات نہیں منوا سکتا لہٰذا ایسے لوگوں سے گمراہی پھیلنے کا ڈر نہیں۔ جو لوگ خود اندر سے اور پہلے سے گمراہ ہیں وہی ان لوگوں کی بات مانیں گے اور جو اندر سے سچے اور حق کو ماننے والے ہیں ظاہر و باطن حق پر عمل پیرا ہیں وہ ان کی بات کو پرِ کاہ اہمیت نہیں دیں گے۔ لہٰذا جو غلطیاں ہم کرتے ہیں کوئی ہم سے نہیں کراتا۔ ہمارے اندر کمزوریاں ہوتی ہیں اس کی وجہ سے وہ غلطیاں ہوتی ہیں۔ ہم برے آدمی کی بات کیوں مانتے ہیں؟ اس لئے کہ ہمارے اپنے اندر برائی کہیں چھپی ہوتی ہے۔ دنیا میں کتنے ہی لوگ نیکی کی بات بھی تو بتاتے ہیں ہم کسی نیک کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اس لئے کہ نیکی کی طلب میں کمی اور کمزوری ہمارے اندر ہے۔

ہم اللہ سے تعلق بھی دنیا داری کے حساب سے جوڑتے ہیں کہ اللہ اللہ کروں گا تو مجھے بیماری نہیں آئے گی۔ بیٹے کو نوکری مل جائے گی۔ صلوٰۃ کی پابندی کروں گا تو میری دکان چل جائے گی۔ یہ بھی کہتے ہیں

کہ ہم فرض عبادات کرتے ہیں نفلی عبادات بھی کرتے ہیں پھر بھی کاروبار میں نقصان ہوجاتا ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ عبادات رب سے رشتہ جوڑنے کا سبب ہیں اور کاروبار کے اپنے تقاضے ہیں۔ کاروبار کرنے کے لئے ایک طریقہ ہے سلیقہ ہے۔ سب طریقے کر کے بھی کبھی نفع ہوتا ہے کبھی نقصان ہوجاتا ہے۔ ہم اسی سال بھی جی لیں تو اسی سال میں جتنا عرصہ صحت مندی کا لطف اٹھایا اسے بھول جاتے ہیں اور چند دنوں کی بیماری یاد رہ جاتی ہے اور یہی کہتے ہیں کہ ہماری تو عمر دکھوں میں ہی گزر گئی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ رب کریم سے ہمارا تعلق ویسا نہیں ہے جیسا ہونا چاہیے۔

کوئی پریشانی، دکھ، بیماری آجائے تو عاملوں کے پاس جاتے ہیں۔ سیدھے اللہ کریم کے دروازے پر کیوں نہیں آتے؟ اس لئے کہ اپنے اندر اللہ کریم کی طلب کا وہ معیار نہیں ہوتا جو غیر اللہ کے در پر جانے سے روک دے ورنہ کسی کو عاملوں کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو خود شیطان ہے آنے والوں کو شیطنت میں ہی مبتلا کرے گا۔ اس مصیبت کا سادہ سا علاج ہے۔ خود پاک صاف رہیں۔ حلال کھائیں۔ اپنی پوری کوشش سے حضور ﷺ کا اتباع کریں۔ خلوص دل سے کوشش کرنے والوں کے عمل میں کوئی کمی رہ جائے تو اللہ کریم یقیناً معاف کرنے والے ہیں۔ کالے علم والے پھر کہیں اور جا کر زور لگائیں گے ایسے لوگوں کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن بات یہ ہے کہ ہم اللہ پاک کی پناہ میں تو آئیں۔ ہمیں اس بات پر اعتبار ہی نہیں آتا۔ اس کے لئے اللہ سے مضبوط تعلق چاہیے۔

اس ضمن میں مولانا تھانویؒ نے مثال دیتے ہوئے ایک حکایت بیان کی اور فرمایا کہ انہوں نے یہ کہیں پڑھا نہیں، کسی سے سنا تھا کہ حضرت حسنؓ نے جب خلافت حضرت امیر معاویہؓ کو سونپ دی اور امت کو بڑے افتراق و انتشار سے بچا لیا تو عمرہ کی غرض سے روانہ ہوئے قیس کو جوان کا ہمعصر تھا اور دوست بھی اسے ساتھ لے گئے۔ اثنائے سفر اس سے گفتگو ہوئی اور فرمانے لگے کہ دیکھو قیس میں نے خلافت اپنے چچا کو دے کر کتنا بھلا کام کیا اب خانہ جنگی رک جائے گی اور انشاء اللہ اسلامی ریاست پھیلے گی۔ اس پر قیس کہنے لگا بات یہ ہے کہ دراصل خلافت نہ تمھیں سجتی ہے نہ امیر معاویہؓ کو بلکہ وہ تو لیلیٰ کو سجتی ہے۔ اس کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی قلبی یکسوئی صرف لیلیٰ سے تھی اور اس حد تک تھی کہ زمانے کے احوال اسے متاثر نہیں کرتے تھے۔ اس پر حضرت حسنؓ نے فرمایا انت مجنون۔ تو پاگل ہے اس کے بعد لوگ قیس کو مجنوں ہی کہنے لگے۔ آج تک لیلیٰ مجنوں ہی مشہور ہے۔ اگر ایک انسان کو دوسرے انسان سے اتنا تعلق ہوسکتا ہے کہ دنیا پر

انقلاب بپا ہوجائے لیکن اس کے ذہن سے وہ شخص محو نہ ہو تو کسی کا اللہ سے تعلق ، ہو تو وہ کتنا مضبوط ہونا چاہیے؟ اس میں کتنی جان ہونی چاہئے ۔ کیا اللہ کے بندے کو ہر بات میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میرا اللہ ہے وہ دیکھ لے گا؟ جب بندے کو یہ توفیق دی گئی کہ اللہ کا نور بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ اسے نصیب ہو اور بندے کا رب العالمین سے تعلق استوار ہو جائے اور پھر وہ غیر اللہ سے بھی ڈرتا ہو تو پھر اس کا مطلب ہے کہ یاری میں کچھ کمی ہے۔ تعلق میں کمزوری ہے۔

فرمایا، ان شیاطین سے کوئی اللہ کا بندہ گمراہ نہیں ہوسکتا وہی گمراہ ہوں گے جن کے دلوں میں آخرت کا انکار موجود ہے۔ ان لوگوں کے لئے افسوس کرنے کی کوئی بات نہیں اور جن کے دل میں میری محبت ہے وہاں یہ بس نہیں سکتے۔ میری محبت اتنی کمزور نہیں کہ اس پر کالا جادو چل جائے۔ اللہ کی محبت اللہ کا نور ہے یہ کبھی اس پر غالب نہیں آسکتے۔ اور جو کچھ یہ کرنا چاہتے ہیں انہیں کر لینے دیجئے تاکہ کل میدان حشر میں یہ نہ کہیں کہ ہمیں مہلت نہیں ملی تھی۔ یہ کسی کا کیا بگاڑیں گے یہ تو اپنے آپ کو تباہ کر کے ذلیل ورسوا ہو کر قبر میں چلے جائیں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فیصلہ انہیں سنا دیجیے **اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا** کہ یہ امید کسی بندہ مومن سے نہ رکھو کہ وہ اللہ کریم کے حکم کے مقابلے میں کسی دوسرے کے حکم کی تعمیل کرے گا۔ وہ تو وہی بات مانے گا جو اللہ کریم کے حکم کے مطابق جائز ہوگی۔ اگر کوئی اس سے خلاف شریعت کام کرانا چاہے گا تو وہ اللہ کریم کے حکم کو ترجیح دے گا غیر اللہ کی بات نہیں مانے گا یہ معیار ایمان ہے جو قرآن حکیم نے بتا دیا کہ ان کو بتا دو کہ کیا میں اللہ کریم کے حکم کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کا حکم مانوں؟ اللہ کریم پر ایمان اور غیر اللہ کا اتباع اکٹھے نہیں چل سکتے۔ میں مومن ہوں میں وہ کام کروں گا جس کے کرنے کی اللہ کریم نے اجازت دی ہے اس طریقے سے کروں گا جس طریقے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا اس نے تمہیں جو کتاب دی ہے اس میں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک زندگی کے سارے امور طے کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم، آقائے نامدار ﷺ کا ایسا زندہ وجاوید معجزہ ہے جو تمام زمانوں کے لئے بیک وقت بہترین لائحہ عمل ہے۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب پاک ﷺ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو عرب کی سرزمین پر رہنے والے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی لیکن اس میں روئے زمین کے انسانوں کے لئے زندگی کے تمام اصول، قوانین اور ضابطے مرتب کر دیئے گئے اور ایسے کئے کہ دنیا کے ہر ملک میں بسنے والے انسانوں کے لئے عمل کرنا آسان ہی نہیں بلکہ عین فطرت کے مطابق ہے اور صرف

یہی لائحہ عمل بہترین ہے۔ یہ ایسا غیر متبدل ہے کہ اس کے تمام احکام اتنے مُسلّم ہیں کہ ان میں کسی تبدیلی کی کبھی کس زمانے میں ضرورت نہیں پڑسکتی۔ اس لئے کہ یہ اللہ جل شانہ کا کلام ہے۔ اس کا نازل کردہ لائحہ عمل ہے جسے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ سے عالم انسانیت کے لئے بہترین نمونہ بنادیا ہے۔

آج دنیا انٹرنیٹ اور الیکٹرونک میڈیا۔ سیٹلائٹ اور دیگر ایجادات کے باعث گلوبل ولیج بن گئی ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مواصلاتی رابطے ہونے کے باعث کوئی فاصلہ نہیں رہا اس کے باوجود ہر ملک کے آئین ودستور اسی ملک کے لئے قابل عمل ہیں کسی دوسرے کے لئے نہیں دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کرے کہ اس کا قانون ساری دنیا کے لئے درست اور قابل عمل ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر قوم کے مانے ہوئے دانشور، قانون دان، ماہرین اور قوم کے چنے ہوئے لوگ قانون مرتب کرتے ہیں اور جب انہیں عملاً نافذ کرتے ہیں تو سمجھ آتی ہے کہ اس قانون میں کہیں سقم رہ گیا یا کہیں کوئی کمی بیشی کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے پھر اس میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور ترجیحات کر کے قوانین نافذ کئے جاتے ہیں۔ یہ انفرادیت صرف قرآن حکیم کی ہے کہ یہ نزول سے قیامت تک غیر متبدل ہے اور کتاب مفصل ہے۔ زندگی کے تمام امور کے تمام اصول تمام علوم کے سرچشمے اور عمل کرنے والوں کے لئے ہر عمل کی جزئیات تک اجمالاً بیان کردی گئی ہیں۔ کسی ایک شعبے میں نہیں زندگی کے تمام شعبوں میں پوری تفصیل کے ساتھ حقائق بیان کردیئے گئے ہیں۔ یہی وہ کتاب حکیم ہے جس کی بشارت اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں میں آچکی ہے وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ جن لوگوں کو پہلے کتابیں ملی تھیں یعنی یہود اور نصاریٰ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں بھی اس کی بشارت موجود تھی۔ ان کے نبیوںؑ نے انہیں بتایا اور انہیں علم ہے کہ یہ کتاب حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے اور اللہ جل شانہٗ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہے، خاتم الانبیاء ہے امام الانبیاء ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ کتاب آخری کتاب ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ تو اے مخاطب! کبھی بھی کسی کے بہکانے پر قرآن کی صداقت پر رائی برابر شک نہ کرنا۔ اس میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہی حق ہے اور جس طریقے سے بتایا ہے وہ برحق ہے۔

سارا سچ قرآن ہے:

یاد رکھو! ساری سچائی اللہ کی کتاب میں ہے۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ط اللہ جل شانہ کی بات مکمل ہوگئی حق کے ساتھ، سچائی کے ساتھ اور انصاف کے ساتھ۔ تمہارے رب کی بات مکمل ہوگئی اب نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کسی نئے نبی پر کوئی نئی کتاب آئے گی۔ اللہ نے مخلوق کے لئے جو نظام عطا فرمانا تھا وہ مکمل

ہو گیا۔ آدمؑ پر صحیفے آئے۔ ابراہیمؑ پر آئے۔ داؤد علیہ اسلام اور موسیٰ پر کتابیں نازل ہوئیں لیکن یہ تمام صحیفے اور ساری کتابیں مخصوص لوگوں، مخصوص علاقوں، مخصوص زمانوں کے لئے تھیں۔ جب انسانیت بالغ ہوئی، شعورِ انسانی اپنے کمال کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی اور آخری رسول محمد رسول اللہ ﷺ معبوث ہوا جو بیک وقت ساری انسانیت کے لئے تھا اور ہے۔ قیامت تک آپ ﷺ کی ہی رسالت رہے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کہلوایا جارہا ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الاعراف :158 اے بنی آدم! تم جہاں تک ہو میں تم سب کے لئے اللہ جل شانہٗ کا رسول ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ آج بھی ہم یہی کلمہ پڑھتے ہیں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی یہ کہ حضور اکرم ﷺ آج بھی اللہ کے رسول ہیں اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے رسول ہیں ﷺ۔ آج بھی حضور صلی ﷺ کی رسالت ہے۔ آج بھی یہی کتاب قرآن حکیم کتاب عمل ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں اور اللہ کریم کے کلمات مکمل ہو گئے اب نہ وحی آئے گی نہ کسی کو کوئی نیا راستہ بتائے گا۔ بات ختم ہو گئی۔ اللہ کی بات مکمل ہو گئی۔ ساری سچائی اللہ کی کتاب میں ہے اور سارا انصاف اللہ کی کتاب میں ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ ظلم ہے اور جھوٹ ہے مغربی مفکرین کو مسلمانوں سے یہ شکایت ہے جس کا چرچا وہ میڈیا پر کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان کہتے ہیں کہ سچ صرف اسلام میں ہے باقی کسی کے پاس سچائی نہیں اس طرح انہوں نے سچائی پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ان کے الفاظ یہ تھے

"Islam has claimed the monopoly over the truth"

حالانکہ ان کا یہ کہنا درست نہیں۔ مسلمانوں نے سچائی پر قبضہ نہیں کیا مسلمانوں کے پاس ہے ہی سچائی اور سچائی کے علاوہ جو کچھ ہے وہ جھوٹ ہے۔ مسلمانوں نے سچائی پر قبضہ نہیں کیا، اسے ہر ایک کیلئے کھلا رکھا۔ جو کلمہ پڑھ لے سچائی اسی کے پاس آجائے گی۔ قبضہ تو تب ہو کہ مسلمان کہیں کہ ان کے سوا کوئی اور کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ اسلام کی دعوت تو ساری انسانیت کے لئے ہے لیکن اگر کوئی سچائی کو اسلام کو قبول نہ کرے اور یہ کہے کہ اس کے جھوٹ کو بھی سچ مانا جائے یہودیوں اور عیسائیوں کے شرک کو بھی سچائی کہا جائے تو یہ بڑی حماقت آمیز بات ہو گی جھوٹ کو سچ کون مانے گا۔ یہود و نصاریٰ کے انبیاؑ اپنے اپنے وقتوں میں دین برحق لے کر آئے۔ آدمؑ سے عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ نے تسلسل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول کی رسالت، کتب، فرشتوں کے بارے خبر، برزخ کے عذاب و ثواب کی خبر، حشر کے حساب و کتاب کی خبر، جنت و دوزخ کی خبر یعنی تمام عقائد کے

بارے ایک ہی خبر دی لیکن یہودی وعیسائی لوگوں نے عقائد تبدیل کر دیئے۔ یہود نے عزیر علیہ اسلام کو اللہ کا بیٹا مان لیا عیسائیوں نے عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مان لیا تو ان مغربی مفکرین کی رائے کو درست مانا جائے تو کم وبیش سوا لاکھ انبیاءؑ ورسولؑ کو معاذ اللہ جھوٹا مان لیا جائے اور ان خنزیر کھانے والوں اور شراب پینے والوں کو سچا مان لیا جائے۔ ان نام نہاد مفکرین کو یہ حقیقت مان لینی چاہیے کہ سچائی صرف اسلام میں ہے اس کا کوئی حکم کبھی تبدیل نہیں ہوگا۔ اس کے احکام میں جو رعائتیں ہیں وہ حضور اکرم ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق ارشاد فرمائی ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ میں قیام فرض ہے لیکن اگر کوئی کھڑا نہیں ہوسکتا تو وہ بیٹھ کر پڑھ لے۔ جو بیٹھ نہیں سکتا وہ لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ صورت حال کے تبدیل ہونے سے وہی رعائتیں ملتی ہیں جو نزول قرآن کے وقت متعین کی گئیں لہٰذا اسلام میں نہ کوئی نیا حکم آئے گا اور نہ کوئی حکم اسلام سے خارج ہوگا۔ رب العالمین کے کلمات سچائی اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے۔ فرمایا: **لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ** اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں۔
آج پندرھویں صدی گزر رہی ہے۔ پندرھویں صدی کے بھی تیس سال گزر چکے۔ آج تک قرآن حکیم کی کسی آیت اور کسی حکم میں ترمیم کی کوئی ضرورت پیش آئی؟ رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت میں تبدیلی کی ضرورت پیش آئی؟ ہرگز نہیں! اور جہاں کسی نے تبدیلی کی کوشش کی وہیں علماء حق کھڑے ہو گئے کہ یہ غلط ہے اور صحیح وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن اللہ کریم نے قرآن وسنت کی حفاظت کا کام ہمیشہ اپنے محبوب بندوں سے لیا ہے۔ چاہے کوئی ان سے ناراض ہو یا خفاء حکومتیں بگڑ جائیں یا لوگ ناراض ہو جائیں وہ ہمیشہ حق پر قائم رہتے ہیں اور قرآن وسنت کی حفاظت کا حق ادا کرتے ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن سے یہ خدمت لی جاتی ہے۔ یہ جملہ کہنا اللہ ہی کو زیبا ہے ''تیرے پروردگار کے کلمات حق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے'' ہم پندرھویں صدی میں ہیں۔ دنیا نہ جانے کتنی صدیاں اور چلے گی۔ کیسے کیسے لوگ آئیں گے۔ لوگوں کے رنگ، زبانیں، غذائیں، لباس اور دن رات کے اوقات تک مختلف ہوں گے لیکن دین ایک ہی ہوگا۔ دنیا کے کسی ملک میں چلے جائیں ہر موذن یہی کہہ رہا ہوگا **اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ**۔ ہر ملک کی زبان مختلف ہوگی لیکن صلوۃ کے ارکان یہی ہوں گے۔ یہی سورہ فاتحہ یہی قرآنی آیات، یہی رکوع وسجود اور ان کی یہی تسبیحات ہوں گی۔ دنیا کے کسی گوشے میں چلے جائیں سحر وافطار یہی ہوگا۔ یہی تراویح ہوگی، یہی زکوۃ اس پر واجب ہوگی یہی صدقات نافلہ ہوں گے۔

آج بھی قرآن حکیم پر الحمد اللہ روئے زمین پر عمل ہو رہا ہے۔ نہ آج تک قران کے کسی حکم میں ترمیم کی ضرورت پیش آئی ہے اور نہ قیامت تک کبھی ضرورت پیش آئے گی کہ اللہ کی بات سچائی اور عدل کے ساتھ

مکمل ہوگئی۔ سارا سچ اور سارا عدل قرآن ہے جہاں کوئی قرآن کو چھوڑے گا وہ عدل نہیں ظلم ہوگا۔ کافر تو ہے ہی جھوٹا وہ قرآن کیخلاف چل کر ظلم کر رہا ہے جھوٹ کو پروان چڑھا رہا ہے لیکن مسلمان قرآن وسنت کی خلاف ورزی کر کے دہرا ظلم کر رہا ہے۔

خلاصہ آیت یہ ہے اللہ کریم بندہ مومن سے فرما رہا ہے کہ تم کبھی بھول کر بھی اس سچائی میں ادنیٰ سا شک بھی نہ کرنا جس کی سچائی کی گواہی اللہ تعالیٰ خود دے رہا ہے۔ اور اللہ کے حبیب ﷺ نے صحرائے عرب میں بیٹھ کر ساری انسانیت کے لئے اُمور زندگی اور ان کے مسائل کا حل طے کر دیا ہے ان میں تبدیلی کی ضرورت کبھی پیش نہ آئے گی۔ یہ آیت ختم نبوت پر بہت بڑی دلیل ہے کہ دین مکمل ہوگیا، اللہ کے احکام مکمل ہوگئے اب صرف عمل کی باری ہے جسے توفیق ملے وہ عمل کرے جو نہیں کرے گا وہ بھگتے گا **وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ** ﴿۱۱۵﴾ وہ خود سنتا بھی ہے اور ذاتی طور پر جانتا ہے۔ جو فرد و بشر کچھ کہتا ہے یا کچھ عمل کرتا ہے اس کے نتائج کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوگا۔ **وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ** روئے زمین کی اکثریت کی بات اگر آپ مان لیں گے **يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** تو یہ اکثریت آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی اس آیت مبارکہ میں جو بات ارشاد فرمائی جارہی ہے وہ عوام الناس کی اکثریت کا رویہ اور اس کی ملکی زندگی میں اہمیت کی وضاحت ہے۔ اس کی واضح مثال دور حاضر میں ملکی جمہوری نظام کی ہے۔ جس میں ملک کے چیف جسٹس کا ووٹ اور ایک جاہل بد اطوار شخص کا ووٹ برابر ہے۔ ایک پڑھے لکھے باشعور فرد کا ووٹ اور جنگل میں پیدا ہونے والے، وہیں پلنے بڑھنے والے، جسے نہ ملکی معاملات کی خبر ہے نہ کوئی سوجھ بوجھ ہے اس کا ووٹ برابر ہے۔ ملکی جمہوری نظام میں لوگ غنڈوں کو ووٹ دیتے ہیں تاکہ تھانے کچہری میں وہ ان کی مدد کرسکیں۔

سیاستدان جھوٹے ووٹ ڈلواتے ہیں۔ پولنگ کے دوران ہر قسم کی دھاندلی بروئے کار لاکر ووٹ اکھٹے کئے جاتے ہیں اور یوں اکثریت کے نمائندے بن کر خود کو جمہوری نظام کی پیداوار سمجھتے ہیں یہی وہ جمہوری نظام ہے جس کی حمایت تمام سیاستدان، دانشور، حکمران اور کالم نگار کرتے ہیں۔

اسلامی جمہوریت اور رائج الوقت جمہوریت میں فرق

لفظ جمہور عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس بات پر سب کی رائے ایک ہوجائے وہ جمہوری کہلاتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی نے سب سے پہلے جمہوریت کا اجراء کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے جہاں تک تاریخ انسانی ہے وہاں تک شخصی حکومتیں ہی ملتی ہیں۔ بادشاہتیں اور ذاتی حکومتیں ہی ملتی

ہیں۔ جمہوریت کا بنیادی پتھر قرآن حکیم نے رکھا، محمد رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔ اسلامی جمہوریت اور ملک میں رائج الوقت جمہوریت میں بہت فاصلہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ جس شعبے کا کام ہے اس شعبے کے ماہرین اس کے بارے رائے دیں۔ ماہرین کی اکثریت جس رائے پر متفق ہو جائے اسے جمہور کی رائے مان لیا جائے اور ان میں سے جو قلیل تعداد جمہور کی رائے کے خلاف ہو ان کی رائے کو نظر انداز کر دیا جائے یعنی اگر بات قانون کی ہے اور ماہرین قانون کی اکثریت اس پر متفق ہو جائے اور جو لوگ اس کیخلاف ہوں وہ تھوڑے ہوں تو اکثریت کو جمہور مانا جائے گا۔ اسے سب کا فیصلہ تسلیم کیا جائے گا اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر معاملہ تعمیرات سے متعلق ہو۔ ہسپتال، سکول و دیگر عمارات کی تعمیر کی بات ہو تو ملک کے تجربہ کار اور قابل ماہر انجینئر جمع کئے جائیں، وہ اپنی ماہرانہ رائے دیں۔ ان کی اکثریت جس رائے پر متفق ہو جائے اس پر عمل ہوگا اور یہ جمہوریت ہوگی یا شعبہ مالیات سے متعلق امور ہوں تو اس شعبے کے ماہرین کی رائے کو جمع کیا جائے گا۔ ان کی اکثریت جو رائے دے گی وہ جمہور کی رائے ہوگی اور اگر کچھ لوگ اس کے خلاف ہوں تو ان کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ یہ اسلامی جمہوریت ہے۔

جو جمہوریت ہمارے ہاں رائج ہے یہ عام اکثریت کی بات ہے۔ یعنی اُمور سلطنت اور حکومت کرنے کے لئے جس دینی، اخلاقی، تعلیمی معیار، دیانت و امانت پختگی و شعور و ادراک کی ضرورت ہے عوام کی اکثریت اس سے نابلد ہے لہٰذا ان کی رائے سے بات نہیں بنتی لیکن ہمارے ہاں یہی عام اکثریت جسے اس بات کی نہ کوئی پہچان ہے نہ اسے پرواہ ہے اس کے ووٹ ذات، برادری یا پیسے دے کر، لالچ دے کر، ذاتی مفادات کے لین دین کے عوض اکھٹے کئے جاتے ہیں، ایسے ووٹ جس طرف زیادہ ہوں اسے جمہوری فیصلہ کہا جاتا ہے۔ یہ جمہوریت نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی یہ آیہ مبارکہ اس کو گمراہی کا سبب قرار دے رہی ہے۔ فرمایا: اگر آپ روئے زمین پر اکثریت کی رائے مان لیں گے تو یہ اکثریت آپ کو اللہ کریم کی راہ سے ہٹا دے گی۔ وہ ایسے مشورے دیں گے جو اخلاقیات، احکام الٰہی اور شریعت اسلامی کے خلاف ہوں گے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو کل انسانیت کو راہ دکھانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں آپ ﷺ کے لئے آیت کا یہ انداز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب نبیؐ کے لئے یہ حکم ہے تو امت پر اس کی پابندی کے لئے کس قدر تاکید ہے۔

تاریخی اعتبار سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ محض اکثریت کی بات ماننا درست نہیں کہ اکثریت کے مشورے اللہ کی راہ سے ہٹا دینے کا سبب ہوتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں بھی دیکھ لیں، حق کی تائید کرنے والے

کتنے لوگ تھے اور مخالفت کرنے والے کتنے تھے؟ مدینہ منورہ اسلامی ریاست بن چکی تھی تین ہزار گھروں کا چھوٹا سا گاؤں تھا، مدینہ منورہ کے گرد یہود کے قلعے تھے اگر ان سب کو گنیں اور مدینہ منورہ میں رہنے والے منافقین کی گنتی کریں تو اکثریت اسلام کے خلاف تھی۔

وہ مدینہ جو کچے گھروں پر مشتمل تھا اسے اللہ کریم نے ہماری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ شاید ہم اس قابل ہی نہیں تھے کہ ہم اس مٹی کی زیارت کرتے۔ عہدِ نبوی کے گھر بہت نیچے رہ گئے۔ مٹی کی تہیں بن بن کر اوپر شہر آباد ہو گیا۔ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں تھا۔ حرم کی وسعت کے لئے عمارتیں گرا رہے تھے۔ ایک جگہ عمارت کے نیچے سے ایک تہ خانہ نکل آیا اس کی کھدائی کی تو اس سے بھی نیچے پرانی آبادی کے گھروں کے کھنڈر تھے جو کسی زمانے میں آباد تھے۔ مدینہ منورہ میں اب اُحد سلامت ہے اس کی زیارت ہو جائے یا جبل سلع ہے جو زمین سے اوپر ہیں باقی ساری آبادی زمین کے نیچے دب چکی ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راہ ہدایت سے ہٹنا امر محال ہے:

فرمایا: اے میرے حبیب! صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اکثریت مفاد پرستوں کی ہوتی ہے۔ بدکاروں کی ہوتی ہے۔ اکثریت خواہش نفس کی پیروی کرنے والی ہوتی ہے۔ اگر نری اکثریت کی بات مانو گے تو یہ کوشش کریں گے معاذ اللہ آپ کو اللہ کی راہ سے روک دیں۔ نبیؑ کا راہ ہدایت سے ہٹنا امر محال ہے لیکن مثال اس لئے دی گئی ہے کہ اگر نبیؑ کو اس کام سے روکا جا رہا ہے تو غیر نبی کو اس کام سے بچنے کی کتنی زیادہ احتیاط کرنا چاہئے۔ اس بات سے بہت دور رہنا چاہیے۔ اس سے بہت بچنا چاہیے۔

اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اکثریت کی رائے پر عمل اللہ کی راہ سے بے راہ کرنے کا سبب ہے اس لئے کہ اکثریت اپنے وہم کا اتباع کرتی ہے۔ جو ان کے خیال میں آ گیا۔ اسے یہ صحیح سمجھتے ہیں اور محض اندازے اور اٹکل سے کام لیتے ہیں۔ اکثریت جو رائے دیتی ہے وہ اپنے ذاتی مفادات کو مدنظر رکھ کر دیتی ہے لہٰذا اس سے کبھی نیکی جنم نہیں لیتی۔ وہ یہ اندازے لگاتے ہیں کہ فلاں کو ووٹ دیں گے تو یہ فائدہ حاصل ہوگا لیکن یہ محض ان کا گمان ہوتا ہے۔ اس میں حقیقت نہیں ہوتی ایسی جمہوریت کو قرآن حکیم نے گمراہی قرار دیا ہے۔ ایسی جمہوریت کے نتیجے میں ووٹ کی بنیاد مفادات ہوتے ہیں۔ مفادات کے حصول کے لئے حکمرانی کرنیوالے افراد اسلام سے خود بھی برگشتہ ہوتے ہیں اور نظام اسلام کے نفاذ سے ڈرتے ہیں اس لئے تمام موجودہ حکمران سیاستدان باہمی مفادات میں اختلافات کے باوجود اس رائج الوقت جمہوری

نظام کو بچانے کے لئے متحد ہیں۔

اسلام امن ہے پھر حکمران اسلام سے خائف کیوں؟

اسلام تو امن کا دین ہے۔ اسلام ہر فرد کو ہر نفس کو تحفظ دیتا ہے۔ ہر ایک کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے تو حکمران اس سے کیوں ڈرتے ہیں؟ یہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ ان سب نے کروڑوں لوگوں کے حقوق چھینے ہوئے ہیں۔ یہ خود عیش کرتے ہیں اور ان کے زیر سایہ رہنے والے افلاس میں مرتے ہیں۔ حکمرانوں کی اولاد غیر ملکی اداروں میں تعلیم حاصل کرتی ہے اور عوام کیلئے گورنمنٹ سکول ہیں جو عموما کاغذوں پر ہوتے ہیں جن کا زمین پر وجود نہیں ہوتا اور اگر ہو تو گاؤں میں درختوں کے نیچے بچوں کا، ہجوم ہوتا ہے جن کے پاس کبھی استاد نہیں کبھی عمارت نہیں۔ عمارت ہے تو کتابیں نہیں، میز کرسی نہیں۔ اسی گاؤں کے وڈیرے کی حویلی، اس کا گھر بھی وہیں ہوتا ہے لیکن وہ لوگ رہتے لاہور یا اسلام آباد میں ہیں۔ سب کے بچے امریکہ اور انگلینڈ سے پڑھ کر آتے ہیں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ حکمران اسلام سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ اسلام تقاضا کرے گا کہ یا تو سب لوگوں کے بچوں کو انگلینڈ بھیجو یا اپنی اولاد کو بھی یہیں پڑھاؤ۔ اسلام سے یہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ یہ اربوں کے مالک ہیں۔ اسلام کہے گا اس کا ڈھائی فیصد غرباء کو دو اور ہر سال دو یہ تم پر فرض ہے اس طرح ان کا تو پچاس پچاس کروڑ غرباء کے پاس پہنچ جائے گا۔ اسلام سے یہ اس لئے نہیں ڈرتے کہ اسلام انہیں کوئی تکلیف پہنچائے گا۔ یہ اس لئے ڈرتے ہیں کہ جن لوگوں کے حقوق چھینے ہیں انہیں حقوق دینے پڑیں گے۔ اسلام ہو گا اور ملک میں اگر بجلی کی کمی کے باعث لوڈ شیڈنگ کرنا پڑی تو جہاں عوام کے گھر کی روشنی بجھے گی وہاں صدارتی محل کی بتی بھی بجھے گی۔ حکمرانوں کو اسلام سے اس لئے ڈر آتا ہے کہ اسلام تقاضا کرتا ہے کہ اگر حکمران کیلئے دس کروڑ کی بلٹ پروف گاڑی آسکتی ہے تو غریبوں کو چھلنی ہونے کے لیے کیوں لاوارث چھوڑ دیا ہے؟ ان کو بھی ویسی ہی حفاظت دو۔ حکمرانوں کی حفاظت کے لئے تو بے شمار پولیس تعینات ہے اور عوام کو ملک کے بڑے بڑے شہروں میں گولیوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ قبائلی علاقوں میں روزانہ بمباری کروا رہے ہو۔ اسلام آئے گا تو ان کے لئے مصیبت بن جائے گی یہ اسلام سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ اپنی عیش و عشرت نہیں چھوڑنا چاہتے۔ یہ غریبوں کے خون پر پلتے ہیں۔ ہر ایک کے حقوق غصب کر کے خود عیاشی کرتے ہیں۔ ملک کے اربوں لوٹ کر باہر لے جاتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ اسلام آئے گا تو ہر ایک کو تحفظ ملے گا۔ سب لوگ خوش حال ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو علاج معالجے کی سہولت ملے گی۔

روزگار کے مواقع ملیں گے اور سب کے بچوں کو تعلیم تک رسائی ہوگی۔ اسلام آئے گا تو تمام غیر مسلموں کے لئے حکومت ان کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی۔ ہندو، سکھ، عیسائی جو بھی اسلامی مملکت میں ہوگا اس کو تعلیم، صحت، روزگار کے وسائل مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

دورِ حاضر کے مسلمانوں کی بے حسی:

قرآن حکیم جس جمہوری نظام کی بات کرتا ہے اس سے نیکی اور بھلائی جنم لیتی ہے لیکن ہمارے پڑھے لکھے طبقے اور دانشور کہلانے والوں کو کوئی مثال یاد رہتی ہے تو کافروں ہی کی رہتی ہے۔ چکوال کے رہنے والے ایک نیک نام۔ دیانتدار افسر ہیں جو پاکستان کی نیشنل سٹیل مل کے منیجر تھے آرمی سے انہیں اس عہدے پر سٹیل میل میں لایا گیا۔ یہ واحد افسر ہیں جو مل کو منافع میں لے گئے۔ جب اس وقت کے حکمرانوں نے مل اونے پونے بیچنا چاہی اور معاملہ سپریم کورٹ میں چلا گیا تو اس افسر نے حکومت وقت کے خلاف بیان دیا۔ اس پر انہیں ملازمت سے فارغ کر دیا گیا لیکن اس طرح کے نیک آدمی کا بھی آج اخبار میں بیان تھا کہ ''آج کسی ہندوستانی نیلسن منڈیلہ کی ضرورت ہے''، یعنی انہیں بھی مثال ملی تو کافر ہی کی ملی۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ پھر سے کسی ابوبکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ کی ضرورت ہے، کسی خالد بن ولید ؓ کی ضرورت ہے ایک نیک اور شریف آدمی کے منہ سے یہ کیوں نہیں نکلتا کہ آج علی المرتضیٰ ؓ کی ضرورت ہے۔ انہیں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مثال یاد نہ آئی۔ وہ رات کو کام کر رہے تھے۔ ایک شخص ان سے ملاقات کے لئے آ گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قلم رکھا، چراغ گل کر دیا پھر اس کی خیریت پوچھی اور دریافت کیا کہ اتنی رات گئے کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا آنے کی وجہ تو بتا تا لیکن آپ نے بتی بجھا دی، اندھیرا کر دیا؟ فرمایا یہ بتی بیت المال کی ہے اور میں سرکاری کام کر رہا تھا۔ تم نے مجھ سے ذاتی بات کرنی ہے۔ یہ میرا تمھارا ذاتی معاملہ ہے اس میں بیت المال کی بتی کیوں جلے؟

چودہ صدیوں کی اسلامی تاریخ عظیم جرنیلوں اور عادل حکمرانوں سے پُر ہے کسی کی مثال نہیں دے سکتے؟ انہیں مثال کے لئے بھی کافر ہی یاد رہتے ہیں حالانکہ کافر تو کافرانہ نظام لے کر آتے ہیں اور مسلمان اسلامی نظام کے علمبردار ہیں جن میں ہر ایک کے حقوق کا تحفظ ہے۔ یہ درست ہے کہ نیلسن منڈیلہ نے اپنے ملک کے لئے کام کیا۔ صدارت بھی کی قید بھی کاٹی لیکن کیا وہ اسلامی عدل لایا؟ اس نے اسلام قبول کیا؟ محمد رسول اللہ ﷺ کو مانا؟ اللہ کی کتاب کو مانا؟ اگر نہیں تو ہم اس کو مثال بنائیں؟ کیا ان دانشوروں کے

پاس اس سوال کا جواب ہے؟ قرآن حکیم بتارہا ہے کہ اکثریت مفاد پرستوں کی ہوتی ہے اور ایسی جمہوریت گمراہی لاتی ہے لیکن ہمارے ہاں اسی پر زور دیا جاتا ہے کہ یہی جمہوریت چلتی رہے تو اسی میں سے کچھ اچھا نتیجہ نکل آئے گا حلانکہ یہ رائج الوقت جمہوری نظام دیہاتوں میں استعمال ہونے والی چارہ کترنے کی مشین ہے جس طرح کترا مشین میں سوکھی شاخیں ڈال دیں تو وہ کتر کر رکھ دیتی ہے اور ہرا چارہ ڈال دیں تو بھی اس کا کترا بنا دیتی ہے اسی طرح یہ نظام کترے کی مشین ہے اس میں جو ڈالیں گ کترا بنتا چل جائے گا۔ اسے تریسٹھ برس حکمرانوں اور ساستدانوں نے چلالیا ہے۔ اسے تریسٹھ برس اور چلالیں تو بھی اس سے کسی بھلائی کا نتیجہ متوقع نہیں ہے۔ اس سے کبھی خیر برآمد نہیں ہوگی۔ یہ ظالم اس سے باز کیوں نہیں آتے؟ کیا انہوں نے اللہ کو جواب نہیں دینا؟ پتہ تو تب چلے گا جب بیس کروڑ انسانوں پر ظلم کرنے کا حساب دیں گے۔ فرمایا: اس طرح کا شیوہ رکھنے والے یہ نہ بھولیں کہ وہ مزے کررہے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ **اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ** فرمایا: تیرا پروردگار ایک ایک بندے کو خود جانتا ہے اسے بھی دیکھ رہا ہے جو اس کی راہ سے ہٹا ہوا ہے۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس کی راہ سے بے راہ ہونے والا اسی کی دی ہوئی زندگی جی رہا ہے۔ اسی کی زمین پر رہ رہا ہے۔ اسی کی عطا کردہ تمام نعمتوں کو استعمال کررہا ہے اور اطاعت شیطان کی کر رہا ہے۔ وہ جان لے کہ اسی کی دی ہوئی مہلت ہے۔ استعمال کرلے۔ آخر اسے رب العالمین کی بارگاہ میں ہی آنا ہے۔ اقتدار میں ہوتے ہوئے ان کی بیٹیوں کے سکینڈل اخباروں کی زینت ہیں۔ بیویوں پر مقدمے چل رہے ہیں۔ خود ان کے خلاف کرپشن کے مقدمے درج ہیں۔ اس سے بھی زیادہ کسی ذلت کا تصور ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ملک کا صدر ہو۔ وزیر ہو اور پولیس کے پاس اس کے خلاف الزامات ہی الزامات ہوں۔ یہ ہے دنیا کی ذلت کا عذاب ان میں سے ایک ایک کو اللہ نے یہاں رسوا کیا ہوا ہے۔ آگے جائیں گے تو بات ہی الگ ہوگی۔ اس عدالت میں سفارشیں نہ ہوں گی اور جھوٹ کو سچ بنانے والے کروڑوں روپے لے کر بحث کرنے والے وکیل نہ ہوں گے۔ وہاں گواہ بھی سچے ہوں گے، عدالت بھی سچی ہوگی اور فیصلے بھی حق پر ہوں گے **وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾** اور جو لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں وہ بھی یہ فکر نہ کریں کہ ان کی عبادتوں اور فرمانبرداریوں اور ان کے مجاہدوں کا کسی کو پتہ نہیں۔ اللہ کریم ہر ایک کے دل اور دل میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔ ایک ایک فرد کو ذاتی طور پر جانتا ہے۔ ایک ایک فرد کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔ وہ جانتا ہے کون سجدے میں سر رکھ کر اس کی عظمت بیان کررہا ہے؟ وہ جانتا ہے جو حرام سے بچتا

اور حلال کے لئے تگ و دو کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے اِنَّ رَبَّكَ یہاں فرمایا تیرا رب جانتا ہے۔ اللہ کریم نے یہاں اپنی صفت ربوبیت کا تذکرہ فرمایا ہے صفت ربوبیت بہت وسیع ہے۔ یہ اس کی ربوبیت ہی ہے کہ وہ اپنی ہر مخلوق کے ہر حال سے واقف ہے۔ واقف ہوگا تو ضرورتیں پوری کرے گا۔ اسی لئے یہاں لفظ رب استعمال فرمایا ہے کہ وہ جو تجھے پال رہا ہے، تیری ضرورتیں پوری کر رہا ہے، ہر لمحہ تجھے سانس لینے کی طاقت عطا کر رہا ہے، تیری رگوں میں خون دوڑا رہا ہے، تیرے وجود کے ایک ایک سیل کو بنا رہا ہے وہ تیرے ارادوں، تیری حرکتوں، تیرے عقیدے اور تیرے عمل سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون میرے نبی ﷺ کی مخالفت کر رہا ہے اور کون میرے حبیب ﷺ کا اتباع کر رہا ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فرمایا: جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح ہوتی ہیں وہ کھاؤ سوائے اس کے شریعت نے کوئی چیز سرے سے ہی حرام کر دی ہو۔ کوئی حرام تکبیر پڑھنے سے حلال نہیں ہوگا بلکہ فقہا نے یہاں تک لکھا ہے کہ کسی نے اگر چوری کی مرغی پکڑ لی تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ذبح نہ کرے اس لئے کہ چوری کا مال ویسے ہی حرام ہے۔ حرام پر تکبیر پڑھنے سے حرام، حلال نہیں ہو جائے گا بلکہ تکبیر پڑھ کر اسے حلال سمجھنے والا کافر ہو جائے گا۔ کسی حرام کو حرام سمجھ کر کھانا سخت گناہ ہے لیکن حرام کو حلال سمجھ لینا کفر ہے۔

اللہ کریم نے جو حلال نعمتیں دی ہیں انہیں استعمال کرو۔ یہ نیکی نہیں ہے کہ بندے کے پاس جائز اور حلال وسائل ہوں اور وہ میلے بوسیدہ کپڑے پہن کر پھرے کہ یہ بزرگی ہے۔ یہ بزرگی نہیں ہے۔ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ آدمی کے رہن سہن اور اس کے لباس سے یہ پتہ چلنا چاہیے کہ اللہ کریم نے اسے کیا حیثیت دی ہے۔ یہ بھی اللہ کریم کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو اچھا کھانے سے روکا ہے نہ اچھا لباس پہننے سے، نہ شادی کرنے سے روکا ہے نہ اولاد پالنے سے نہ گھر بنانے سے نہ اچھی سواری استعمال کرنے سے روکا ہے ہاں حصول رزق کے جائز اور حلال ذریعے بتائے ہیں اور اجازت دی ہے کہ حلال کما کر اچھا کھاؤ اچھا پہنو عزت سے رہو، حرام کے قریب مت جاؤ اور دوسرے سے چھین کر نہ کھاؤ۔ حقیقت میں دنیا کی نعمتیں مومن کا حصہ ہیں۔ کافر جو کچھ کھاتا ہے وہ مومن کے طفیل کھاتا ہے۔ جس دن کوئی مومن زمین پر نہ رہے گا قیامت آجائے گی۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی یارسول اللہ! ﷺ قیامت کب آئے گی فرمایا: حتیٰ لا یقال اللہ اللہ۔

جس دن کوئی ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا دنیا پر نہ رہا قیامت آجائے گی۔ مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے اے اہل لاہور! اے عالی شان بنگلوں میں رہنے والو! تمہاری دنیا کی یہ عیش ان اللہ والوں کے دم سے قائم ہے جو راتوں کو جھونپڑیوں میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اگر ذاکرین نہ ہوں تو تمھارا یہ عیش و آرام باقی نہ رہے۔ دنیا کی تمام نعمتیں تو ایمان والوں کے سبب سے باقی ہیں ان لوگوں کی نسبت سے باقی ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اللہ کا ذکر کیا ہے؟ کام کرتے وقت سوچنا کہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا طریقہ بتایا ہے؟ یہ عملی ذکر ہے۔ زبان سے ذکر کرنا لسانی ذکر ہے۔ دل میں اللہ کو بسا لینا کہ ہر سانس میں اللہ ھو نکلے یہ قلبی ذکر ہے۔ ہر طرح کا ذکر دنیا کی بقاء کا سبب ہے جب کوئی ذکر کرنے والا نہیں ہوگا ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائیں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑیں گے۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔

رخصت اور عزیمت

رخصت اور عزیمت دونوں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے دین میں رخصت دی ہے وہاں اس پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا عزیمت پر کیونکہ دونوں حکم اللہ کے ہیں مثلاً بیماری کی صورت میں جب وضو کرنا تکلیف دہ ہو وہاں تیمم کرنا ضروری ہے لیکن عمومی رویہ یہ ہے کہ ایسے مریض تیمم کی سہولت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے ہر صورت میں وضو پر ہی اصرار کرتے ہیں اور اسے دین میں پختگی کا باعث سمجھتے ہیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بیمار کو جب اللہ نے تیمم کی اجازت دی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وضو کرنے سے جلد پاک ہوتی ہے اور تیمم کرنے سے ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پاک ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کو پورا کرے کہ حکم ماننا ہی تو عبادت ہے۔ اسی طرح کوئی شوگر کا مریض ہے یا کمزور ہے یا کینسر کا مریض ہے یا ایسا مریض ہے کہ روزہ رکھنا اس کے لئے تکلیف بڑھانے کا باعث ہے اسے اللہ کریم نے بہت سی رخصتیں دی ہیں۔ ابھی روزہ نہ رکھے بعد میں صحت ہو جائے تو قضا کر لے۔ صحت نہ ہو تو کفارہ دے دے۔ ان رخصتوں سے فائدہ اٹھانا اس لئے لازمی ہے کہ حالت صحت میں روزہ رکھنا بھی اللہ کریم کا حکم ہے اور بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھنا بھی اللہ کا حکم ہے۔ یہی حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا: **وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ** جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو۔ اس حکم کی تفصیل میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ مال حلال سے اچھا کھاؤ، اچھا پہنو لیکن حرام کے قریب نہ جاؤ اور

نیکی صرف اللہ کے لئے کرو۔ اگر اللہ کو مانتے ہو تو دکھاوے کی عبادت نہ کرو۔ دکھاوے کی زندگی نہ گزارو جو کچھ ہو سامنے رہو۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَأْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ یہی موضوع تسلسل سے چل رہا ہے کہ جو چیزیں اللہ کریم نے حلال کی ہیں وہ کیوں نہیں کھاتے جبکہ اللہ نے ان کی تفصیل بیان کردی ہے جن چیزوں اور کاموں کو اللہ نے جائز قرار دے دیا ہے ان سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے؟ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ اور جن چیزوں سے روک دیا گیا ہے ان کی بھی تفصیل اللہ تعالیٰ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دی ہے لہٰذا سب سے بڑی پارسائی یہ ہے کہ جن چیزوں سے محمد رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے ہم رک جائیں۔ اس سے بڑا نیکی کا کچھ تصور نہیں۔ سب سے بڑی نیکی یہی ہے۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ لیکن اکثریت خود بھی گمراہ ہوتی ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتی ہے اس لئے کہ وہ بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی سند کے محض اپنے خیال کی بنیاد پر عمل کرتے رہتے ہیں اور اسی کو دوسروں پر ٹھونستے ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ فرمایا: اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ دراصل نیکی اور بھلائی کا معیار اللہ کریم کی پسند پر چلنا ہے اس کے لئے اللہ کریم کے سامنے ہونے کا احساس ضروری ہے اور یہ احساس کہ اللہ کریم ذاتی طور پر دیکھ رہا ہے اور ہر چیز سے ذاتی طور پر آگاہ ہے یہ احساس محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کرنے سے آتا ہے۔ یہ احساس صحبت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات ہیں جو عہد بہ عہد پھیلتی چلی گئیں اور اللہ ہر عہد میں ایسے بندے پیدا کرتا رہا جن سے یہ کام لیا گیا اور قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جاری رہے گی اور رسالت کی برکات بھی جاری رہیں گی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کریم اپنے ہدایت یافتہ بندوں کے حال سے واقف ہے اور انہیں بھی ذاتی طور پر جانتا ہے جو حد سے نکل جانے والے ہیں۔ کسی بندے کے لئے اس سے بڑا کوئی مقام نہیں کہ حق تعالیٰ فرمائے کہ میں اسے جانتا ہوں، یہ میرا بندہ ہے، یہ میرے نبی ﷺ کا اتباع کرتا ہے۔

اللہ کریم سب کو حضور اکرم صلی اللہ ﷺ کی غلامی عطا فرمائے اور اپنے بندوں میں شمار فرمائے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ فرمایا: ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ بھی چھوڑ دو۔ بنیادی بات یہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں۔ عصمت خاصہ نبوت ہے یعنی بالکل گناہ کا صادر نہ ہونا، یہ قوت تخلیقی طور پر انبیاء میں ہوتی ہے۔ غیر نبی سے غلطی ہو سکتی ہے، قصور ہو سکتا ہے۔ کبھی بشری خصوصیات کی وجہ سے وہ لالچ میں آجاتا ہے اور کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے۔ اللہ جل شانہٗ بہت کریم ہیں۔ بڑا خوبصورت انداز اپنایا۔ فرمایا:

''اگر گناہ ہو گیا ہے تو اسے چھوڑ دو''۔

خلوص دل سے ظاہر و باطن کی برائی چھوڑ دو:

اللہ کریم کے کرم کی انتہا دیکھئے کہ گناہ کی کوئی قید نہیں لگائی کہ چھوٹا گناہ کیا ہے یا بڑا کیا ہے۔ کم کئے ہیں یا بے حساب کئے ہیں کوئی قید نہیں بس ایک ہی قید ہے کہ گناہ چھوڑ دو خواہ وہ ظاہر کا ہے یا باطن کا۔ عمل سے یا قول بلکہ برائی کا خیال بھی چھوڑ دو یعنی اپنے اندر کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کا سوچنا، برائی کا خیال کرنا وغیرہ بھی چھوڑ دو۔ مسلمان اندر باہر سے کھرا اور سیدھا ہوتا ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جو لوگ اسلام کے خلاف ہیں وہ بھی ان باتوں کو برا سمجھتے ہیں جنہیں اسلام نے برا کہا ہے۔ جھوٹ بولنا، چغلی غیبت کرنا، کسی کے پیسے ناجائز طریقے سے لے لینا، کسی کی عزت لوٹ لینا، چوری ڈاکہ کرنا یا قتل کرنا جیسی ساری برائیوں کو وہ بھی برا سمجھتے ہیں۔ اسلام کو مانیں یا نہ مانیں لیکن ان برائیوں کو برائی ہی مانتے ہیں اس کے باوجود وہ ان برائیوں میں ملوث ہیں۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آج کا مسلمان یہ کہتا ہے کہ دین پر چلنا مشکل ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ برائی چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ جب برائی، برائی ہے تو یہ کہنا کہ اسے چھوڑنا مشکل ہے یہ کتنی عجیب بات ہے! ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اسلام کے طرز حیات کو سمجھا نہیں جاتا۔ اسلام نے زندگی کی روانی کو کہیں روکا نہیں ہے۔ زندگی کی روانی بھی دریاؤں کی طرح ہوتی ہے۔ دریا بہہ رہا ہو تو اسے کب تک روکیں گے، اس کے آگے بند باندھ دیں، دیوار بنا دیں کوئی آڑ کھڑی کر دیں کچھ دن وہ آڑ سہہ لے گی آخر پانی اس کے اوپر سے گذر جائے گا۔ انسانی زندگی کا بہاؤ بھی ایسا ہی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسلام نے کسی فطری تقاضے کو نظر انداز نہیں کیا۔ اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھا گھر بنانے، اچھی سواری رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ شادی کرنے، بیوی بچوں کو پالنے، والدین اور بہن بھائیوں سے تعلقات رکھنے سے منع نہیں فرمایا۔ دوست احباب سے ساتھ ملاقات سے نہیں روکا۔ زندگی کے کسی شعبے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی ہاں ان کا انداز خوبصورت کر دیا ہے کہ سب جائز خواہشات پوری کرو لیکن حلال کما کر اور میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرو۔ تعلقات اس طرح نبھاؤ جس طرح شریعت مطہرہ اجازت دے۔ کمانے کے چار ذرائع معروف ہیں۔ تجارت، کاشتکاری، ملازمت اور مزدوری اس کے علاوہ سب ناجائز ہیں۔ سود، جواء، لاٹری، دھوکہ دہی یہ سب حرام کام ہیں۔ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کائنات اللہ جل شانہٗ کی ہے۔ وہی خالق و مالک ہے، رب ہے۔ انسانی ضروریات اسی نے بنائی ہیں ان کی تکمیل کے ذرائع بھی

اسی نے پیدا کئے ہیں اور ہر ایک کا رزق بہم پہنچانا اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ کائنات کی ہر چیز انسان کی خدمت پر کمر بستہ کر دی گئی ہے تو انسان کے ذمے کیا ہے؟ اس کے ذمے یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں اس انداز سے استعمال کرے جیسا محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا ہے۔ جس چیز سے روک دیا ہے اس سے رک جائے اور جس کی اجازت دی ہے وہ ضرور کرے۔ اس انداز زندگی میں خوبصورتی ہے، حسن ہے اور اس سے کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا، کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جب کوئی شخص کسی کا حق نہیں چھینتا، کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور اچھا کھاتا ہے اچھا پہنتا ہے تو اس سے اگر کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو صرف حاسد کو ہوتی ہے یا اس کو ہوگی جس کے دل میں شیطان بستا ہے۔ عملی زندگی میں مسلمان سے خطا کا ہو جانا ایک بات ہے، خطا پر جم جانا، اسے زندگی کی روش بنالینا یہ بالکل مختلف بات ہے اور یہی آج کی مسلمانی کا المیہ ہے کہ ہمارے دلوں میں دین کی بنیاد کمزور ہو چکی ہے۔ آج نوجوان نسل کہتی ہے کہ اسے اللہ کی ذات پر ایمان ہے لیکن معاذ اللہ حضور اکرم ﷺ پر بہت سے اعتراض ہیں۔ یہ سوال اس لڑکی کا ہے جو بیرون ملک سے اسلامیات میں PhD کر کے آئی ہے جس کے استاد وہاں یہودی اور عیسائی تھے۔ مجھے ایک مرتبہ کینیڈا کے شہر مانٹریال جانے کا اتفاق ہوا۔ اس میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ وہاں آسٹریلیا، ملائشیا اور وطن عزیز کے طالب علم زیرِ تعلیم تھے۔ ذکر کے ہمارے کچھ ساتھی وہاں تھے۔ میں ان کی دعوت پر ان سے ملنے گیا اور میں نے اسلامیات کا شعبہ دیکھنے کی خواہش کی۔ انہوں نے بتایا کہ گرجا گھر میں ہے۔ گرجا گھر بہت سی عمارتوں پر مشتمل تھا۔ کسی عمارت میں عبادت خانہ تھا، کسی میں لائبریری تھی ایک حصہ میں اسلامیات کا شعبہ تھا۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ PhD کروانے والے تیرہ اساتذہ میں سے دو مرد اور ایک عورت مسلمان ہیں باقی دس یہودی ہیں اور وہ چند مسلمان بھی اسی معاشرے اور اسی روش میں ڈھل چکے ہیں۔ اسی طرز معاشرت کے دلدادہ ہیں۔ ظاہر ہے یہاں سے PhD کرنے والوں کو یہی سوال سوجھتے ہیں جیسا اس لڑکی نے سوال کیا کہ ''میں اللہ کو تو مانتی ہو لیکن مجھے (معاذ اللہ) رسول اللہ ﷺ پر بڑے اعتراض ہیں''۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمان ہو کر کافر سے اسلام پڑھیں اور وہ بھی بدترین کافر سے جو نزول قرآن سے لے کر آج تک اسلام کا دشمن رہا اور جس کی دشمنی پر قرآن نے مہر تصدیق ثبت کی۔ حیرت اس بات کی ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہو تو ذات باری کا کیا ثبوت ہے؟ تمام عقلی اور نقلی دلائل میں سب سے بڑی اور مضبوط دلیل یہ ہے کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے اور اس کی صفات یہ ہیں۔

تمام انبیائے کرامؑ اپنے اپنے زمانے میں بندوں کو اللہ تعالیٰ سے روشناس کرانے والی واحد ہستی رہی ہیں۔

باقی ہر بات پر اعتراض ہوسکتا ہے۔ اعتراض کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے اس بات پر اعتراض ممکن نہیں۔ جو نہیں مانتا وہ تو کافر ہے نہ مانے لیکن جسے کلمہ نصیب ہے اس کے لئے یہی دلیل ہے اور کلمہ ہے کیا؟

کلمے کا مطلب کیا ہے؟

کلمے کا مطلب ہے لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ میں باقی سب کا انکار کرتا ہوں۔ اس اقرار کے بعد باری آتی ہے کہ کون بتائے اللہ کیسا ہے، اس کی رضا کس میں ہے، اس کے احکام کیا ہیں، کیا کھانا ہے، کیسے رہنا ہے، عقیدہ کیا ہوگا، رویہ کیا ہوگا، اعمال و کردار کیسے ہوں گے، غرض اللہ کی باتیں کون بتائے گا؟ سادہ سا جواب ہے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کلمہ پڑھ کر بندہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس میں تو یہ قابلیت نہیں تھی کہ اللہ جل شانہ اس سے براہ راست خطاب کرتا۔ اس میں تو یہ اہلیت بھی نہیں تھی کہ اللہ کی مخلوق، فرشتے سے از خود بات کرسکتا۔ اسے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ دیگر مخلوق کہاں کہاں ہے، کتنی ہے؟ کتنے جن اور شیطان اسی دنیا میں گھوم رہے ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر اور مادی وجود کی بصارت اور حواس کی ایک حد ہے۔ حواس کی دسترس میں آنے والے علوم تک رسائی ممکن ہے لیکن ذات باری تعالیٰ صفات باری تعالیٰ سے آشنائی کے لئے بصیرت چاہیے، دل کی آنکھ چاہیے اور دل کی آنکھ کو بینائی نصیب ہوتی ہے نور ایمان سے ایمان بالرسالت سے لیکن اللہ جل شانہ سے براہ راست کلام الٰہی کو لینے کی استعداد اور قابلیت پوری انسانیت میں صرف اللہ کے نبیؑ میں ہوتی ہے غیر نبی میں نہیں۔ ساری انسانیت اللہ کریم سے آشنا ہونے میں نبیؑ کی محتاج ہے۔ جیسے ابراہیمؑ کو اللہ جل شانہ نے حکم دیا کہ ننھے اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو مکہ مکرمہ میں ایک خاص مقام پر چھوڑ آئیے۔ آپؑ نے بچے اور اہلیہ کو ساتھ لیا انہیں اس خاص مقام چھوڑ کر پلٹنے لگے تو آپ کی اہلیہ محترمہ جو ابراہیمؑ خلیل اللہ کی محبوب بیوی تھیں انہوں نے شکوہ نہیں کیا کہ ہمیں کس ویرانے میں چھوڑ کر جانے لگے ہیں، صرف پوچھا کہ اس ویرانے میں شاید بھیڑیئے آکر بچے کو نقصان پہنچائیں، یہاں نہ کوئی درخت ہے نہ کھانا نہ پانی نہ ہی آبادی تو آپؑ نے جواب جواباً فرمایا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ اس ایک جملہ سننے کے بعد مائی صاحبہ نے فرمایا: پھر ہمیں اللہ کافی ہے۔ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ آپ تشریف لے جائیے۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت حاجرہ غیر نبی تھیں اور حضرت ابرہیمؑ اللہ کریم کے نبی اور رسول علیہ السلام

تھے اللہ جل شانہ کے کلام کے سننے اور وصول کرنے کی اہلیت و قابلیت صرف حضرت ابراہیمؑ میں تھی اس لئے آپؑ کو ہی خطاب ہوا اور آپؑ کی وساطت سے والدہ اسمٰعیلؑ کو حکم باری تعالیٰ پہنچایا جس پر انہوں نے حسن و خوبی سے عمل کیا۔ اس بات کی مزید وضاحت حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے واقعے سے ہوتی ہے۔ جب اللہ کریم نے انہیں خواب میں حکم دیا کہ اپنے لخت جگر اسمٰعیلؑ کو ذبح کر دیں۔ آپؑ نے اس مرتبہ بھی اپنی اہلیہ سے بات نہ کی بظاہر تو لگتا ہے کہ چاہیے تھا کہ اپنی محبوب اور باوفا اطاعت گزار بیوی اللہ کی پیاری بندی اور بیٹے کی والدہ محترمہ سے بات کر لیتے کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ بچے کو ذبح کر رہا ہوں۔ تمہارا مشورہ کیا ہے؟ نبیؑ کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے اور وحی کو سمجھنا صرف نبیؑ کا کام ہے غیر نبی سمجھ نہیں سکتا خواہ کتنا بھی مقبول بارگاہ ہو۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے بات کی تو بیٹے سے کی جو خود نبیؑ تھے۔ اگرچہ بچے تھے اور قرآن حکیم اسے یوں بیان فرماتا ہے **انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ** بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ کمسن بچے سے جواب ملتا ہے **قال یٰا بت افعل ماتؤ مر ستجدونی ان شاء اللہ** اے میرے والد! آپؑ اللہ جل شانہ کے رسولؑ اور خلیل ہیں۔ آپؑ کا خواب وحی الٰہی ہے۔ وحی الٰہی سے جو حکم آ گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ ابا جان کر گزریئے جو اللہ کا حکم ہے۔ آپ مجھے اس لئے سنا رہے ہیں کہ مجھے تسلی ہو جائے۔ آپ اللہ کے خلیل ہیں تو میں بھی اللہ کا رسولؑ ہوں۔ مجھے آپ اللہ کے حکم پر صبر کرتا ہوا پائیں گے۔ حکم پورا کیجئے اور میری گردن اللہ کی راہ میں کاٹ دیجئے۔ اسمٰعیلؑ گو بچے تھے لیکن نبیؑ پیدائشی نبیؑ ہوتا ہے۔ وحی کو سمجھنا اللہ کے نبیوں کا کام ہے۔

یہ اسلام ہے کہ حکم آیا اور سرِ تسلیم کر دیا۔

It is not to question why ? It is just to do and die.

یہاں سوال کی گنجائش نہیں کہ یہ کیوں ہے؟ بس جو کہا گیا ہے وہ کرو اور کرتے گزر جاؤ۔ اور یہی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ کے نبیؑ نے بتایا ہے کہ اللہ کریم کی ذات ایسی ہے اور اس کی صفات ایسی ہیں۔ یہ وہ دلیل ہے جس کا جواب نہ ابلیس کے پاس ہے نہ عالم کفر کے پاس ہے۔

اللہ کو نہ ماننے والے کہتے ہیں کہ سورج تو گیسوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ازخود اکٹھی ہو گئیں اور سورج بن گیا۔ درخت صدیوں سے اُگ رہے ہیں۔ ازخود یہ نظام چل رہا ہے۔ لیکن وہ یہ سمجھنے سے عاری ہیں کہ ان سب چیزوں کو پہلی مرتبہ کس نے پیدا کیا؟ عدم سے وجود میں کون لایا؟ یقیناً وہی ہستی لائی جسے کسی نے نہیں بنایا جو اپنی ذات میں یکتا ہے۔ اکیلا اور واحد۔ اسی ہستی نے اپنے انبیاءؑ کو انسانوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور

جو اپنی ذات میں یکتا ہے۔ اکیلا اور واحد۔ اسی ہستی نے اپنے انبیاءؑ کو انسانوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور انبیاء نے بتایا کہ اس کارگہہ حیات کا موجد، خالق اور پروردگار ایک اللہ جل شانہ ہے۔ کافر بھی یہی کہتے تھے کہ اتنا بڑا نظام ہستی کسی ایک ہستی کے چلانے سے نہیں چل سکتا۔ جنہیں اس بات کی سمجھ آئی کہ نظام کائنات چلانے والی واحد ہستی اللہ جل شانہٗ ہے وہ، لوگ تھے جنہیں اپنے نبیؑ پر اعتبار آ گیا۔ تو سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ اللہ ایک ہے۔ جس طرح ذات باری کے بارے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد دلیل ہے اسی طرح زندگی کے پورے عمل کے بارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد دلیل ہے کہ یہ کام درست ہے اور یہ غلط۔

اس آیت مبارکہ میں اسی بات کی وضاحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں آنے کے باوجود انسانوں سے غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ کا کرم بہت وسیع ہے فرماتا ہے۔ تم سے غلطیاں ہوئیں، اتباع میں کمی آ گئی، عمل چھوٹ گیا تو اس کا مداوا یہ ہے کہ اب نافرمانی چھوڑ دو۔ اب واپس آ جاؤ۔ سبحان اللہ! یہ نہیں فرمایا کہ جتنی غلطیاں کی تھیں تمہیں اتنی سزا ملے گی پھر توبہ قبول ہوگی بلکہ فرمایا خلوص دل سے واپس آ جاؤ اور ظاہری و باطنی گناہ چھوڑ دو۔ قوم موسیٰ کی توبہ بہت سخت تھی اور اس سختی کا سبب ان کا اپنا رویہ تھا۔

موسیٰ چالیس دن کے لئے طور پر چلے گئے۔ چلّے کے بعد انھیں کتاب عطا ہوئی جب واپس آئے تو قوم دو دھڑوں میں بٹ چکی تھی۔ چند افراد ہارونؑ کے ساتھ تھے اکثریت بچھڑا پوجنے میں لگ گئی تھی۔ طویل واقعات ہیں قصہ مختصر انہیں غلطی کا احساس ہوا اور پوری قوم نے کہا ہم نے غلط کیا، ہم توبہ کرتے ہیں، آئندہ ایسا نہیں کریں گے جو ہو گیا وہ اللہ معاف فرما دے۔ اللہ نے فرمایا، معاف کر دوں گا لیکن توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا وہ اپنا سر جھکا دیں اور جن لوگوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کا سر کاٹ دیں۔ یوں ان کی توبہ قبول ہوئی لیکن ستر ہزار لوگ قتل ہو گئے۔ ستر عربی کا محاورہ ہے جو کثرت اور بے شمار کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ ستر ہزار لوگوں میں مرنے والے اور مارنے والے قریبی عزیز تھے باپ نے اگر سجدہ کیا اور بیٹے نے نہیں کیا تو بیٹے نے باپ کی گردن اڑائی لیکن مرضی سے سر نہیں اٹھایا۔ حضرت موسیٰ خیمے سے باہر آئے تو پاؤں انسانی خون سے بنے کیچڑ میں دھنس گئے تو آپؑ نے دعا کی بار الٰہی ان جاہلوں کو معاف کر دے۔ اللہ کریم نے فرمایا جو قتل ہو چکے انہیں میں شہادت کا درجہ دوں گا اور جو بچ گئے ان کی خطا معاف کرتا ہوں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔

آج یہ شرط ہوتی تو کیا توبہ آسان ہوتی؟

یارب تو کریمی ورسولِ تو کریم

صد شکر کہ ہست میانِ دو کریم

اے رب! آپ کریم ہیں اور آپ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریم ہیں۔ تیرا بڑا شکر ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان میں آگئے۔ فرمایا: کچھ اور نہ کرو صرف خلوص دل سے باز آجاؤ اور ظاہری و باطنی گناہ چھوڑ دو۔ اس خیال سے چھوڑ دو کہ میرے اللہ نے روکا ہے اور میرے نبی ﷺ کا یہ طریقہ ہے۔ تم جہاں بھی ہو۔ جیسے بھی ہو دامان محمد رسول اللہ ﷺ کو تھام لو۔ تم خواہ بوڑھے ہو چکے ہو، تمام عمر گناہوں میں ضائع کر چکے ہو۔ اب تم میں گناہ کرنے کی ہمت بھی نہیں، کسی قابل نہیں ہو، چارپائی پر مریض پڑے ہو، قریب المرگ ہو تب بھی اللہ کا در رحمت وا ہے اس کی رحمت پکار رہی ہے کہ خلوص دل سے واپس آجاؤ توبہ کرلو، کہہ دو یا اللہ! میں آج سے گناہ چھوڑتا ہوں، مجھے معاف کردے اب میں تیری اور تیرے نبی ﷺ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ دیکھئے کتنے پیار سے فرمایا ہے **وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ**۔ ظاہری گناہ وہ ہے جو لوگوں کو بھی دکھائی دیتا ہے کہ اس نے برا کیا۔ باطن کا گناہ قلبی کیفیات ہوتی ہیں جو صرف اللہ کریم کو معلوم ہے۔ اللہ کریم ہر دو قسم کے گناہوں سے منع فرمارہے ہیں۔ کیا اس سے آسان تر کوئی اور طریقہ ہوسکتا ہے؟ اس سے کم تر تو کوئی درجہ نہیں کہ جو کر چکے ہو اسے بھول جاؤ، آئندہ کرنا چھوڑ دو، اصلاح احوال کرلو۔ اللہ کریم کی رحمت بے پایاں کی مثالوں سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے مفسرین بنی اسرائیل کے ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو عمر بھر قتل و غارتگری میں مبتلا رہا، بڑھاپے میں توبہ کا خیال آیا تو کسی عالم کے پاس گیا کہ میں ننانوے افراد قتل کر چکا ہوں، توبہ کرنا چاہتا ہوں، کیا میرے لئے کوئی گنجائش ہے؟ مولانا بپھر گئے اور کہا ظالم! تو اتنے افراد قتل کر کے اب گنجائش مانگتا ہے؟ ایک قتل کرنا گویا ساری انسانیت کا قتل ہے۔ یہ سن کر اس شخص نے مولانا کو بھی مار ڈالا۔ اس کے اندر کی خلش نے اسے پھر بے چین کیا تو کسی اللہ کے بندے، کسی اللہ والے کی خدمت میں پہنچا۔ انہوں نے فرمایا: تم سمجھتے ہو کہ سو قتل کرنے پر اللہ کی رحمت عاجز ہو جاتی ہے۔ بے وقوف، تیرے گناہوں سے اس کی رحمت وسیع ہے خلوص دل سے توبہ کر وہ معاف کرنے والا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ توبہ کرنے اور اس پر قائم رہنے کے لیے اہل اللہ کی مجلس ضروری ہے۔ بدکاروں میں رہ کر توبہ سلامت نہیں رہتی۔ جہاں رہ کر تو نے سو قتل کئے وہ ماحول اور معاشرہ خراب ہے۔ تو ان لوگوں میں واپس نہ جا بلکہ نیکوں کی بستی میں چلا جا اور ان کی ساتھ باقی زندگی بسر کر۔ وہ اس بستی چل پڑا، راستے میں موت آگئی۔ توبہ اور موت میں اتنا ہی فاصلہ تھا کہ توبہ کر کے چند ہی قدم نیکوں کی بستی کی طرف چلا تھا کہ راستے میں موت آگئی۔

حدیث شریف میں ملتا ہے کہ جنت کے فرشتے اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے کہ وہ تائب ہو چکا تھا اور جہنم کے فرشتے اسے اپنی آسامی سمجھتے تھے بالآخر فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ اللہ کریم کی رحمت دیکھیے ، فرمایا زمین کی پیمائش کرلو اگر نیکوں کے قریب پہنچ گیا ہے تو اہل جنت میں سے ہے ورنہ دوسری طرف والے لے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کریم نے فرشتوں کو پیمائش پر لگا دیا اور خود زمین کو حکم دیا کہ نیکوں کی بستی کی طرف سے سمٹ جا اور دوسری طرف سے پھیل جا۔ کیسا کریم ہے ، فرشتوں کو بھی نہیں بتایا اور اپنی رحمت سے اس کی مغفرت فرما دی۔ اگر اس فراوانی میں بھی کوئی محروم رہے تو پھر قصور اس کا اپنا ہے لیکن یاد رہے! جو لوگ گناہ پر دلیر ہیں اور اسے نہیں چھوڑتے اور کہتے ہیں کہ ہماری مجبوری ہے ہم سے نہیں چھٹتا وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ بات یہ ہے کہ گناہ چھوڑنے کے لئے اپنی عادتیں چھوڑنا پڑتی ہیں۔ مجھ سے ایک مرتبہ کسی شخص نے وضو کے بارے مسئلہ پوچھا۔ کہنے لگا میری عادت ہے کہ میں وضو کرتے ہوئے ہاتھ منہ دھو کر تولیئے سے خشک کرتا ہوں پھر بازو دھوتا ہوں پھر انہیں خشک کر کے باقی وضو کرتا ہوں ہمارے امام صاحب کہتے ہیں کہ علماء شریعت اس سے منع کرتے ہیں لیکن میری مجبوری ہے میں یہ عادت نہیں بدل سکتا۔ میں نے کہا میرے بھائی! تم نے عادتوں پر عمل کرنا ہے یا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر۔ دین انسانی مزاج اور عادات کا پابند نہیں۔ عادتوں کو دین کا پابند کرنا ہی دین ہے۔ عادتیں بدلنا ہی دین ہے۔ اگر تم نہیں بدل سکتے تو تمہارا اسلام کیسا؟ سادہ سی بات ہے تمہیں اپنی عادات بدلنا ہوں گی ، محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ جو لوگ گناہ پر دلیر ہیں ان کی فکر نہ کریں یہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ جو خرافات یہ کرتے ہیں ، ایک ایک کی سزا یہ پائیں گے۔

گناہ کرنے کا بڑا سبب کیا ہے؟

اللہ سے دوری ، گناہ کرنے اور صدور ذنب کا بڑا سبب حرام غذا ہے۔ سادہ سی بات ہے کسی کو اچھا مزیدار ، اچھی خوشبو اور ذائقے والا گوشت پکا کر دیا جائے تو اسے کتنی فرحت نصیب ہوتی ہے۔ اسی شخص کو وہی گوشت آدھا کچا ، آدھا پکا جس میں سے smell آ رہی ہو دے دیں تو وہ کتنا بے لطف ہوگا اسی طرح ہر گناہ برائی ہے۔ برائی میں سے سڑاند آنی چاہیے۔ اس سے کراہت آنی چاہیے۔ برائی کا سبب بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ** ایسے جانوروں میں مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یہ نافرمانی ہے۔ گناہ ہے فرمایا: سادہ سی بات ہے حرام کھاؤ گے تو مزاج بدل جائے گا۔ گناہ ،

گناہ نہیں لگے گا، برائی برائی نہیں لگے گی، برائی کر کے لطف آئے گا۔ جس طرح گنجے کو سر کھجا کر مزہ آتا ہے اور خارش زدہ آدمی کو جسم کھجانے میں مزا آتا ہے حالانکہ اس کی جلد بھی پھٹ جاتی ہے خون رستا ہے لیکن وہ اس لئے خارش کئے جاتا ہے کہ اسے خارش کرنے میں لذت آتی ہے۔ حرام غذا کا اثر بھی مزاج میں ایسے ہی در آتا ہے۔ حرام کھانے سے نیکی کرنا مشکل اور گناہ کرنا اچھا لگتا ہے۔ اس لئے حرام سے بچو یہ فسق ہے گناہ ہے۔ اللہ کی نافرمانی ہے۔ **وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ** شیطان اپنے دوستوں کو باتیں سکھاتے، پڑھاتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں اور حق کو ناحق ثابت کرنے کے لئے دلیلیں لائیں۔ جیسے سود کو اللہ جل شانہٗ نے حرام قرار دیا ہے۔ اپنی کتاب میں فرمادیا ہے جو سود نہیں چھوڑتے **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ تمام گناہوں میں سے سب سے بڑی سزا یہی ہے حالانکہ زنا کی سزا بہت سخت ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔ اس پر کوئی رحم نہ کھائے اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ اعلانِ جنگ نہیں ہے۔ سنگسار ہونے کی سزا پا کر اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ چوری اور ڈاکے کی سزا حدود کی صورت میں متعین ہے۔ دیگر جرائم کی سزائیں بھی مقرر ہیں۔ ایک سود خور ایسا ہے جس کی سزا اللہ سے اور اللہ کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ ہے۔ اللہ نے فرمادیا ہے کہ میں جانوں اور یہ جانے۔ میرا اور اس کا میدان لگ گیا ہے۔ میری اور اس کی لڑائی ہے۔ دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟ اس کے باوجود مسلمان کھا رہے ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ حکمران آتے ہیں تو سود کو جائز قرار دینے کے لئے سود کا نام بدل کر مارک اپ رکھ دیتے ہیں۔ ہم نے وطن عزیز سے سودی نظام ختم کرنے کے لئے ایک مرتبہ **movement** چلائی۔ پھر یہ مطالبہ شرعی عدالت تک گیا ہائی کورٹ تک گیا۔ شریعت بینچ نے سود کی ہر شکل کو حرام قرار دے دیا۔ اس وقت کے وزیر اعظم نے شرعی بینچ کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ آج تک سپریم کورٹ میں نہ اس کی سماعت ہوئی نہ کوئی فیصلہ آیا۔ یعنی اپنے وقت کی سرکاری عدالت کے فیصلے کو بھی انہوں نے تسلیم نہ کیا اور سود کا نام بدل کر مارک اپ رکھ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کا نام بدل کر بکرا رکھ دیا جائے۔ کیا اس طرح وہ حلال ہو جائے گا؟

اس آیت مبارکہ میں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ وہ جانور بھی نہ کھاؤ جو تکبیر کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ حرام ہو گیا۔ جانور خود خریدا، اسے پالا، اس پر خرچ کیا، صحت مند تھا پھر چوٹ لگ گئی یا کسی وجہ سے

بیمار ہو گیا، اس پر تکبیر نہیں پڑھی گئی اب اسے کھایا نہیں جا سکتا، پانچ، سات من گوشت ہے لیکن حرام ہو گیا کہ اس پر تکبیر نہیں پڑھی جا سکی اور ایک لاغر بکری اور کمزور دنبہ تکبیر پڑھ کر بسمہ اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو جائز ہے۔

میرے ایک دفعہ دو بیل مر گئے۔ دس، دس لاکھ کا ایک تھا۔ ان کے رکھوالے ذبح نہ کر سکے کہ رات تھی اور جانور بیمار تھے وہ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ انہیں ذبح کر لینا چاہیے۔ دس لاکھ کا بیل ہو تو ذبح کرنے کے لئے از خود فیصلہ کرنے کا حوصلہ چاہیے کہ مالک خود موجود ہو تو فیصلہ کرے، ملازم بے چارہ کیا کرے کہ مالک کہہ دے کہ صبح تو جانور ٹھیک ہو جاتا تم نے رات میں ہی کیوں ذبح کر دیا؟ اسی کشمکش میں باری باری دونوں بیل مر گئے۔ ہم نے دونوں اٹھا کر پھینک دیئے کسی نے نہیں کھائے حرام کھانے سے جو خون بنتا ہے وہ دل کا حصہ بنتا ہے، اعضاء جوارح میں جاتا ہے، دل دماغ تک پہنچتا ہے اور پورے وجود میں حرام کی غلاظت پھیلتی ہے اور شیطان سے نسبت ہو جاتی ہے پھر شیطان گناہ کے راستے پر لگا دیتا ہے۔ سو فرمایا: اگر توبہ کر بھی لو تو اس پر قائم نہ رہ سکو گے اس لئے کہ چوری، ڈاکہ، لاٹری، جُواء، ناجائز رشوت، کسی کا مال ناحق لینا یہ سب حرام ہے۔ حرام کو چھوڑ دو۔ حرام غذا شیطان کی دوستی میں لے جاتی ہے۔ ایسے لوگ جب شیطان کے قریب جاتے ہیں تو اکثر خود مجسم شیطان بن جاتے ہیں پھر شیطان اپنے دوستوں کو باتیں سکھاتے ہیں ان کے دل دماغ میں ایسی باتیں ڈالتے ہیں کہ وہ حرام کاموں کو جائز قرار دینے کیلئے بحثیں کرتے ہیں۔ دلیلیں لاتے ہیں جیسے آج کل شیطان صفت لوگ کہتے ہیں کہ گانا بجانا تو روح کی غذا ہے۔ وہ کون سی روح ہے جو بے حیا عورتوں کے گانے سن کر پلتی ہے۔ وہ تو شیطانی روح ہی ہوگی۔ انسانی روح تو نیکی سے حیات پاتی ہے۔ اتباعِ رسالت سے حیات پاتی ہے۔ اس نے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پا سے زندگی حاصل کرنی ہے۔ آپ ﷺ کا اتباع چھوڑے گی تو مر جائے گی۔ گانا بجانا اس کی غذا کیسی؟ اس کیلئے تو زہر ہے۔ لیکن ہمارے ملک کے ایک نامور اور معروف بدکار جو بدکاروں کے پیشوا بلکہ امام ہیں۔ قرآن کریم میں کفر کے پیشواؤں کو امام کہا گیا ہے فرمایا: فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ التوبہ: 112 کفر کے پیشواؤں کے ساتھ جہاد کرو۔ اسی طرح یہ معروف ہستی بھی بدکاروں کی امام ہے۔ وہ دلیل دے رہے تھے کہ اللہ کو اگر یہ گانا بجانا پسند نہ ہوتا تو لوگوں کو خوبصورت گلے اور خوبصورت سریں کیوں دیتا؟ اگر دیئے ہیں تو ظاہر ہے گانے کے لئے ہی دیئے ہیں۔

میانوالی میں گل شیر نام کا ایک شخص تھا خاندانی آدمی تھا کسی ڈوم گھرانے سے نہیں تھا۔ اس کے گلے میں قدرتی طور پر حسن تھا تو اس نے گانا شروع کر دیا۔ جہاں کہیں کسی شادی وغیرہ کے موقعے پر گانے بجانے

والے بلوائے جاتے وہ اسی محفل میں الگ بیٹھ کر گانا شروع کر دیتا تو لوگ وہ محفل چھوڑ کر اس کے گرد بیٹھ جاتے۔ایک مرتبہ ایک عالم دین کا جلسہ ہو رہا تھا۔ بڑی غضب کی تقریر تھی۔اس نے پرے بیٹھ کر گانا شروع کر دیا تو ان کے متعلقین ہی رہ گئے باقی عوام الناس اس گویّے کی طرف متوجہ ہو گئے۔مولانا نے اپنی تقریر مکمل کی اور اس کے پاس گئے۔کوئی عام مولوی ہوتا تو آگ بگولہ ہو جاتا اور کافر مشرک وغیرہ جیسے القاب سے نوازتا لیکن یہ اللہ کے بندے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ بڑے پیار سے اسے ملے، گلے لگایا اور کہا اللہ نے تمھیں بڑی خوبصورت آواز دی ہے اور لے سے نوازا ہے کاش اس خوبصورت آواز میں تم اللہ کا کلام پڑھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرو تو کتنا لطف آ جائے۔اس نوجوان کی زندگی ہی بدل گئی۔اس نے گانا چھوڑ دیا۔قرأت سیکھی۔دینی تعلیم مکمل کی۔ پھر وہ مولانا گل شیر خان کے نام سے مشہور ہوا۔قرآن کریم کی تلاوت کرتا تو لاکھوں کے مجمع میں پتا نہیں ہلتا تھا۔کوئی اونچا سانس نہیں لیتا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے وقت تھم گیا۔کسی بدبخت نے انہیں شہید کر دیا۔

اللہ والے لوگوں کو برائی سے نیکی کی طرف لانے کا سبب بنتے ہیں اور شیطان کی دوستی برائی پر آمادہ کرتی ہے۔اس دوستی کے سبب وہ لوگوں کو یہ دلیلیں سکھاتا ہے کہ واہیات گانے گاؤ اور اسے جائز قرار دو۔اللہ تعالیٰ نے کسی کو مال دیا ہے تو اس لئے کہ پاکیزہ زندگی گزارے اس لئے نہیں کہ بھانڈوں، ڈوموں پر لٹا دے۔اس نے طاقت دی ہے تو اس لئے کہ اس کی اطاعت کرے اور نافرمانی سے روکے۔خوبصورت لے اور حسین گلا دیا ہے تو اس لئے کہ اللہ کی تعریف کرے، اللہ کے نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرے، قرآن حکیم کی تلاوت کرے حدیث شریف پڑھے۔

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ شیطان تو اپنے چیلوں کو سکھاتا ہے کہ تمہارے ساتھ بحث کر سکیں لیکن آخری بات سن لو! اگر تم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات چھوڑ کر ان بدمعاشوں کی بات مان لی تو تم مشرک ہو جاؤ گے۔ یہ سب سے بڑا ظلم ہوگا کہ اللہ کی بات چھوڑ دی جائے اور اس کے مقابل کسی شیطان کی یا کسی شیطانی ٹولے کی بات مانی جائے۔ ایسا کرو گے تو تمہارا شمار مشرکوں میں ہوگا۔مشرکوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ قرآن کریم میں پوری تفصیل سے بتا دیا گیا ہے کہ جو شرک کرے گا اس کا انجام کیا ہوگا۔

سورۃ الانعام رکوع 14 آیات 122 تا 129

اَوَ مَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ
كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا‌ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ
لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ
مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا‌ ؕ وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا
يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّـؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى
مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ‌ ؔ‌ۘ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَـتَهٗ‌ ؕ
سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا
كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ
لِلۡاِسۡلَامِ‌ ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ‌ ؕ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى
الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيۡمًا‌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ‌ وَهُوَ
وَلِيُّهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا‌ ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ
قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ‌ ۚ وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا
اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا‌ ؕ

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

بھلا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اس کے لئے ایسی روشنی (نور) کر دی کہ اس کے ساتھ آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں ہے (اور) ان سے نکل نہیں سکتا اسی طرح کافروں کو ان کے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲۲﴾ اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑے لوگوں (رئیسوں) کو جرم کرنے والا بنایا کہ وہاں شرارتیں کریں اور یہ لوگ اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں اور ان کو (ذرا بھی) خبر نہیں۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جب تک ہم کو اسی طرح کی رسالت نہ دی جائے جس طرح کی رسالت اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ اللہ خوب جانتے ہیں کہ نور رسالت کس کو عطا فرمانا ہے عنقریب ان مجرم لوگوں کو اللہ کے پاس ذلت ملے گی اور ان کی شرارتوں پر شدید عذاب۔ ﴿۱۲۴﴾ سو اللہ جس کو ہدایت فرمانا چاہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں اور جس کو گمراہ کرنا چاہیں اس کا سینہ تنگ (اور) بند کر دیتے ہیں گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتے ہیں۔ ﴿۱۲۵﴾ اور یہ آپ کے پروردگار کی سیدھی راہ ہے یقیناً نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے ہم نے کھلی نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ ﴿۱۲۶﴾ ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان کا دوست ہے۔ ﴿۱۲۷﴾ اور جس دن وہ ان سب (خلائق) کو جمع فرمائے گا (ارشاد ہوگا) اے جنوں کی جماعت! یقیناً تم نے انسانوں سے بہت فائدے حاصل کئے اور انسانوں میں سے ان کے

دوست کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے اور (آخر) ہم اس وقت کو پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر فرمایا تھا فرمائے گا تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے ہمیشہ اس میں رہو گے سوائے اس کے کہ جب اللہ چاہے۔ بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) جاننے والا ہے۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو ان کے اعمال کے باعث بعض دوسرے ظالموں کے قریب کردیتے ہیں۔ ﴿۱۲۹﴾

خلاصۂ رکوع

ان آیات کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی مردہ ہو چکا ہو، مر چکا ہو پھر اللہ کریم اسے زندگی دے دے۔ وہ زندہ ہو جائے اور صرف زندگی ہی نہ دے بلکہ روشنی اور نور بھی عطا کردے جس نور کو لے کر وہ معاشرے میں رہے، لوگوں میں چلے پھرے۔ لوگوں میں چلنے پھرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا قول اور اس کا عمل اس بات کے گواہ ہوں یعنی اس کے کردار سے ظاہر ہو کہ اس کے سینے میں نور ہے تو کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو اور تاریکی سے نکل ہی نہ سکے۔ وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو اندھیروں میں پڑا ہو اور تاریکی سے نکل ہی نہ سکے۔ بھلا وہ اس کی مثل کیسے ہو سکتا ہے جسے اللہ نے مردے سے زندہ کیا اور زندگی کے بعد اس میں نور بھر دیا۔ جو تاریکی میں پڑا ہے مردہ ہے تاریکی سے نکل بھی نہیں سکتا وہ کبھی اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ہاں! اللہ کریم نے کافروں کے لئے ان کے کردار کو ہی مزین کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں وہ بہت اچھا ہے۔ یہ اس تاریکی کا اثر ہوتا ہے جس تاریکی اور ظلمت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے کہ یہ نافرمان اپنی نافرمانی کی روش پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم ہر شہر، آبادی یا بستی میں بڑے بڑے لوگوں کو جرم پر لگا دیتے ہیں جو اللہ کریم کے دین اور انبیاء کے خلاف تجویزیں کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھ سکتے کہ جتنی الٹی چالیں وہ چل رہے ہیں بالآخر وہ ان کے گلے پڑیں گی۔ اگر ان کے پاس کوئی دلیل آتی ہے تو کہتے ہیں ہم نہیں مانیں گے۔ ہاں! ایک شرط پر مانیں گے کہ جس طرح اللہ کریم کے رسول علیہ السلام کو قوت دی گئی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست سنتا ہے اسی طرح ہمیں بھی قوت دی جائے۔ ہم بھی اللہ کریم سے براہ راست سنیں تب ہم مانیں گے۔ یہ تو اللہ کریم کا کام ہے کہ وہ کس کو اپنی رسالت عطا فرماتا ہے اور کن کو اس کے اتباع کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ان لوگوں کے تو یہ اندازے ہیں کہ ہم مالدار ہیں، صاحب اقتدار ہیں لہٰذا نبوت کی

نعمت بھی ہمیں ملنی چاہیے لیکن یہ انتخاب تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔ جو لوگ یہ جرم کرتے ہیں اللہ کریم کے نزدیک وہ ذلیل ہوتے ہیں اور بالآخر عذاب شدید کا شکار ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ انبیاء ورسل اور ان کے دین کے خلاف، اللہ کریم کے دین کے خلاف تجویزیں کرتے تھے۔ اللہ جل شانہ جسے ہدایت عطا کرنا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں اور جسے گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا پڑے اور اسے اتنا مشکل لگے۔ اس طرح اللہ کریم ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتے ہیں اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ اور ہم نے اپنی آیات، نشانیاں اور دلائل نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس اور ان کا رب ہی ان کا کارساز ہے۔ ایک دن ایسا ہوگا جب تمام جنوں اور انسانوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا اور جنوں سے کہا جائے گا کہ تم انسانوں کی نسبت تعداد میں کثیر تھے تو کیا کرتے رہے؟ ان کے جو دوست انسانوں میں سے تھے وہ بول اٹھیں گے کہ ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ جس انجام کو پہنچنا تھا آج ہم وہاں پہنچ گئے۔ ارشاد باری ہوگا آج تم سب کے لئے جہنم ہے۔ تم سب اس میں جلو گے یہاں موت نہیں آئے گی۔ اب تمہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ ہاں اللہ کریم چاہے تو وہ قادر ہے۔ وہ جو چاہے کرے لیکن یہ بات یاد رکھو! تمہارا پروردگار ہر کام اپنی حکمت اور اپنے علم کے مطابق کرتا ہے۔ وہ حکیم و داناتر ہے۔

تفسیر و معارف

زندہ اور مردہ:۔

ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو چلتا پھرتا، بات کرتا، دیکھتا سنتا ہے اور مردہ وہ ہے جس کی زندگی ختم ہوگئی۔ جس کی روح پرواز کر گئی۔ جس چیز میں حیات ہے اسے ہم زندہ سمجھتے ہیں اور جو مر جائے وہ ہمارے نزدیک مردہ ہے۔ **اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ** قرآن حکیم کی ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ زندہ وہ ہے جس نے کلمہ حق قبول کر لیا اور مردہ وہ ہے جس نے اسلام کے نعرہ آب حیات کو **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کو نہ مانا۔

تخلیق انسانی کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں **قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ** بنی اسرائیل:85 ارواح

کی تخلیق عالم امر میں ہوئی۔ اللہ کریم نے مٹی، آگ، ہوا اور پانی سے آدم علیہ السلام کا جسد خاکی بنایا۔ اس میں سے مائی حوا کو پیدا کیا عالم امر کی روح ڈالی اور عالم انسانیت کا سفر شروع ہوا۔ عالم امر سے روح پشت پدر میں آئی، وہاں سے چلی ماں کے پیٹ میں گئی۔ شکم مادر سے چلی اس دنیا میں آئی۔ اس دنیا سے چلے گی تو قبر اور برزخ میں جائے گی۔ جتنا عرصہ رب کو منظور ہوا برزخ میں رہے گی پھر قیامت قائم ہوگی تو حشر میں جائے گی۔ وہاں فیصلہ ہوگا کہ کون واپس گھر پہنچتا ہے۔ اصل گھر جنت ہے۔ جس نے اس دنیا میں اپنے لئے زندگی خرید لی اور نور بھی حاصل کر لیا جو اس نور کے ساتھ لوگوں میں زندہ رہا وہی قیامت کو جنت سدھارے گا اپنے گھر پہنچے گا۔ جو اس سے محروم رہا وہ گھر نہیں جائے گا، دوزخ میں جائے گا، عذاب پائے گا اور گھر سے محروم ہو جائے گا۔

قرآن حکیم کے نزدیک مردہ وہ ہے جو ایمان نہیں لاتا۔ وہ مردہ ہے اور اندھیرے میں پڑا ہے جس سے نکل نہیں سکتا۔ بعثت نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے سب اسی طرح مردہ تھے۔ پہلے انبیاء کی تعلیمات ختم ہو چکی تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کو گزرے پانچ صدیاں بیت چکی تھی۔ کوئی عیسوی تعلیمات بتانے والا نہیں تھا۔ پوری روئے زمین پر کفر کی تاریکی تھی کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اس بوڑھے آسمان نے دیکھا کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا ایک بندہ اس کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کریم کے نام کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔ یہ نعرہ آب حیات تھا۔ جس جس نے **لا الہ اللہ محمد رسول اللہ** قبول کیا وہ زندہ ہوتا گیا۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ یہ فرق ہے زندہ اور مردہ میں۔ **اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ** جس نے نہیں مانا وہ مردہ رہا جس نے کلمہ حق قبول کر لیا اسے ہم نے حیات دے دی۔

ایک عرب شاعر نے کہا تھا **واجسامهم قبل القبور قبورهم** کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے جسم قبر میں جانے سے پہلے روح کی قبریں بن چکے ہیں۔ ان میں روح ہے لیکن روح میں نور ایمان نہیں، حیات نہیں۔ یوں تو ہر جاندار میں زندگی ہے حیات ہے لیکن انسانی روح کا تو شرف یہ ہے کہ اس کے سبب ہی انسان اللہ کریم کی پہچان حاصل کر سکتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝٥٦** الذریت: 56۔ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ مجھے پہچانیں میری معرفت حاصل کریں مجھے جانیں پھر جان کر مانیں اور مان کر میری اطاعت کریں تو پتہ چلے۔ جس کسی نے پیغام الٰہی قبول نہیں کیا وہ حیوانی زندگی جی رہا ہے۔ کھاتا پیتا ہے اولاد ہوتی ہے، گھر بناتا ہے لیکن قرآن حکیم اسے مردہ کہتا ہے کہ اس میں زندگی گزارنے والی حیوانی روح تو ہے۔ ایمان والی روح نہیں ہے۔ اور انسان کو حیوان سے ممیز کرنے والی اور اسے اشرف المخلوقات بنانے والی وہ روح ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی۔ اس کلمہ طیبہ نے اسے

حیات بخش دی وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ صرف زندہ ہو کر بات ختم نہیں ہوتی اسے آگے چلنا ہے۔ جب بندہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لایا۔ نبیؐ کی اطاعت کی تو سینہ نبوی علیہ الصلوۃ السلام سے جو نور نکلا وہ اس کے قلب تک پہنچ گیا۔ بندے میں ایمان باقی ہو، وہ ایمان ضائع نہ کر چکا ہو تو گناہگار سے گناہگار مسلمان کے دل کا تعلق اپنے نبی ﷺ سے تار کی مانند جڑا ہوتا ہے۔ قلبِ اطہر رسول اللہ ﷺ سے نور کی ایک تار نکلتی ہے اور ہر مسلمان کے دل تک آتی ہے۔ جوں جوں وہ اطاعت اور غلامی کرتا ہے وہ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور نور بڑھتا جاتا ہے۔ جتنی نافرمانی کرتا ہے وہ کمزور ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ ٹوٹ بھی جاتی ہے جس کی ٹوٹ جائے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ مرتد ہو جاتا ہے۔ آج یہی صورت حال نظر آتی ہے۔ ایک مسلمان کے گھر پیدا ہونے والے چار پانچ بچے ہوں تو بمشکل کوئی گھر ایسا ہوگا جس میں سب ہم عقیدہ ہوں یہ کیا بات ہے کہ باپ دادا کا عقیدہ ایک تھا تو پھر یہ تبدیل کیسے ہو گیا؟ اس کا سبب مسلسل نافرمانی اور کبھی توبہ نہ کرنا اور دین میں من مانی کرنا ہے۔ اس طرح وہ تار کمزور ہوتے ہوتے ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتنگ کی ڈور کٹ جائے تو وہ فضا میں آوارہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی درخت پر اٹک جائے یا کوئی بچہ اچک لے یا کانٹوں میں الجھ جائے اسے تو گرنا ہی ہے۔ اسی طرح جب نور ایمان کی ڈور ٹوٹتی ہے تو بندہ آوارہ ہو جاتا ہے۔

عقیدہ اتنی مضبوط چیز ہے کہ بڑے بڑے کافر و مشرک بھی کفر پر قائم رہنے کے لیے قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ تقسیم ہند کے وقت مسلمان بڑی عظیم قربانیاں دے کر وطن عزیز پاکستان پہنچے اور مسلمان علاقوں سے ہندو، سکھ انڈیا چلے گئے۔ ہمارے ساتھ نور پور گاؤں ہے وہ سکھوں کا گاؤں تھا۔ قریبی گاؤں کے لوگوں نے ان پر حلہ بول دیا۔ بڑا قتل عام ہوا پورے گاؤں میں سے چند افراد بچے جنہیں پولیس کیمپوں میں لے گئی اور وہاں سے ہندوستان چلے گئے۔ ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ اتنے عالشان محلات، مال و منال چھوڑ کر کیوں جائیں ہم بھی کلمہ پڑھ لیتے ہیں اس طرح ہمارا گھر بار بچ جائے گا۔ لیکن انہوں نے کہا سب کچھ جانے دو ہم تو اپنے بھگوان کے ساتھ ہیں۔ کافر کفر پر اتنی قربانی دے سکتا ہے تو مومن ایمان پر کیوں نہیں ڈٹ جاتا؟ اس لئے کہ کافر روز کفر کرتا ہے۔ وہ کفر پر ڈٹا ہوا ہے تو اللہ نے اسے کفر پر ہی رکھنا ہے۔ کوئی توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول ہوگی اسے ایمان نصیب ہوگا لیکن مومن کا بدل جانا حیرت کی بات ہے کہ پشتوں سے مسلمان چلا آ رہا ہے، سات پشت سے، چودہ پشت سے، سات ہزار پشت سے، چودہ سو سال سے جو مسلمان چلے آ رہے ہیں ان کی اولاد بدعقیدہ کافر کیوں ہو جاتی ہے؟ وہ اس تار کو توڑ بیٹھتے ہیں جو تار حیات تھی، نورِ حیات

تھا۔ نورِ حیات سے تعلق ٹوٹا تو وہ مردہ ہو گیا۔ مردے میں کیا ہوتا ہے؟ رکھا رہے تو تعفن اور بد بو ہی پھیلتی ہے۔ جتنا عرصہ پڑا رہے خراب ہوتا رہتا ہے۔ اس سے تعفن ہی اٹھتا رہتا ہے۔

فرمایا: اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ تم سب مردے تھے۔ میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ میں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر تمہیں زندگی بخش دی۔ اگر میں اپنے نبی اکرم ﷺ کو مبعوث نہ کرتا تو تمہیں نورِ ایمان کہاں سے ملتا؟ میں نے رحمت العٰلمین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور جس نے دامانِ رحمت تھاما اسے میں نے مردہ سے زندہ کر دیا۔ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ پھر زندہ ہونے کے بعد اسے توفیق بخشی کہ وہ سینۂ اطہر رسول اللہ ﷺ سے نور حاصل کرے۔

وہ نور کیا ہے؟

فرمایا: ہم اسے وہ نور عطا کر دیتے ہیں جس کے ساتھ وہ لوگوں میں گزر بسر کرتا ہے۔ یہ نور کیا ہے جس کے ساتھ وہ لوگوں میں رہتا بستا ہے؟ یہ نور نبی اکرم ﷺ کے سینۂ مبارک کا نور ہے یہ قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے ضوفشاں ہوتا ہے۔ اسے کہتے ہیں برکات رسول اللہ ﷺ یہ وہ نور ہے جس نے عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایمان والوں کو ایک لمحے میں صحابیؓ بنا دیا۔ یہ نور تبع تابعین تک لٹتا رہا پھر اس کے بعد جس نے محنت کی اس نے پایا۔ اللہ کے بندوں نے عمریں بسر کر دیں مشائخ کی خدمت میں اللہ اللہ کرتے رہے، ذکر اللہ کیا، دل کو پاک کیا، وہ نور اپنے سینے میں اتارا اور پھر کسی کسی خوش قسمت کو یہ نصیب ہوا کہ وہ آگے بھی بانٹے۔ یہ نور قیامت تک بٹتا رہے گا۔ یہ نور لے کر وہ معاشرے میں پھرے تو پتہ چلے کہ اللہ کا بندہ آ رہا ہے یہ وہ نور ہے کہ بندہ اسی معاشرے میں رہتا ہے، جھوٹ نہیں بولتا، سود نہیں کھاتا، کسی کا حق نہیں مارتا، کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

تعلیمات و برکات:۔

قرآن کیا ہے؟ تعلیمات محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہ وحی الٰہی ہے جسے صرف حضور ﷺ نے سنا اور لوگوں کو اللہ کا پیغام سنایا۔ حدیث مبارک کیا ہے؟ حضور ﷺ کے ارشادات ہیں جسے صحابہ کرامؓ نے سنا اور آگے نقل کیا۔ پورے کا پورا دین حلال حرام، اوامر و نواہی، عقیدہ عمل یہ سارا کیا ہے؟ تعلیمات رسول اللہ ﷺ۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ تعلیمات رسول اللہ ﷺ سنائی جاتی ہیں بتائی جاتی ہیں، پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ جمعہ کو مساجد بھر جاتی ہیں۔ شہروں میں تاخیر سے مسجد پہنچنے والوں کو جوتوں میں جگہ ملتی ہے۔ اکثر دکاندار اور تاجر سال میں تین چار عمرے کرتے ہیں، حج کرتے ہیں، داڑھیاں رکھی ہوئی ہیں، تبلیغ کر رہے ہیں،

مضمون لکھے جارہے ہیں، وعظ ہورہا ہے ہر وقت تسبیحات پڑھ رہے ہیں لیکن جس کے ساتھ لین دین کریں وہ بددیانتی کرتا ہے۔ جو ہر سال چار عمرے کرتا ہے اس دکاندار کے پاس جائیں تو جیب کاٹ لیتا ہے یعنی جب وہ معاملہ کرتا ہے تو وہاں بات نہیں بنتی۔ نمازی ملتے ہیں، سچ بولنے والا کوئی نہیں ملتا، حاجی ملتے ہیں پورا تولنے والا کوئی نہیں ملتا، کیوں؟ صرف کلمہ پڑھنے پر بات ختم نہیں ہوئی آگے ایک نور چاہیے جو زندگی میں راستہ دکھائے۔ یہ وہ نور ہے جو یہ آیہ مبارکہ بتارہی ہے **وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ** اور ہم اسے وہ نور عطا کر دیتے ہیں جس نور کے ساتھ وہ لوگوں میں گذر بسر کرتا ہے۔ اگر جھوٹ بولنے لگتا ہے تو اس نور میں کمی آجاتی ہے تو وہ رک جاتا ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ سچ بولتا ہے تو اس نور میں اضافہ ہوتا ہے۔ کم تولنے لگتا ہے تو دل کا نور بجھنے لگتا ہے۔ رک جاتا ہے کم نہیں تولتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کے پاس روشنی ہو تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ آگے قدم بڑھایا تو گڑھا ہے پھر وہ ادھر نہیں جاتا صاف جگہ پر پاؤں رکھتا ہے آج ہم سے یہی نور کھو چکا ہے، یہی وہ ٹوٹا ہوا رابطہ ہے جسے جوڑے بغیر بات نہیں بنے گی۔ ابھی الحمدللہ کلمہ باقی ہے لیکن یہ نور ہم سے کھو چکا ہے۔ یہ ہمیں بیت اللہ سے بھی نہیں ملتا، ایک آخری دوا ہوتی ہے اسے life saving drug کہتے ہیں یعنی زندگی بچانے کی دوا۔ تمام علاج جب کارگر نہ ہوں تب یہ آخری دوا دی جاتی ہے۔ اگر اس سے بھی مریض ٹھیک نہ ہو تو ڈاکٹر کہتے ہیں اسے گھر لے جاؤ۔ یہ لا علاج ہو چکا۔ حج فرض ہے اور حج گناہوں سے بچنے کی آخری دوا ہے۔ جو حرم کعبہ سے بھی ہو آتا ہے، زم زم بھی پی آتا ہے اور روضہ اطہر پر الصلوۃ والسلام پڑھ کر آجاتا ہے پھر بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو اس کا مطلب ہے اب اس کے بچنے کی امید نہیں۔ یہ آخری دوائی لے چکا۔ یہ کیسا مرض ہے کہ اتنی بڑی دوا سے بھی ٹھیک نہیں ہوتا، ایسے ہی ہمارے ملک میں کتنے حاجی ہیں جن کی اصلاح نہیں ہوئی۔

تمام اہلسنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ روضہ اطہر میں محمد رسول اللہ ﷺ اسی طرح زندہ اور حیات ہیں جس طرح دنیاوی زندگی میں زندہ اور حیات تھے۔ اور آپ ﷺ کی مجلس کا جو ادب آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی میں تھا وصال مبارک کے بعد بھی روضہ اطہر کا وہی ادب ہے۔

علماء میں اختلاف حیات کی کیفیت پر ہے لیکن یہ علمی بحث ہے عام آدمی کے پلے نہیں پڑتی۔ حیات کی کیفیت یعنی حیات کیسی ہے لیکن حیات کے ہونے پر اہلسنت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اہل سنت کے سارے مسالک اس پر متفق ہیں۔ مسلک وہی معتبر ہوتا ہے جو ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ مسلک کی ضامن اس کی کتب ہوتی ہیں۔ اس بات کے بارے تمام مسالک کی کتب میں یہی لکھا ہوا ہے کہ جب روضۂ اطہر کے

سامنے صلوۃ وسلام پڑھا جاتا ہے تو حضور اکرم ﷺ بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں اور جواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ بریلوی دیوبندی اختلاف یہ ہے کہ بریلوی حضرات یہ کہتے ہیں کہ درود شریف دور سے بھی پڑھا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔ علماء دیوبند کہتے ہیں کہ اللہ کریم نے ایسے ملائکہ مقرر کر دیئے ہیں کہ جو جہاں درود شریف پڑھتا ہے وہ اسے تحفے کی طرح سجا کر خدمت عالی میں پیش کرتے ہیں۔ پڑھنے والے کا نام اس کے والد کے نام کے ساتھ عرض کرتے ہیں کہ فلاں کے بیٹے نے درود کا یہ تحفہ خدمت عالی میں بھیجا ہے۔ لیکن اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ درود شریف خدمت عالی میں پہنچتا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ ایک بندہ دراقدس رسول اللہ ﷺ پر پہنچے۔ صلوۃ وسلام بھی پڑھے اور اس کی اصلاح نہ ہو تو پھر وہ کہاں بدلے گا؟ ہے کوئی ایسا دواخانہ یا اتنا بڑا کوئی ڈاکٹر؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ ہی سے وہ نور ملتا ہے جسے لے کر بندہ مومن معاشرے میں رہتا بستا ہے خوبصورت زندگی گزارتا ہے اور خوشی خوشی آخرت کی منزلیں طے کرتا ہوا ابدالاباد میں فرحاں وشاداں داخل ہوجاتا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے لیڈر پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے انقلاب برپا کئے۔ ہٹلر نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ ماؤزے تنگ نے چین میں ایک بڑا انقلاب پیدا کیا۔ فرانس میں انقلاب آیا۔ اسپین، افریقہ اور کہاں تک گنیں۔ مختلف عوام میں مختلف بڑے لیڈر پیدا ہوئے اور پھر کچھ عرصے بعد انہی اقوام نے انہی لیڈروں کو برا بھلا کہا۔ ان کی برائیاں گنوائیں ان کے کاموں کے برے نتائج سے وہی لوگ بیزار ہوگئے۔ آج جرمنی میں لوگ ہٹلر کا نام سننا گوارا نہیں کرتے، چین میں ماؤ کو گالیاں پڑتی ہیں۔ روس میں لینن کے مجسمے کو مسمار کیا گیا۔ یہ کیا ہے؟ اس لئے کہ یہ لیڈر وہ تھے۔ جنہوں نے انسانی جذبات کو ہوا دی، اُبھارا لیکن کچھ مثبت کام نہ کیا۔ لوگ جذبات میں آکر ان کے پیچھے لگ گئے۔ منزل نہ ملی تو ان کے مخالف ہوگئے۔ نرے جذبات دراصل وقتی ہوئے ہیں۔ جذبات ختم ہوجائیں تو کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ سوائے بربادی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام بھی لیڈر اور رہنما ہوتے ہیں لیکن یہ ایسے عجیب لیڈر ہوتے ہیں کہ جب کہتے ہیں اللہ ایک ہے تو بندہ جو اس دنیا میں اس آنکھ سے اللہ کو دیکھ نہیں سکتا وہ دیکھنے سے زیادہ یقین پالیتا ہے۔ اس کا دل کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں اللہ ایک ہے۔ اللہ کا نبیؑ جب کسی چیز کو حرام قرار دے دے تو نبیؑ کے ماننے والوں کے دل میں حرام کی کراہت پیدا ہوجاتی ہے یہ وہ نور ہے جس کے سبب وہ کہتا ہے کہ میں یہ چیز نہیں کھا سکتا کہ یہ حرام ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام جو بتاتے ہیں اس میں برکاتِ نبوت ہوتی ہیں۔ ارشاد نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ وہ کیفیات بھی دل میں آجاتی ہیں۔

جس طرح علم ظاہر حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح وہ برکات بھی حاصل کرنا پڑتی ہیں۔ جیسے کوئی وضو کا طریقہ نہ سیکھے، صلوٰۃ کا طریقہ اور اس میں پڑھی جانے والی سورتیں نہ سیکھے تو کیسے پڑھے گا؟ لازماً سورہ فاتحہ یاد کرے گا کم از کم قل شریف یاد کرے گا، التحیات اور درود شریف یاد کرے گا، رکوع وسجود کی تسبیحات یاد کرے گا، تب پڑھے گا۔ اسی طرح صلوٰۃ میں جو لذتِ حضوری ہے وہ کیا بغیر سیکھے آجائے گی؟ یہ کہنا کیسی عجیب بات ہے کہ ظاہری عمل سیکھنے سکھانے کا محتاج ہے تو اس کے اندر جو خزانے ہیں وہ کیا بغیر سیکھے آجائیں گے۔ یہی آج کے عہد کی بدقسمتی ہے کہ ہم ظاہری الفاظ سیکھ لیتے ہیں اور جسے اللہ کریم نور قرار دیتے ہیں جس کے بارے فرماتے ہیں: **وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا** کہ میں اس کے لیے نور بنا دیتا ہوں **يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ** جس کے ساتھ وہ لوگوں میں زندگی گزارتا ہے۔ وہ نور برکاتِ نبوت ہے جس نے ایک نگاہ میں صحابیؓ بنا دیا۔

تیرہ برس صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں رہے معراج پر صلوٰۃ فرض ہوئی۔ اس وقت سے پہلے صلوٰۃ فرض نہیں تھی لیکن اللہ کے وہ مقبول بندے صحابیؓ بن چکے تھے۔ صحابیؓ بننے کے لئے انہوں نے زیادہ نمازیں نہیں پڑھیں نہ زیادہ روزے رکھے۔ روزہ فرض ہی نہیں ہوا تھا، وہ صحابی تھے۔ شراب حرام نہیں ہوئی تھی، وہ صحابیؓ تھے۔ سود حرام نہیں ہوا تھا وہ صحابیؓ تھے۔ اک نگاہ نے انہیں اس جگہ پہنچا دیا۔ قلب اطہر رسول اللہ ﷺ میں جو برکات تھیں وہ ان کے قلوب میں پہنچیں اور ظاہر و باطن اسلام میں ڈھل گئے اور اس خلوص سے ڈھلے کہ بارگاہ الٰہی سے کامیابی کی سند پائی۔ پھر انہوں نے جو نمازیں پڑھیں وہ اس پر مزید ہے، ہجرتیں کیں، غزوات میں حصہ لیا یہ سب اس پر مزید ہے۔ جو حکم نازل ہوتا گیا وہ اس حکم کے مصداق بنتے چلے گئے۔

یہ نور، یہ برکاتِ نبوت سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا گیا۔ صحابہؓ کی خدمت آنے والا اک نگاہ میں تابعی ہو گیا۔ تابعی کی خدمت میں پہنچنے والا تبع تابعی ہو گیا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم او کما قال رسول اللہ** ﷺ کہ سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے پھر میرے بعد والوں کا پھر اس کے بعد والوں کا۔ تبع تابعی کے بعد پھر یہ چیز حاصل کرنا پڑی۔

جس چیز کی اہمیت سمجھ میں آجائے اس کے لئے تگ و دو کی جاتی ہے۔ کسی امیر کے گھر پیدا ہوں یا غریب کے ہر کوئی جوان ہوتے ہی اپنی روزی کمانے کے لئے جت جاتا ہے۔ زمیندار، کارخانہ دار اور دولت مند کے بیٹے بھی باپ کی دولت کے باوجود خود بھی زیادہ سے زیادہ کمانا چاہتے ہیں لیکن دین کے لیے ایسا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ہمارے والد بڑے نیک تھے، دادا اور پردادا بہت بزرگ تھے لیکن خود کیا ہیں؟ دین کے معاملے میں کورے۔ دین کی ہماری زندگی میں واجبی سی حیثیت ہے۔ کہتے ہیں ٹھیک ہے بس پانچ نمازیں

پڑھ لیں، گزارہ ہو گیا اس سے زیادہ مشقت کون کرے؟ حالانکہ نماز کے لئے خلوص بھی ضروری ہے۔ خلوص دل کی کیفیت ہے اور دل میں کیفیات نہیں ہوں گی تو نماز ایکسر سائز تو بن سکتی ہے صلوۃ کے اس معیار کو نہیں پا سکتی جس کی خاصیت قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہے۔ اللہ کریم اس سجدے کی بات فرمارہے ہیں کہ بندہ سجدے میں جائے تو اس پر تجلیات باری برسیں فرمایا: سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ الفتح:29 قرآن حکیم کہتا ہے جو سجدے کرتے ہیں ان کے چہروں پر نور الٰہی رقصاں ہوتا ہے۔

ہماری پیشانیاں اس سے عاری کیوں ہیں؟ ہم نے وہ نور حاصل کرنے کے لیے محنت ہی نہیں کی۔ ہم برکاتِ نبوت کی اہمیت کو ہی سمجھ نہیں پائے۔ ہم بیمار ہو جائیں اور گھر والے روکتے بھی رہیں تو ہم کہتے ہیں اگر دفتر جا نہیں سکتے تو فون کر کے پتہ ہی کر لیں کہ کام کا کیا ہوا؟ لیکن خلوص کی کوئی اہمیت نہیں۔ دین میں خالص ہونے اور اندر سے کھرا ہونے کی کسی کو فکر ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ سیلاب عذاب الٰہی بن کر آ گیا ہمارے دانشور یہ کہتے ہیں اسے عذاب نہ کہا جائے۔ تو کیا اسے قرب الٰہی کہیں۔ اگر یہ اللہ کا انعام ہے تو پھر رونا کس بات کا؟ کہتے ہیں کہ یہ تو آزمائش ہے۔ آزمائش تو اس کی ہوتی ہے جس کے پلّے کچھ ہو۔ جسے کلمہ بھی درست نہ آتا ہو اس کی آزمائش کیسی؟ لوگوں کے بچے اور گھر بار غرق ہو گیا۔ والدین پانی کی نذر ہو گئے اور یہ حکمران کہتے ہیں ہم اس سیلاب سے نمٹ لیں گے اور نمٹنے کی تدبیر کیا کی؟ کافروں کے سامنے جھولی پھیلا کر کہتے ہیں اے کافرو! ہمیں خیرات دو۔ کافر کی خیرات سے تو سیلاب میں بہہ جانا بہتر ہے۔ اور وہ کیا دیں گے؟ حکمرانو! کچھ خدا کا خوف کرو اور قرآن کریم سے سبق لو۔ قرآن حکیم نے گزشتہ قوموں میں سے ایک قوم کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس قوم نے اپنے نبیؑ کی مخالفت کی اور سمجھانے کے باوجود توبہ نہ کی ان پر بارش بند کر دی گئی تو انہوں نے اپنے میں سے چند چیدہ چیدہ افراد مکہ مکرمہ روانہ کئے کہ بیت اللہ جا کر دعا کرو۔ کافر بیت اللہ میں اگرچہ بت رکھتے تھے لیکن بیت اللہ کی عظمت کے قائل تھے۔ وہ بیت اللہ آئے لپٹ لپٹ کر دعائیں کیں اللہ بارش برسا دے۔ واپس گئے تو بڑا سیاہ بادل آسمان پر نمودار ہوا۔ بڑے خوش ہوئے کہ یہ نبیؑ تو ہمیں عذاب سے ڈراتا تھا لیکن ہماری دعائیں قبول ہو گئیں اور بادل آ گیا۔ جب وہ بادل برسا تو اس میں آگ تھی۔ انسانوں کی پوری آبادی، حیوانوں چرند پرند حشرات الارض، درخت، گھاس سمیت کو اس نے جلا کر راکھ کر دیا۔ اللہ جل شانہ قرآن حکیم میں گزشتہ اقوام کے واقعات اس لئے ارشاد فرماتے ہیں تاکہ عبرت حاصل کی جائے۔

برے کردار کا نتیجہ:

وطن عزیز میں زلزلے اور پھر سیلاب کی تباہی سے ہم نے کیا عبرت پائی؟ ہم میں کیا تبدیلی آئی جو

لوگ بچ گئے وہ بے سروسامان لوگوں سے وہ سامان چھینتے نظر آتے ہیں جو لوگوں نے چندہ کر کے انہیں پہنچانے کی کوشش کی۔ پانی میں گھرے لوگوں تک کھانا پہنچانے کا بے ہنگم انداز دیکھئے۔ سیلاب زدہ ایک شخص کہہ رہا تھا کہ ہمیں اس طرح کھانا پھینکتے ہیں جیسے جانوروں کو پھینکا جاتا ہے۔ ٹرک پر کھڑے ہو کر یوں پھینکتے ہیں کہ گرتے ہوئے لفافہ پھٹ جاتا ہے۔ چاول کی مٹھی کسی اور کے ہاتھ میں اور لفافہ کسی اور کے ہاتھ میں۔ یہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ دانشور ہیں کہ کہتے ہیں اسے عذاب نہ کہیں۔ درست ہے، اگر عذاب کہیں گے تو پھر توبہ کرنی پڑے گی اور یہ قوم کو توبہ کی طرف لانا نہیں چاہتے۔ کہتے ہیں یہ آزمائش ہے۔ غور کریں، آزمائش کا نتیجہ کیا نکل رہا ہے؟ پھر وہی برائی، انہی لوگوں کو لوٹا جا رہا ہے جو پہلے سے سیلاب کا شکار ہو چکے ہیں۔ لوٹنے کے بھی ڈھنگ نرالے ہیں۔ ہر فرد نے چندہ کرنے کا کام سنبھال لیا ہے۔ سکول کے بچے چندہ اکٹھا کر رہے ہیں۔ اخبار، رسالہ، ٹیلی وژن کا ہر چینل اور ہر سیاستدان چندہ مانگ رہا ہے۔ ایک سیاستدان نے اعلان کیا ہے کہ اکیس کروڑ جمع کر لئے ہیں اور اس کے خرچ کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں ابھی تقسیم شروع نہیں کی۔ کتنا ظلم ہے کہ لوگوں کی بحالی کے لئے چندہ جمع کیا اور لوگ بدحال بیٹھے ہیں۔ انہیں کیوں نہیں دیتے؟ سیلاب زدگان کی بحالی کے نام پر چندہ کرنا لوگوں کو ایک ذریعہ روزگار مل گیا ہے۔

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ زلزلہ آتا ہے تو غریب بدحالی کا شکار ہوتے ہیں۔ سیلاب آتا ہے تو غریبوں پر عذاب آتا ہے اور جتنے بدکار محلوں میں، اسلام آباد میں بیٹھے ہیں وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تو جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اسلام آباد کی مسند حکومت پہ بٹھاتا کون ہے؟ ان بدکاروں کو اسلام آباد پہنچانے والے بھی یہی عوام ہیں جن پر سیلاب آیا ہوا ہے۔ یہ لوگ پوچھتے ہیں آخر ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہے؟ تو جان لیں کہ نظام فطرت یہ ہے کہ بدی کی جڑ کاٹی جاتی ہے۔ یہ انسان کا انصاف نہیں یہ اس کا انصاف ہے۔ اس نے کہا تمہیں یہی چاہیئے، تمہارا یہی انتخاب ہے تو پھر یہی اس کا نتیجہ ہے۔ جو درخت لگایا ہے اب اس کا پھل کھاؤ ابھی تو درخت سلامت ہے پھل کھاتے رہو گے۔ جنہیں منتخب کر کے اسلام آباد پہنچایا تھا ابھی تو وہ اسلام آباد بیٹھے ہیں سیلاب اور اس کی تباہ کاریاں آخری پھل نہیں۔ جب تک درخت سلامت ہے پھل ملتا رہے گا۔

اس صورت حال میں ملوث ہر طبقے کے عذاب اپنے ہیں۔ حکمرانوں اور سیاستدانوں کو ذلت و رسوائی کے عذاب نے گھیر رکھا ہے۔ سرعام ان کے فریب بیان ہوتے ہیں وزیر اعظم پر ایک سابق وزیر برملا طعن کرتا ہے کہ اپنے کوٹ اور ٹائیاں قوم کی نذر نہ کرو اپنی بیوی کا کروڑوں کا قرضہ جو ملک کے بینک سے معاف کروایا ہے وہ واپس کرو۔ کیا یہ ان پر عذاب نہیں کہ بڑوں بڑوں کی بیٹیوں کے سکینڈل چھپ رہے

ہیں ۔میڈیا پر اچھالے جا رہے ہیں ۔بیٹوں کی وارداتیں چھپ رہی ہیں ۔ بھائیوں کے چوری اور رشوت کے قصے بر سر عام ہیں ۔ بدکار حکمران بھی آرام میں نہیں ہیں ۔ان پر اور طرح کا عذاب ہے ہم پر اور طرح کا ہم انہیں حکمران بنانے والے ہیں ہم پر اور طرح کا عذاب ہے اور حکمرانوں پر ان کے کردار کا نتیجہ بطور عذاب مسلط ہے ۔ وہ رات کو سو نہیں سکتے جب تک نیند کی گولیاں نہ لیں ۔ جب نیند کی گولیاں بے اثر ہوتی ہیں تو بے ہوشی کے ٹیکے لگواتے ہیں ۔نرم بستر، ہزاروں محافظ انہیں نیند نہیں دے سکتے ۔ ہمارے ایک سابق وزیراعظم تھے وہ بھنگ پی کر سوتے تھے ۔ ایک مرتبہ وہ دورے پر جدہ گئے ۔ وہاں کا پاکستانی پروٹوکول افسر ہماری جماعت کا ذکر کا ساتھی تھا اور مختلف مزاج کا آدمی تھا ۔اسے بھنگ سے بھرا ایک بوری نما تھیلا دیا گیا کہ یہ صاحب کے لئے سونے سے پہلے تیار کرنا ہے ۔اس نے ایک بہت heavy duty grinder خریدا اور اسے چلایا تو پوری بلڈنگ میں شور ہو گیا۔ ملازم دوڑے آئے کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا وزیراعظم صاحب کے لئے بھنگ گھوٹ رہا ہوں ۔سب کو علم ہو گیا ۔کیا یہ عذاب نہیں؟

خلاصہ آیت یہ ہے کہ وہ نور جو بندہ مومن لے کر دنیا میں رہتا بستا ہے اور صراط مستقیم اور جادۂ حق پر خلوص واحسان کے ساتھ گامزن رہتا ہے وہ نور برکات نبوت ہیں جو قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے آتی ہیں ۔ یہ خزانہ تبع تابعین تک لٹتا رہا پھر اسکے بعد جس نے محنت کی اس نے پایا ۔اللہ کے بندوں نے مشائخ کی خدمت میں عمریں بسر کر دیں ، اللہ اللہ کی ، ذکر کیا اور وہ نور اپنے سینے میں اتارا ۔ پھر کسی کسی خوش قسمت کو یہ نصیب ہوا کہ وہ آگے بھی بانٹے ۔ یہ قیامت تک بٹتا رہے گا ۔ اگر کسی میں زندگی ہے تو اسے وہ نور چاہیے جسے لے کر وہ معاشرے میں پھرے اور پتہ چلے اللہ کا بندہ ہے ۔

ہم نے پہلے تو رسومات اپنالیں اور سنت کو چھوڑ دیا ۔اس دلدل سے نکلے تو بہت نیکی کی تو نماز یاد کر لی ۔ چار رکعتیں پڑھ کر سمجھا بس چھٹی ہو گئی ۔ دنیا میں دولت کما کما کر تو کوئی تھکتا نہیں ہے دین بھی ایسے ہی کماؤ ۔ وہ نور بھی حاصل کرو جو سینے میں آ جائے تو زندگی خوبصورت طریقے سے گزاری جاتی ہے کسی نے نماز یاد کر لی ہے تو کہیں سے وہ نور بھی تلاش کرو ۔ جب بندہ اس نور کو لے کر لوگوں میں چلتا پھرتا ہے تو اس کی زندگی پرنور ہو جاتی ہے ۔ اس کے کام خوبصورت ہو جاتے ہیں ۔ اس کی باتیں میٹھی ہو جاتی ہیں ۔کیا ایسے شخص کے برابر وہ ہو سکتا ہے جسے نہ کلمہ نصیب ہو، جو مردہ ہو اور کفر کی تاریکی میں پڑا ہو؟ فرمایا: ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ہاں جو دھتورا پینے کا عادی ہو جاتا ہے اسے دھتورا پینے میں ہی لذت آنے لگتی ہے ۔ اچھے بھلے انسان کو نشے کی عادت تباہ کر دیتی ہے کہ وہ اپنی صحت بھی تباہ کرتا ہے، گناہ بھی

کرتا ہے اور اسے لذت بھی نشے میں ہی ملتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب کوئی کفر کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور جب اللہ کریم اس سے بالکل ناراض ہو جاتے ہیں تو پھر اسے کہتے ہیں کہ اب تو کفر میں ہی پڑا رہ تیرے لیے اسی میں لذت ہے۔ اب اسی میں مزہ کرتا رہ جب قیامت آئے گی تو اس کا نتیجہ بھی دیکھ لے گا۔ اللہ اس عذاب سے پناہ دے کہ گناہ ہضم ہونے لگ جائیں۔ گناہ زہر ہے اگر کوئی غلطی سے کھا لے اور ہاضمہ خراب ہو جائے تو زہر نکل جاتا ہے۔ اگر ہضم ہو جائے تو موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح گناہ کرنے کے بعد کوئی دنیاوی تکلیف آجائے بندے کو احساس ہو جائے کہ اس سے غلطی ہوئی تھی وہ توبہ کر لے تو بچ جاتا ہے اور گناہ ہضم ہو جائے تو ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ایمان ختم ہونے کو موت کہتا ہے۔ اللہ کریم اپنے اس عذاب سے بھی اپنی پناہ میں رکھے۔ ہدایت نصیب کرے۔ کلمہ نصیب کرے اور وہ نور بھی عطا کرے جو دلوں کا خزانہ ہے اور جو زندگی گزارنے کے لئے روشنی کا سبب ہے۔

انسانی کردار انسانی زندگی کو متاثر کرتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَ مَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اس آیہ کریمہ میں اللہ کریم فرماتے ہیں: بستیوں میں جو صاحب ثروت اور صاحب اقتدار بڑے بڑے لوگ دین کے خلاف تجویزیں کرتے ہیں اور برائی پھیلاتے ہیں۔ ان کی یہی سزا ہے کہ ہم نے انہیں اسی کام پر لگا دیا ہے ان کی بری نیت، برے ارادوں اور برے کردار کی وجہ سے بطور سزا انہیں اس بات پر لگا دیا ہے۔ چار دن تو یہ بظاہر بچے ہوئے ہیں لیکن اندر سے کھوکھلے ہیں اور اولاد اور مال جو عزت کا سبب ہوتا ہے وہ ان مجرموں کی رسوائی کا سبب بنتا ہے۔ آئے روز ان کے لئے پریشانیوں کا سبب بنتا ہے لیکن حقیقی عذاب انہیں تب ہوگا جب یہ وہاں پہنچیں گے۔ دین کے خلاف اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور احکام الٰہی کے خلاف تجویزیں کرنا صریح کفر ہے اس کے بدلے انہیں ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔ جن کو اللہ کریم دوزخ کا ایندھن بنا دیتا ہے ان کی دنیاوی زندگی میں بھی سکون نام کی کوئی چیز نہیں رہتی۔ آبرو ان کے پاس نہیں رہتی، عزت واحترام سے وہ عاری ہوتے ہیں۔ ہزاروں محافظ اور پولیس ان کے لئے متعین ہوتی ہے اور ہر کوئی ان سے ناراض رہتا ہے کہ ان لوگوں کے باعث جینا حرام ہے۔ دراصل انسانی کردار انسانی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ حقیقی دنیا تو آخرت ہے اور یہ مادی دنیا وقتی ہے، کمزور ہے اور اس کا وقت محدود ہے۔ ہر شخص کے اعمال اس کی اُخروی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ نیک اعمال اُخروی زندگی کو آرام دہ بناتے ہیں اور برے اعمال اس کی آخرت کی زندگی کو تکلیف دہ بناتے ہیں۔ جو جہاں مضبوط ہے اس کا عکس اس دنیا

پر ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح دن کو ستارے غروب نہیں ہو جاتے۔ آسمان پر ہی ہوتے ہیں۔ سورج کی روشنی اتنی ہوتی ہے کہ وہ نظر نہیں آتے اسی طرح یہ دنیا اور اس کا نظام بھی آخرت کا پرتو ہے۔

سید عبدالعزیز دباغ ؒ اپنے وقت کے غوث تھے۔ ہمہ وقت اللہ اللہ میں مصروف رہتے تھے لیکن بڑے بڑے علماء ان سے مسائل حل کرانے جاتے تھے۔ قرآنی آیات کی تشریح و تعبیر، احادیث مبارکہ اور فقہی سوالات پوچھنے کے لئے ان کے زمانے کے فاضل لوگ ان کے پاس حاضر ہوتے تھے اور ان کے جواب حتمی ہوتے اور دین میں سند کا مقام رکھتے۔ ان کے ایک شاگرد جو اپنے زمانے کے قطب تھے وہ ان کے اکثر فرمودات اور ارشادات نقل کرتے رہے اس طرح ایک مبسوط کتاب الابریز کے نام سے تیار ہوگئی۔ اس میں انہوں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے زمانے میں علاقے کا گورنر بہت ظالم تھا ایک دن بادشاہ نے خفا ہو کر اسے معطل کر دیا وہ خوشی خوشی اپنے شیخ کے پاس حاضر ہوئے اور انہیں اطلاع دی کہ لوگ اب اس کے ظلم سے محفوظ ہو جائیں گے۔ شیخ فرمانے لگے ''تم تو یہ اطلاع دے رہے ہو اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لئے جہنم میں عقوبت خانے اور مزید عذاب تیار ہو رہے ہیں''۔ واقعہ نگار لکھتے ہیں کہ اگلے دن بادشاہ نے اسے بحال کر دیا اور پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ بحال کیا۔

یہ واقعہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حقیقی جہان آخرت ہے جہاں سب کو جانا ہے۔ انسانی زندگی کی ابتداء روح سے ہے اور روح کی تخلیق عالم امر میں ہوئی۔ اللہ نے وجود انسانی کو مادے سے پیدا کیا۔ روح عالم امر سے چلا باپ کے پشت میں آیا۔ ماں کے پیٹ میں رہا۔ ہر جگہ کا اپنا اپنا عرصہ ہے۔ تب تک مکلف نہ تھا۔ بدن الگ تھا، روح الگ تھی۔ ماں کے پیٹ میں دونوں یکجا ہوئے اور دنیا میں آگئے اور مکلف ہو گئے دارِ دنیا میں اس کا مخصوص وقت ہے اسے دنیا میں اتنا ہی رہنا ہے پھر برزخ میں جائے گا، پھر قیامت قائم ہو گی۔ قیام قیامت ہر چیز کو تباہ کر دے گا۔ نہ آسمان رہیں گے نہ زمینیں نہ برزخ۔ ہر چیز ختم ہو کر ایک میدان میں آجائے گی۔ وہاں فیصلہ ہوگا کہ کون واپس اپنے اصلی گھر پہنچتا ہے اور کون عقوبت گاہوں میں پہنچتا ہے۔ اللہ اپنی سزاؤں اور عذابوں سے محفوظ رکھے۔ جہاں کوئی پہنچے گا وہ اس کا ہمیشہ کا گھر ہوگا کہ وہ جہاں دائمی ہے، ابدی ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے، ہر شخص کی سزا اس کے گناہوں کی مناسبت سے ہے۔ جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اور دین کے خلاف تجویزیں کرتے ہیں انہیں اس کے بدلے ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔ دور حاضر کے حکمران اس روش کو اپنائے ہوئے ہیں اور یہی اس روش کی سزا ہے۔ تو پھر وہ سزا بڑی ہے یا کوئی پانی میں ڈوب گیا یہ سزا بڑی ہے؟ جو مصیبت عوام پر آتی ہے وہ ان کی بداعمالیوں کا حصہ ہے۔ آج جو بڑے بڑے

مجرم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں ان کو ایوان اقتدار میں لانے کے لئے ووٹ کس نے دیئے، ان کو ان بلندیوں پر پہنچانے والا کون ہے؟ جو انکی سیڑھی اور زینہ بنا وہ اپنے حصہ کی سزا تو پائے گا۔

آج نہیں تو کل پالے گا اور عذاب کی شکلیں بھی مختلف ہیں۔ کہیں سیلاب آتا ہے تو کہیں نقصان اور پریشانیاں گھیر لیتی ہیں۔ ہر برائی آخرت میں عذاب بناتی ہے تو اس کا پرتو دنیا بھی آتا ہے۔ دل میں سکون نہیں رہتا۔ پریشانیاں ہی پریشانیاں، جھگڑے ہی جھگڑے۔ کبھی ایک دوسرے سے لڑتے رہیں گے، پڑوسیوں سے اور کوئی نہ ملے تو گھر والے آپس میں لڑ پڑیں گے۔ وہ وقت کی دال روٹی بھی سکون سے کھانا نصیب نہیں رہتی۔

فرمایا **اَکٰبِرَ مُجْرِمِیْهَا** یہ بہت بڑے بڑے مجرم ہیں۔ ان بڑے بڑوں کے جرائم کی سزا ہم یہ دیتے ہیں کہ ان کی عقل ماری جاتی ہے۔ اپنی دانست میں اللہ کے دین کے خلاف تجویزیں کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ کا جو دین ہے اس کا محافظ اللہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بات اللہ کی بات ہے تو یہ کسی مکر سے اسے ختم کرسکتے ہیں؟ بلکہ ان کی تجویزیں الٹا ان کے گلے پڑتی ہیں اور یہ خود ذلت و رسوائی سے دوچار ہوتے ہیں **وَ مَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ** ﴿۱۲۳﴾ اور انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ رسوائی ان کے گلے کیوں پڑی ہے۔ پھر ان کا تکبر یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ کہتے ہیں اگر یہ دین اللہ ہی کا ہے اور اللہ نے مخلوق کو حکم دیا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھو اور ایسے اعمال کرو تو پھر یہ احکام صرف رسول اللہ ﷺ ہی کیوں سنتے ہیں، ہم کیوں نہیں سنتے **وَ اِذَا جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ** جب ان کے پاس کوئی دلیل آتی ہے، کوئی معجزہ اور احکام الٰہی آنے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے تو نہیں سنا۔ اللہ کا نبی ﷺ بھی ایک انسان ہے اور ہم بھی انسان ہیں اللہ ہمیں سننے کی طاقت دے دے ہم خود سن لیں گے تو مان لیں گے **اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ** فرمایا یہ کام اللہ کا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے اپنی رسالت سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ معیار تمہارا نہیں ہے۔ سو یہ سمجھتے ہو کہ چونکہ تمہارے پاس دولت ہے افرادی قوت ہے اس لئے تمہیں نبی ہونا چاہیے تھا۔ تو تمہاری یہ سوچ غلط ہے، جھوٹ ہے اور تمہارا وہم ہے۔ یہ اللہ جل شانہ کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے رسول کس طرح منتخب کرتا ہے کس ہستی کو رسالت سے سرفراز فرماتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بشر ہوتا ہے اور اولاد آدمؑ میں سے ہوتا ہے لیکن حقیقی بشر ہوتا ہی نبیؑ ہے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر ہیں۔ آپ ﷺ جیسا کوئی دوسرا اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیا۔ اسی

طرح ہر نبیؑ اپنے عہد کا بہترین انسان ہوتا ہے۔ حقیقی معیارِ انسانیت انبیاء علیھم السلام ہیں۔ نبی کریم ﷺ انسانیت کا تاج ہیں۔ ہم اپنے آپ کو بشر کہتے ہیں اس لئے سمجھتے ہیں کہ نبیؑ تو بشر نہیں ہو سکتے حالانکہ بشر تو حقیقتاً نبیؑ ہی ہیں۔ جس قدر ہم حضور اکرم ﷺ کی سنت کے قریب ہیں اتنی ہم میں انسانیت ہے جتنے ہم اس سے دور ہیں اتنی ہم سے سے انسانیت چلی گئی اور حیوانیت آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری شکل انسانوں جیسی ہے ہماری سوچ اور کردار درندوں سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ سیلاب زدہ لوگوں کو کسی درندے نے تنگ کیا ہے لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ انہیں انسانوں نے لوٹا ہے۔

فرمایا: اللہ احکم الحاکمین ہے، وہ کسی کے مشورے کا محتاج نہیں۔ وہ خبیر و علیم ہے وہ ہر شئے جانتا ہے ہر کام اور ہر بات سے آگاہ ہے۔ اس کے فیصلے اپنے ہیں۔ ہر ایک کو اس کا فیصلہ ماننا ہے او وہ کسی کا فیصلہ ماننے کا پابند نہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْئَلُوْنَ الانبیا: 23 ہر ایک اس کے سامنے جوابدہ ہے اور اس کی ذات کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ وہ کائنات کا واحد خالق ہے واحد مالک ہے وہ اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کون اسے پوچھ سکتا ہے؟ کس کو اس نے رسالت عطا کرنی ہے، وہ تقدس، تزکیہ اور وہ لطافت عطا کرنی ہے کہ فرشتے بھی پیچھے رہ جائیں یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے مشوروں کا محتاج نہیں۔ کلام الٰہی کو سننے کیلئے پاکیزگی، طہارت اور لطافت کا وہ معیار چاہیے جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ فرشتے براہ راست وحی نہیں سنتے۔ وحی شرعی جسے دوسرے لوگ ماننے کے مکلف ہیں وہ صرف نبیؑ اور رسولؑ سنتے ہیں۔ رب چاہے تو کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دے۔ کسی کو کشفاً، الہاماً بتا دے جیسے فرشتوں کو احکام دیئے جاتے ہیں لیکن وہ براہ راست نہ سن سکتے ہیں نہ براہ راست یہ سوچ سکتے ہیں کہ نگاہ اٹھا کر دیکھیں کہ اللہ کریم کون ہے، کہاں ہے، کیسا ہے؟ انہیں صرف اطاعت کرنا ہے یہ نبیؑ کی ذات ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ اللہ کریم کون ہے؟ کیسا ہے؟ اس کی ذات وصفات کیسی ہیں؟ اور نبی کریم ﷺ کے تقدس کا تو یہ عالم ہے کہ جہاں آپ ﷺ اپنے وجود باوجود کے ساتھ تشریف لے گئے وہاں سے کہیں پہلے سدرۃ المنتہٰی پر فرشتوں کے سردار روح الامین نے عرض کیا کہ حضور ﷺ میں یہاں تک آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔ اگر بال برابر بھی اس سے آگے جاؤں تو تجلیات باری سے میں جھلس کر رہ جاؤں گا۔ میں فنا ہو جاؤں گا اور حضور اکرم ﷺ اسی وجود باجود کے ساتھ آگے کہاں تک تشریف لے گئے؟ یہ اللہ جل شانہ جانے اور اللہ کا رسول ﷺ جانے۔ اندازہ کیجئے اس وجود عالی میں کتنا تقدس، کتنی لطافت، کتنی پاکیزگی اور اس کا معیار کیا ہے؟ آپ ﷺ خیر البشر ہیں اور ہم خود کو بشر سمجھ لیتے ہیں

حالانکہ ہم بشریت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہاں جتنے کسی نے حضور ﷺ کے انداز اپنائے ہیں اتنا وہ بشر ہے۔

فرمایا: یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ کریم کی بات ہم خود سنیں گے تو مانیں گے۔ تو یاد رکھو کہ یہ بہت بڑا جرم ہے جو تم کر رہے ہو سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِندَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٤﴾ فرمایا: جب تم اس کی بارگاہ میں پہنچو گے تو بہت ہی ذلیل کئے جاؤ گے۔ عذاب بہت تکلیف دہ چیز ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے اور عذابوں سے پناہ دے۔ بندے کی تو یہ حیثیت ہے کہ دانت کا درد اسے بے حال کر دیتا ہے کان میں درد ہو جائے تو بندہ زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے تو پھر اللہ جل شانہ کے عذاب کون سہہ سکتا ہے؟ اللہ کریم کے عذاب تو بڑے سخت ہے۔ فرمایا: تمہیں صرف عذاب ہی نہیں ہوگا صَغَارٌ عذاب کے ساتھ تمہیں بہت بڑی ذلت برداشت کرنا پڑے گی۔ میدان حشر میں تم جانوروں، کتوں اور خنزیروں کی طرح لوگوں کے پاؤں میں لوٹ رہے ہوگے۔ اس ذلت کے ساتھ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ تمہیں شدید عذاب بھگتنا پڑے گا بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٤﴾ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم زندگی بھر اللہ جل شانہ، اس کے دین اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف کوشش کرتے رہے۔

آیہ مبارکہ کی روشنی میں اپنا جائزہ:

آیہ مبارکہ بتا رہی ہے کہ جو لوگ ساری زندگی اس کوشش میں لگے رہے کہ احکام الٰہی کو کیسے روکا جائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کو روکنے کی کیا تدبیریں کی جائیں ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ذلت کے علاوہ بہت شدید عذاب کی وعید ہے۔ اس کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں تو سمجھ آتی ہے کہ ہم نے یہی روش اپنائے رکھی لیکن اللہ کریم ہمیں پھر بھی مہلت دیتا جا رہا ہے جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کے نتیجے میں تو ہمیں تباہ و برباد ہو جانا چاہیے تھا۔ ہم پر تو اس کا بڑا رحم ہوا ہے کہ مہلت پر مہلت مل رہی ہے ورنہ ہم نے تریسٹھ برس گزار دیئے اور قوم سے کیا گیا وعدہ پورا کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ نصف صدی تک عوام کی طرف سے ہر شہر اور ہر بڑی دیوار پر یہ نعرہ لکھا جاتا رہا۔ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' لیکن پھر یہ نعرہ ایک حکمران کے حکم پر ہر دیوار سے صاف کر دیا گیا۔ اس وقت شریف خاندان کی حکومت تھی۔ یعنی عمل کرنا تو درکنار دیوار پہ لکھا ہوا بھی ان سے برداشت نہ ہوا۔ ہم تریسٹھ برس سے کافر کے قانون کو گلے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ معیشت میں سود کو رائج رکھ کر ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے حالت جنگ میں ہیں۔ ہمارا عدالتی نظام وہی ہے جسے انگریز 1830 سے 1890ء بنایا تھا جسے انڈین پینل کوڈ کہا جاتا ہے جسے تعزیراتِ ہند کہتے تھے ہم نے صرف یہ تبدیلی کی کہ اسے تعزیرات پاکستان کہنا شروع

کر دیا۔ اس کے تحت جب کسی کو سزائے موت دی جاتی ہے تو لکھا جاتا ہے کہ زیر دفعہ 302 تعزیرات پاکستان مجریہ 1836۔ میں نے یہ سوال کئی جج صاحبان سے پوچھا ہے کہ پاکستان تو 1947ء میں بنا تو 1836ء کے بنے ہوئے قانون کو تعزیرات پاکستان کیسے کہا جاتا ہے؟ لیکن وہ اس کا جواب نہیں دے سکے بلکہ خفا ہوئے کہ یہ بات کہنا عجیب سخت مزاجی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر عدالتیں اپنی دانست میں انصاف بھی کرتی ہیں تو کیا وہ انصاف قرآن وسنت کے مطابق ہوتا ہے یا اسی انڈین پینل کوڈ کے تحت ہوتا ہے؟ جو غلط قانون کے تحت کیا جائے کیا وہ صحیح ہوسکتا ہے؟ اس سچ کہنے پر سخت مزاجی کا طعنہ ملتا ہے۔ تمام دانشور صحافی، اینکر پرسن مل بیٹھ کر مخالف پارٹیوں کو بلا کر بہت بحثیں کرتے ہیں کہ ملک میں ظلم ہو رہا ہے۔ اسے ختم ہونا چاہیے۔ اس کا تدارک کرنا چاہیے۔ اچھے لوگ آنے چاہیں برے لوگ ہٹا دینے چاہیں یہ سب باتیں کر کے آخر میں سب اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ نظام یہی رہنا چاہیے۔ ظاہر ہے اس نظام کو جاری رکھنے کا ہر وہ بندہ خواہش مند ہے جو اس نظام سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ اپنے مفادات کو کوئی زک نہیں پہنچانا چاہتا جبکہ ملک تو اسلام کے نفاذ کے لیے لیا گیا تھا اور جس نظام کو یہ لوگ جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ تو انگریز نے اپنے غلاموں کے لئے بنایا تھا۔

ہماری بدنصیبی کہ پاکستان بنا تو محمد علی جناح صاحب کے پاس تھوڑا سا وقت تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہیں قتل کر دیا گیا اور ان سے جان چھڑا لی گئی اور وہ لوگ اقتدار میں آگئے جن کی اکثریت وہ تھی جو ملک وقوم کے غدار تھے اور انگریزوں کے پٹھو تھے انگریز نے انہیں سر، نواب، سردار کے خطاب بھی دیئے اور قوم سے غداری اور انگریز سے وفاداری کے عوض جاگیریں دے کر جاگیردار بنا دیا۔ بڑا بندہ بنا دیا۔ یہی لوگ محمد علی جناح کے بعد لیاقت علی خان کو قتل کر کے اقتدار میں آگئے اور اقتدار آج تک انہی خاندانوں کی ملکیت ہے۔ ان کی گھٹی میں انگریز کا پس خوردہ ہے ان سے دین کے نفاذ کی کیا توقع؟ ان بیس پچیس خاندانوں کی آپس میں رشتہ داریاں اس قدر گہری ہیں کہ اس کی بیٹی اس کے گھر کی بہو ہے اور اسی طرح سیاسی خاندان باہم مضبوط ہیں لیکن سب نے مختلف پارٹیوں میں شمولیت اختیار کر رکھی ہے ایک ہی خاندان کے کچھ لوگ مسلم لیگ میں ہیں کچھ پیپلز پارٹی میں یوں یہی خاندان ہمیشہ اقتدار میں رہتے ہیں خواہ حکومتیں کتنی ہی بار بدل جائیں اور ان کے وفادار عوام آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ کوئی ایک پارٹی کے لئے جان دے رہا ہے اور کوئی دوسری پارٹی کا جیالا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ہم عوام بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے وفادار نہیں ہیں۔ ہم بھی اغراض کے بندے ہیں۔ ہم نے اپنی امیدیں ان امیروں سے لگا رکھی ہیں اور یہی امیر عوام کو دن بدن محروم اور مزید محروم کئے جا رہے ہیں۔ اگر غریب آدمی کو یہ شعور آجائے کہ اللہ جل شانہ کو چھوڑ کر ان سیاستدانوں، حکمرانوں

اور امیروں سے امیدیں وابستہ کر کے کیا پالیا؟ تو وہ کبھی ان کے دروازے پر نہ جائے۔ اِسے یہ سمجھ آ جائے کہ وہ تو کسی امیر کا محتاج نہیں ہے۔ امیر ہی اس کے محتاج ہیں تو وہ مالک حقیقی کی غلامی میں آ جائے۔

غریب آدمی تو خود اٹھ کر اپنے تمام کام کر لیتا ہے۔ اپنے لئے گھڑا بھر کر لے آتا ہے اپنی روٹی خود پکا لیتا ہے۔ جنگل سے لکڑیاں خود لے آتا ہے، ان سے آگ جلا لیتا ہے۔ اپنے کپڑے خود دھو لیتا ہے، مکان گر جاتے تو خود مرمت کر لیتا ہے۔ محتاج تو امیر ہوتے ہیں۔ پانی کا گھڑا سامنے رکھا ہو تو دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی آئے اور انہیں پانی پلا دے، کوئی ان کے کپڑے دھو دے، استری کر دے، کھانا بنا دے، ان کے سامنے میز پر لگا دے تب یہ کھانے کے قابل ہوتے ہیں۔ محتاج تو بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ عوام تو بے وقوف ہیں۔ ہم نے اللہ کا دروازہ چھوڑ دیا، محمد رسول اللہ ﷺ کا در چھوڑ دیا۔ ہم اللہ کریم اور اللہ کریم کے رسول ﷺ کے وفادار نہیں رہے۔ ہمیں ذلت کا عذاب ملا ہوا ہے۔ اس ذلت کے باعث اللہ کریم نے ہمیں کفار کے در پر کھڑا کر دیا ہے کہ میرے دروازے پر نہیں آتے تو پھر یہاں دھکے کھاؤ۔ ہم تریسٹھ برس سے ان کے دروازے پر دھکے کھا رہے ہے اس اُمید پر کہ یہ ہمارا کام کر دیں گے۔ پر ہمیں ان سے کیا ملا؟ بیروزگاری، دہشت گردی اور مہنگائی۔ وہ تو خود ہمارے محتاج ہیں لیکن ہم ان کے بنائے ہوئے نظام کو سہارا کیوں دیتے ہیں؟

اللہ ہمیں شعور دے، عقل دے لیکن یہ شعور آتا ہے جب ہمارا تعلق اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے بنے۔ ہمیں اچھے لوگوں کی صحبت ملے صالحین کی تربیت ملے کوئی ہمیں سچی راہ بتائے ہم اس پر غور کریں۔ اللہ ہمیں ماننے کی توفیق دے۔ ہمارا رشتہ اللہ کریم اور اللہ کریم کے رسول ﷺ سے بن جائے تو ان لوگوں کی حیثیت سامنے آ جاتی ہے کہ یہ کتنے پانی میں ہیں؟ پھر ان کی محتاجی نہیں رہتی۔

اصلاح بھی تب ہوگی جب ہم اپنی اصلاح شروع کریں گے جب ہم اسلام کے نفاذ کے طالب ہوں گے تو اپنی ذات پر نافذ کر کے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی بنیاد رکھ دیں گے۔ آج ہمارے تمام دانشور ہر طرح کے نظام پر بات کرتے ہیں کوئی بھول کر بھی اسلام کا نام نہیں لیتا۔ کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ تجربے کے طور پر ہی بات کرتے ہیں کوئی بھول کر بھی اسلام کا نام نہیں لیتا۔ کوئی یہ بھی نہیں کہتا کہ تجربے کے طور پر ہی اسلامی نظام نافذ کر کے دیکھ لو۔ کتنے تجربے کر چکے ہو یہ بھی تجربہ ہی سہی۔ تمہاری اسلام سے عقیدت نہیں، ایمان نہیں نہ سہی تجربہ کر کے ہی دیکھ لو۔ لیکن یہ بھی کوئی نہیں کہتا نہ عوام کہتے ہیں نہ دانشور و سیاستدان۔

غزوۃ الہند:

جو اللہ کریم نے کرنا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ان شاء اللہ یہ ملک بھی باقی رہے گا اور اس پر اسلام

بھی نافذ ہوگا۔ جن کا کردار اسلام کے مطابق ہے اور جو ملک میں اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں انہیں خوشی ہوگی۔ جو مخالفت کررہے ہیں وہ ذلیل ہوں گے۔ جو کام اللہ کریم کرتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ آپ ﷺ کی غزۃ الہند کی بشارت کتب حدیث میں موجود ہے۔ ہند میں یہی جگہ اسلام کا قلعہ ہے۔ الحمدللہ میں نے پوری دنیا دیکھی ہے۔ چین سے افریقہ تک اور امریکہ کے مغربی ساحلوں سے جاپان تک ساری دنیا میں پھرا ہوں۔ سب خرابیوں کے باوجود جتنے علماء اہل حق، اللہ کے عبادت گزار بندے یہاں ہیں کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں۔ جتنا دینی علم و تحقیق یہاں ہیں کہیں اور نہیں۔ یہ اللہ کی عطا ہے کہ یہ ملک اللہ کے نیک بندوں سے بھرا ہوا ہے ہم کیوں کسی نیک کے قریب نہیں جاتے؟ سارا دن ٹی وی، ریڈیو، فون اور انٹرنیٹ پر خرافات سنتے اور دیکھتے رہتے ہیں۔ اوٹ پٹانگ فلمیں دیکھتے ہیں۔ بری مجالس میں بیٹھتے ہیں تو کیوں ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ کسی نیک محفل میں بیٹھ جائیں۔ کسی عالم باعمل سے کچھ سیکھ لیں، کوئی اچھی بات کسی سے حاصل کرلیں۔ یہ ہمارے برے کردار کا نتیجہ ہے۔ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں۔ ہم محتاج ہیں اللہ کے اور اللہ کے رسول ﷺ کے جو ضرورت مند ہو وہ خود بے اعتنائی برتے تو کتنی عجیب بات ہے۔ بیمار ڈاکٹر سے بے نیاز ہو جائے اور دوائی سے غفلت برتے تو مر جائے گا نہ ڈاکٹر کا کچھ بگڑے گا نہ دوائی کا۔ سو ہمیں چاہیے کہ نیکوں کی مجلس میں بیٹھیں۔ اہل اللہ کی مجالس میں جائیں، علماء سے سیکھیں۔ دین بیچنے والوں سے پرہیز کریں۔ بدترین ہیں وہ لوگ جو اللہ کا دین بیچ کر کھاتے ہیں۔ دین بیچنے کی چیز نہیں۔ دین اللہ کی رضا کو پانے کا ذریعہ ہے۔

ہمیں اپنی زندگیوں میں یہ تبدیلی لانا ہوگی۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم دوسروں پر تنقید نہ کرتے رہیں اپنا جائزہ بھی لیں کہ میں دن بھر میں کتنی خرافات سنتا ہوں اور کسی نیک بندے کی بات میں نے آج تک کتنی بار سنی؟ بری محافل میں کتنا وقت گزرا اور کسی صالح کی مجلس میں کتنا وقت بسر ہوا؟ یہ لمحے ہمیں دوبارہ نہیں ملیں گے انہیں دکانوں پر بازاروں اور چوکوں میں ٹی وی کے سامنے ضائع نہ کریں۔ اگر ہمیں ان لمحات کو اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرنے کا شعور آ گیا تو انشاءاللہ یہ تبدیلی اوپر تک چلی جائے گی۔ لاٹھیاں چلانے یا گولیاں چلانے سے کوئی نہیں بدلتا۔ لوگ شعوری طور پر بدلتے ہیں۔ جب شعور اور عقل ان کا ساتھ دے، انہیں سچائی کی سمجھ آئے تو وہ اسے اختیار کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں یہ شعور عطا فرمائے۔ ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے۔ اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور اس پر دین اسلام کی حکومت قائم فرمائے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ کریم کسی کو زبردستی ہدایت دے

دیتے ہیں اور کسی پر زبردستی گمراہی مسلط کر دیتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے خود ہی اس کی وضاحت فرمائی ہے وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ الشوریٰ:13۔ جس کے نہاں خانہ دل میں ہدایت کی طلب ہو اللہ اسے ہدایت دے دیتے ہیں۔ انسان کا اختیار اتنا ہی ہے کہ وہ اپنے دل سے کیا فیصلہ کرتا ہے۔ باقی تمام امور میں انسان کی مرضی کو دخل نہیں۔ انسان اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوسکتا، اپنی شکل، حلیہ قد کاٹھ نہیں بنا سکتا۔ علمی عقلی اور فکری استعداد اپنی مرضی سے حاصل نہیں کر سکتا اور اپنا رزق بھی اپنی مرضی سے حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کا رزق مقدر ہے جو دانہ اس کے حصے کا ہے وہی کھائے گا۔ دوسرے کے حصے کا نہیں کھا سکتا۔ غلط ذرائع سے اور لوٹ مار کرئے جو جمع کرے گا وہ یہیں چھوڑ جائے گا لہٰذا انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ بڑا واضح ہے۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ③ الدھر:3۔ فرمایا: ہم نے انسان کے سامنے دونوں راستے کھول دیئے، اسے سوچ وفکر دی، قوت وطاقت دی، عقل وخرد اور اعضاء وجوارح دیئے جن سے وہ کام کر سکتا ہے لیکن سب سے بڑی نعمت جو انسان کو دی گئی ہے جس کے سبب سے وہ اشرف المخلوقات ہے وہ معرفتِ الٰہی کی استعداد ہے یعنی اللہ کو پہچاننے کی قوت۔ یہ قوت صرف انسان کو دی گئی ہے اس لئے کہ معرفت الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ نبوت ہے اور نبوت انسانوں میں ہے۔

اللہ کریم کی اتنی مہربانیوں کے باوجود جب کوئی اپنے لئے غلط راستہ چنتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس پر نیکی کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔ کسی کا ہلاک ہو جانا، بیمار ہو جانا یا تباہ ہو جانا یہ سب کمتر عذاب ہیں بڑا عذاب یہ ہے کہ اس پر ہدایت کے دروازے بند ہو جائیں۔ آیہ مبارکہ بتا رہی ہے کہ جب انسان میں طلب ہدایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جب وہ خود سوچ کر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اللہ کا قرب چاہیے کہ میری بہتری اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت میں ہے تو اللہ کریم اس کا سینہ کھول دیتے ہیں۔ اس کا شرح صدر فرما دیتے ہیں۔

شرح صدر:

شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ حقائق اخرویہ پر یقین کامل حاصل ہو جائے۔ شرح صدر وہ نعمت ہے جو موسیٰ کلیم اللہ نے اللہ سے طلب کی تھی۔ عرض کیا تھا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ طٰهٰ :25۔ اے میرے رب میرا سینہ کشادہ کر دے۔ میرا سینہ کھول دے۔ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ بڑے بڑے راز قلب پر آشکارا ہو جائیں۔ ذاتِ باری، صفاتِ باری، اور اُخروی حقائق اللہ کریم کی طرف سے دل میں انڈیل دیئے جائیں۔ بندے کا دل نیکی کو قبول کرنے لگ جائے، نیکی پسند آئے اور برائی کو دل رد کر دے، جھٹک دے

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ اللہ ایسا کریم ہے کہ جو اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں ان کو مشاہدات و مکاشفات عطا کر دیتا ہے۔ یہ اس کی وہ نعمت ہے کہ بندے کو اُخروی نعمتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس پر دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں یا تکالیف آ جائیں تو وہ آخرت کے مقابلے پر بہت کمزور نظر آتی ہیں کہ اس کے سامنے آخرت کی نعمتیں ہوتی ہیں۔ ان دنیاوی تکالیف پر ان کی ترقی درجات ہوتی ہے۔

ایک خوبصورت مثال:

اس کی ایک بڑی خوبصورت مثال ان جادوگروں کی ہے جنہیں فرعون نے موسیٰؑ کے مقابلے کے لئے طلب کیا تھا اور میدان مقابلہ میں اترنے سے پہلے انہوں نے فرعون سے کہا تھا۔ **اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ** الشعرآء: 41۔ بادشاہ! بات یہ ہے کہ ایک ایسی ہستی جس نے تیرے جیسے مطلق العنان حکمران کو عاجز کر دیا ہے، مجبور و پریشان کر دیا ہے وہ ایک بہت بڑی طاقت ہے حالانکہ اس کے پاس نہ فوج ہے نہ دولت، نہ عوام اس کے ساتھ ہے وہ اکیلا اللہ کریم کا ایک بندہ ہے اور اس کا بھائی اس کے ساتھ ہے اور تو اتنی بڑی سلطنت کا مالک ہے جو خدائی کا دعویدار بھی ہے تو نے ہمیں اس کا مقابلہ کرنے کو کہا ہے۔ ہم مقابلے کے لئے تو آ گئے ہیں لیکن وعدہ کر کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمارے لئے خصوصی انعام بھی ہوگا۔ ایسا انعام جس کی مثال نہ ملتی ہو۔ یعنی ان کی تمام توقعات فرعون سے وابستہ تھیں۔ فرعون نے کہا **قَالَ نَعَمْ وَ اِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ** الشعرآء: 42۔ میں تمہیں اپنے مقربین میں جگہ دوں گا اور اہل دربار میں تمہاری کرسیاں الگ لگوا دوں گا۔ تمہیں بڑے بڑے عہدے دوں گا اور اپنا درباری بنا لوں گا۔ پھر جادوگروں نے جادو کیا جسے قرآن حکیم میں یوں بیان کیا گیا ہے **سحروا اعین الناس** O انہوں نے لوگوں کی نگاہوں پر جادو کر دیا۔ اور بڑے بڑے رسے اور شہتیر میدان میں ڈال دیئے جو اژدہے نظر آنے لگے یعنی لکڑیاں اور رسے واقعتاً تبدیل نہ ہوئے بلکہ لوگوں کی نظروں پر ایسا جادو کیا کہ انہیں وہ چیزیں سانپ اور اژدہے نظر آنے لگے۔ جب میدان ان سے بھر گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی پھینکی وہ اتنا بڑا اژدھا بنی کہ ان تمام نظر آنے والے اژدہوں کو نگل گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے پکڑا تو وہ واپس ویسی ہی لاٹھی بن گئی جیسی پہلی تھی۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جادوگر یہ بات جانتے تھے کہ جادو سے چیزیں اپنی شکل نہیں بدلتیں نہ فنا ہو سکتی ہیں صرف لوگوں کو دکھائی کچھ اور دیتا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لکڑیاں اور رسے فنا ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ویسی کی ویسی رہی تو وہ مان گئے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں بلکہ اللہ کریم کے نبی اور رسول علیہ السلام ہیں اور یہ کام اللہ کریم کا ہے یہ جادو سے ہونا ممکن نہیں تو وہ ایمان لے آئے اور بارگاہ الٰہی میں سر بسجود

ہو گئے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے سر زمین پر رکھا تو اللہ کریم نے ان پر آخرت منکشف فرمادی۔ انہوں نے اہل نار کی حالت دیکھی اور اہل جنت کے مقامات دیکھے۔ جنت میں انہیں اپنے مقامات نظر آئے۔ جب انہوں نے سجدے سے سر اٹھایا تو فرعون کہنے لگا یہ تمہاری ملی بھگت ہے یہ تمہارا جادوگر بھائی ہے شاید تم اس کے شاگرد ہو تم نے اس کا لحاظ کر کے مجھے ہرا دیا ہے۔ دیکھو میں تمہارا کیا حشر کرتا ہوں۔ میں تمہاری ایک طرف کی ٹانگ اور دوسری طرف کا بازو کاٹ دوں گا اور تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے فرمایا۔ لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ الشعرآء: 50۔ کوئی حرج نہیں۔ ہم تو اپنے رب کی طرف جا رہے ہیں فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ طٰہٰ: 72۔ جو کچھ تجھ سے ہو سکتا ہے کر لے تیرا زور تو صرف اس دنیا کی زندگی پر ہی چل رہا ہے جو کچھ ہمیں وہاں نظر آ رہا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ تیری طرف سے دی جانے والی تکلیف سے ہمارے درجات بلند ہو رہے ہیں لہٰذا یہاں بازو کٹ جانا، ٹانگ کٹ جانا یا سولی پہ جھول جانا ان کی تکلیف اس اجر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو اللہ نے ہمیں دکھا دیا۔

دیکھئے! صبح کے وقت ان کی ساری امیدیں فرعون کے ساتھ وابستہ تھیں اور غروب ہونے سے پہلے اسی سورج نے دیکھا کہ دو عالم کو ٹھکرا کر وہ اللہ کی رضا پر فدا ہو رہے تھے۔ یہ ہوتا ہے شرح صدر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ کھول دیا۔ انہیں آخرت مولوی کے بتانے کی طرح نہیں، مقرر کی تقریر کی طرح نہیں بلکہ دل کی آنکھ کے کھلنے سے نظر آ گئی۔ انہوں نے اپنے دل کی آنکھ سے جنت و دوزخ کو، کفار کے انجام اور شہداء کی منازل کو دیکھ لیا اور کہا اللہ کریم نے تو ہمیں نہال کر دیا۔ ہمیں اتنا کچھ دے دیا کہ ہم تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ مزید کچھ مانگیں اب اگر تو ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹے گا، سولی دے گا تو ہمارے درجات بڑھتے جائیں گے۔ ہمت کر تجھ سے جو ہو سکتا ہے کر لے۔

فرمایا: جس کے دل میں سچی طلب پیدا ہو جائے اس کا سینہ اللہ کریم اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں۔

ہمارے پاس ایک عام بہانہ ہے کہ ہم سے شیطان نے یہ کروا لیا لیکن شیطان تو ہم سے تب کرواتا ہے جب ہمارے اپنے اندر کمزوری ہو۔ اگر ہمارا دل یہ طے کر لے کہ مجھے اللہ کریم کی نافرمانی نہیں کرنی تو شیطان نہ انسانوں سے ہمیں گمراہ کر سکتا ہے نہ جنوں سے کیونکہ انسان جب یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کرتا ہے تو اسے حفاظت الٰہیہ نصیب ہوتی ہے۔

شیطان جب مردود ہوا اور اس نے اللہ کریم سے مہلت مانگی تو اللہ کریم نے فرمایا: جا تجھے وقت معین تک کی مہلت دیتا ہوں تو اپنا زور لگا لے لیکن یاد رکھ۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ الحجر: 42۔ جو

میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کچھ بس نہ چلے گا۔ قرآن حکیم میں خود شیطان کا بھی یہ اعتراف موجود ہے کہ میں اگرچہ اللہ کی بہت سی مخلوق کو گمراہ کرتا ہوں لیکن جو اللہ کے بندے ہیں ان پر میرا بس نہیں چلتا۔

اسلام کی تاریخ اللہ کریم کے ایسے بندوں کے واقعات سے بھری ہوئی ہے جیسے یہ واقعہ کہ ایک برفانی علاقہ تھا۔ سخت سردی تھی۔ ایک بزرگ روزانہ مسجد جا کر تہجد ادا کرتے تھے۔ برف پوش گلیوں سے گزر کر مسجد پہنچتے، تہجد، ذکر اذکار کے بعد فجر پڑھتے۔ ایک دن شیطان نے انہیں پریشان کرنے کے لیے راستے میں غلاظت پھینک دی۔ ان کے پاؤں بھر گئے اور لباس ناپاک ہوگیا۔ انہوں نے واپس جا کر پاؤں دھوئے کپڑے تبدیل کئے۔ یعنی زیادہ محنت کی لیکن اپنے معمولات نہ چھوڑے۔ دوسرے دن جب وہ مسجد کے لئے نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ کوئی روشنی لئے ان کے آگے آگے چل رہا ہے۔ وہ انہیں مسجد تک چھوڑ کر چلا گیا۔ اگلے دن پھر وہی شخص شمع لئے حاضر ہوگیا۔ انہوں نے پوچھا تو کون ہے بھائی تو اس سردی اور اندھیرے میں میرے لئے لالٹین لئے حاضر ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا ابلیس ہوں۔ انہوں نے فرمایا، تو کب سے اتنا نیک ہو گیا ہے کہ میرے لئے لالٹین لئے حاضر ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا، میں نے چند دن پہلے آپ کے راستے میں غلاظت پھینکی تھی۔ آپ نے ٹھنڈے پانی سے غسل بھی کیا۔ کپڑے بھی دھوئے اور پھر تہجد بھی پڑھ لیا۔ اپنے معمولات اور اذکار بھی کر لئے تو آپ کی اس دہری محنت سے آپ کے درجات بہت بڑھ گئے۔ آپ نے بہت ثواب کما لیا۔ اب میں نے سوچا آپ کو روشنی دکھا دوں کہیں اسی طرح کا کوئی حادثہ اتفاقاً نہ ہو جائے اور آپ اس پر زیادہ ثواب کما لیں۔ انہوں نے فرمایا: مجھے تیری روشنی کی ضرورت نہیں آج کے بعد کبھی میرے راستے میں نہ آنا۔ یہ ہے حفاظت الٰہیہ جو اسے نصیب ہوئی ہے جو اللہ کریم کی طلب کے فیصلہ دل سے کرتا ہے۔

ہم پر اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہم ایک حادثے میں مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے۔ ہمارے کانوں میں پہلی آواز اذان کی آئی، توحید باری اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کی آئی۔ مسلمان والدین نے ہمیں مسلمانوں کی طرح پالا۔ ہم مسلمان ہو گئے لیکن ہم نے کبھی سنجیدگی سے یہ نہیں سوچا کہ ہم کیوں مسلمان ہیں؟ اور جو مسلمان نہیں ہوئے وہ اپنا کیا نقصان کر رہے ہیں اور اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمارا اسلام کیسا ہے؟ ہمارا عقیدہ عمل اور کردار کتنا اسلام کے مطابق ہے۔

ایک آدمی فوج میں بھرتی ہو جائے تو وہ جوتے کے تسمے سے لے کر اپنی ٹوپی اور اس پر لگے نشان تک کو جانچ کر باہر نکلتا ہے کہ کیا وہ ٹھیک فوجی نظر آ رہا ہے؟ کیا یونٹ کا، بریگیڈ کا، ڈویژن کا سائن بازو پر لگا ہوا ہے۔ رینک کا نشان موجود ہے، اسی طرح جب ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو ہمیں جائزہ لینا

چاہیے کہ سوچ وفکر سے لے کر کردار تک ہم کہاں کہاں اسلام کے اندر ہیں اور کہاں ہم سے کوتاہی ہو رہی ہے؟ کام تو بڑا مشکل ہے کہ بندہ روز اٹھ کر ایک فوجی کی طرح اپنا جائزہ لے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں کہ میں اسے آسان کر دیتا ہوں۔ اس کے لئے آسان کر دیتا ہوں جو دل میں یہ فیصلہ کر لے کہ مجھے اللہ کریم کی اطاعت کرنا ہے۔ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنا ہے۔ فرمایا: بندے کے اس فیصلے پر اسے توفیق عمل عطا کر دیتا ہوں۔ اور پھر اسے وہ نعمت عطا کر یتا ہوں جو میرے جلیل القدر اور اولوالعزم رسول موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے مجھ سے مانگی تھی کہ اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے۔ میں نے موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر فرمایا تو انؑ کی شان کے مطابق۔ کسی صحابیؓ کو شرح صدر نصیب ہوتا ہے تو انؓ کے اپنے مقام کے مطابق اور کسی ولی کو نصیب ہوتا ہے تو اس کی اپنی حیثیت کے مطابق لیکن نصیب سب کو ہوتا ہے۔ فرمایا: **يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۚ** جس کے لئے اللہ چاہے کہ اسے ہدایت نصیب ہو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اسے شرح صدر ہو جاتا ہے اور یہ چند مخصوص لوگوں کو نہیں دیتا بلکہ جو بھی یہ طے کر لے کہ وہ اللہ کی رضا، اطاعت اور اتباع نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتا ہے اسے دے دیتا ہے۔ بات خلوص دل کی ہے۔ اللہ کریم کو تو پتہ ہے کہ بندے کے دل میں کیا ہے اور زبانی وہ کیا کہہ رہا ہے؟ انسانوں کو تو ہم چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں مالک الملک کو نہیں دے سکتے اسی لئے فرمایا جب بندہ دل سے ارادہ کرتا ہے تو اللہ کریم اسے ہدایت دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کریم کی عطا ایسی ہے کہ اس کا سینہ جب اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں تو دنیاوی مصائب اور نیکی کی راہ کی رکاوٹوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حقائق اُخروی پر اس کا یقین کامل ہوتا ہے۔

ایک صحابیؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیف اصبحت، تو نے صبح کیسے کی؟ انہوں نے عرض کی حضور صلی اللہ ﷺ ایمان کے ساتھ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے کیسے یقین ہے کہ تو مومن ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں یہاں کھڑا ہوں اور آخرت کو گویا دیکھ رہا ہوں۔ دوزخیوں کو دوزخ میں چلاتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور اہل جنت کو جنت کی محفلوں میں ہنستا کھیلتا دیکھ رہا ہوں۔ مجھے آخرت کی ایک ایک نعمت گویا نظر آ رہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس پر قائم رہنا یہی ایمان ہے۔ تو شرح صدر اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ آخرت پر ایسا غیر متزلزل یقین عطا کرتی ہے کہ اعمال و کردار سدھر جاتے ہیں۔ بھلا جسے یقین آخرت ہو وہ کسی کا خونِ ناحق کر سکتا ہے؟ وہ کسی کا مال لوٹ سکتا ہے؟ کسی کی آبرو ریزی کر سکتا ہے؟ یہ جو دہشتگردی ہو رہی ہے اور طوفان بدتمیزی برپا ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے سینے اسلام کی طرف سے بند ہو گئے ہیں۔ ہمارے کردار مسخ ہو گئے ہیں اس لئے کہ ہم دل سے چاہتے

ہی نہیں کہ اللہ کریم ہم سے راضی ہو۔ ہمارے دلوں میں وہ جذبہ ہی مر گیا۔ یہی فرمایا گیا اس آیہ کریمہ میں کہ جو لوگ غلط راستہ چن لیتے ہیں ان پر نیکی کرنا دشوار ہوجاتا ہے اور ان کا سینہ اسلام کے لئے تنگ ہوجاتا ہے

سینہ تنگ ہونے سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ غلط راستے کا انتخاب کرنے والے پر اللہ یہ عذاب نازل کرتا ہے کہ اسے گمراہ کردیتا ہے۔ اس کے سینے میں گھٹن آجاتی ہے۔ سچ اس کے سینے میں سماتا ہی نہیں۔ اس کا دل آخرت سے اندھا ہوجاتا ہے۔ دل یقین وایمان سے محروم ہوجاتا ہے اور دین پر عمل کرنا ایسا مشکل لگتا ہے جیسے کسی کو کہا جائے کہ کوئی سیڑھی لاؤ اور آسمان پر چڑھ جاؤ اور وہ سوچے کہ میں کیسے چڑھ سکتا ہوں؟ اتنی عمر کہاں سے لاؤں، اتنا اوپر کیسے چڑھوں، نجانے فضا میں کیا ہے، گرمی یا سردی ہے، ہوا ہے بھی نہیں اور بھلا آسمان پر چڑھنا کیسے ممکن ہے؟ یعنی اسے دین پر عمل کرنا اتنا مشکل لگتا ہے جتنا کسی کو آسمان پر چڑھنا۔ وہ احکام الٰہی پر عمل کرنے کو ناممکن سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ فرمایا: جس پر اللہ ناراض ہوجائے، جو اللہ سے اپنا رشتہ بگاڑ لے اس پر یہ عذاب بھیج دیتا ہے کہ اس سے دین پر عمل مشکل ہوجاتا ہے۔ وہ دنیا کے سارے کام کرتا ہے لیکن سارے کام دین کے خلاف کرتا ہے۔ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اسی طرح جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ ان کو پھٹکار دیتا ہے، ذلیل کر دیتا ہے، رسوا کر دیتا ہے، وہ گناہ میں پڑ جاتے ہیں، برائی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، سود کھاتے ہیں، چوری کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں اور اسی طرح کرتے کرتے مر کر آخرت کی تباہیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ فرمایا: یہ ہے آپ کے پروردگار کا راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ پھر بہت سی لکیریں دائیں، بائیں لگائیں اور فرمایا یہ وہ راستے ہیں جو گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا راستہ صرف ایک ہے۔ اللہ کریم ایک ہے۔ اس کا قرآن ایک ہے، اس کا آخری نبی ﷺ ایک ہے اور قیام قیامت تک کے لئے اس نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ O المائدہ: 4 کہ دین مکمل ہوگیا۔ بندہ جتنی نعمتیں اللہ کریم سے حاصل کرسکتا تھا وہ اس دین میں سمو دی گئیں۔ کوئی ایسا انعام نہیں جو دین کے خلاف عمل کر کے کوئی حاصل کرسکتا ہے۔ قیام قیامت تک کے لئے یہی دین ہے اور اب یہی دین ہمیشہ قابل عمل رہے گا۔

آج ہمارے دانشوروں، طبقہ اُمراء اور صاحب اقتدار و اختیار طبقے کا خیال ہے کہ اسلام پرانا ہوگیا

ہے۔ یہ چودہ صدیوں پہلے کی بات تھی۔ اس وقت کے حالات اور تھے، لوگ اور تھے اور ضروریات اور تھیں۔ اب ضرورت بدل گئی، زمانہ بدل گیا، دنیا گلوبل ویلیج بن گئی، یہاں بیٹھے لوگ لمحوں میں امریکہ بات کر لیتے ہیں، امریکہ والے جاپان بات کر لیتے ہیں۔ یہاں بیٹھے دنیا بھر میں سودے طے ہو جاتے ہیں، لین دین ہو جاتا ہے، لہٰذا چودہ سو سال پہلے کا زمانہ بدل چکا ہے۔ اسلام قدیم ہو گیا ہے (معاذ اللہ)۔ یہ بات محض ان کے سینے کی تنگی کی مظہر ہے۔ حق یہ ہے کہ اسلام قیام قیامت تک کا دین ہے۔ خالق کائنات نے جہاں انسان کو تخلیق کیا وہاں اس کی ضروریات بھی پیدا کیں۔ پہلے انسان کے دنیا پر قدم رکھتے وقت انسان کی جو ضروریات تھیں وہی ضروریات ہمیشہ قائم رہیں اور ایسے ہی آئندہ قیامت تک قائم رہیں گی زمانے کے بدلنے سے ضروریات نہیں بدلیں۔ کیا اس زمانے میں انسان کو بھوک لگتی تھی اور اب نہیں لگتی یا اس وقت نیند آتی تھی اور اب نہیں آتی؟ اس وقت لباس کی ضرورت تھی اب نہیں رہی۔ اس وقت کاروبار ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ اس وقت شادیاں ہوتی تھیں، اولاد ہوتی تھی کیا اب ایسا نہیں ہوتا؟ پہلے لوگ سفر کرتے تھے کیا اب لوگوں کو سفر کی ضرورت پیش نہیں آتی؟

کچھ بھی نہیں بدلا، انسان بھی وہی ہے، اس کی ضروریات بھی وہی ہیں، ضروریات کو پورا کرنے کے طریقے بدل گئے ہیں۔ ذرائع بدل گئے ہیں، پہلے گھوڑے، اونٹ پر سفر ہوتا تھا اب جہاز، ریل گاڑی پر کر لیتے ہیں۔ سفر کی ضرورت تب بھی تھی اب بھی ہے۔ پہلے جڑی بوٹیوں سے علاج کر لیتے تھے اب دیگر طریقہ ہائے علاج بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ذرائع بدلنے سے کچھ نہیں بدلتا۔ انسان بھی وہی ہے اس کی ضرورتیں بھی وہی ہیں، صرف ان کو پورا کرنے کے ذرائع بدل گئے ہیں۔

یہی فرمان باری تعالیٰ ہے کہ قیام قیامت تک عقیدہ و نظریہ وہی مقبول بارگاہ الٰہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔ یہی دین آج بھی مقبول ہے جو تب مقبول تھا، جو بعثت رحمت عالم ﷺ سے دنیا پر رحمت الٰہی بن کر چھایا۔

کوئی ان سے پوچھے کہ کیا آج اذان بدل گئی ہے، وضو کا طریقہ بدل گیا ہے، صلوٰۃ بدل گئی ہے، کیا آج کوئی اور قرآن نازل ہوگا؟ یہ دانشور ایسی باتیں کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کے سینے اللہ نے دین کے لئے تنگ کر دیئے ہیں۔ دین کی بات ان کے سینے میں نہیں سماتی۔ یہ سمجھتے ہیں یہ بہت مشکل ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن حکیم اسی بات کی وضاحت فرما رہا ہے کہ ان غلط فیصلوں اور خرافات کہنے کے باعث میں ان کے سینے جب تنگ کر دیتا ہوں تو دین پر عمل ان کے مشکل ترین کام بن جاتا ہے پھر ایسے لوگ کہتے ہیں حالات

بدل گئے اور اسلام پرانے وقتوں کی بات ہے جبکہ کچھ بھی نہیں بدلا۔ نہ رب العالمین کی عظمت بدلی ہے، نہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت بدلی ہے۔ آج بھی ہم وہی کلمہ پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس میں کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج بھی رسول ﷺ ہیں۔ آج بھی حکم آپ ﷺ کا ہے، طریقہ آپ ﷺ آج بھی نیکی وہی ہے جسے آپ ﷺ نیکی فرماتے ہیں اور جو آپ ﷺ کے حکم کے خلاف ہو وہ نیکی نہیں ہوسکتی۔ آج بھی دین وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے سکھایا اور قیامت تک یہی رہے گا۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام پر عمل نہیں ہوسکتا فرمایا ان کے سینے میں نے تنگ کر دیئے ہیں۔ یہ لوگ باعث عبرت ہیں۔ اللہ اس عذاب سے پناہ میں رکھے۔ فرمایا اس عذاب کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں پر اللہ کی پھٹکار ہوگی۔ ان کو بہت ذلیل ہونا پڑے گا ان کو بہت بڑی بڑی سزائیں اور شدید عذاب ملیں گے۔ **وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا** اور تیرے رب کا راستہ بڑا سیدھا ہے۔ ہر کام کے کرنے کا ایک سلیقہ ہوتا ہے اور سب سے آسان طریقہ وہی ہوتا ہے جو صحیح ہوتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سیدھا اور آسان ہے۔ اسلام نے ہر کام کرنے کا ایک طریقہ کار بتایا ہے، روزی کمانے کا طریقہ سکھایا ہے تو خرچ کرنے کا بھی سلیقہ سکھایا ہے، شادی کرنے، اولاد پالنے اور والدین کی خدمت کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ اس لئے شریعت کے کسی کام میں مشکل نہیں ہاں! ہر اس کام میں مصیبت ہے جو خلاف شریعت کیا جائے۔ **قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾** اور جو لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں ان کے لئے تو باتیں بڑی کھول کر واضح بیان کر دی ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں مطمئن زندگی گزارتے ہیں۔ اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نیکی کرتے ہیں اور پرسکون زندگی گزارتے ہیں۔ اور جب ان کی دنیاوی زندگی ختم ہوتی ہے تو **لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ** ان کے لئے ایک ایسا گھر ہے جو سراسر سلامتی ہے۔ اللہ نے ان کے لئے جنتیں آراستہ کر دی ہیں جن میں ہر طرح کا آرام، ہر طرح کی راحت اور ہر طرح کا سکون ہے۔ جہاں دکھ، بیماری اور فکر نام کی کوئی شئے نہیں ہے، ہر طرح کی سلامتی ہی سلامتی ہے اور تمام طرح کے انعامات کے ساتھ **وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾** انہیں اللہ کی معیت نصیب ہوگی۔ اللہ کریم ان کا ولی ہوگا، اس کردار کی وجہ سے جو دنیا میں ان کا تھا یعنی انہیں معیت باری نصیب ہوگی۔

حضور اکرم ﷺ نے جنت کی نعمتوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان چیزوں کے نام تو دنیا کی نعمتوں کے ہی ہیں لیکن جنت کے پھل اور دیگر تمام نعمتیں اتنی اعلیٰ اور نفیس ہوں گی جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی ہوں گی نہ ان کے بارے دنیا میں تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس سب کے باوجود فرمایا کہ انہیں میری معیت نصیب

ہو گی۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر جنتی کو دیدار باری نصیب ہو گا لیکن اپنی حیثیت کے مطابق۔ کسی کو ہر لمحہ، کسی کو روزانہ، کسی کو ہفتہ میں ایک بار، کسی کو مہینے میں ایک اور کسی کو سال میں ایک بار۔ انہیں اللہ کا ساتھ بھی نصیب ہوگا وہ جمال باری کو بھی دیکھیں گے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ!

ان سب مہربانیوں کے باوجود اگر کوئی دین کو نہیں اپناتا، دین پر عمل نہیں کرتا تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے غلط فیصلوں کے باعث اللہ نے اس کا سینہ تنگ کر دیا ہے۔ اس کے گناہوں کی وجہ سے اس پر عذاب نازل ہو گیا ہے ورنہ اتنی عظیم نعمتوں کو چھوڑ کر کون بدبخت دنیا کے چند ٹکوں کے لئے اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کریم نے اپنے اطاعت گزار اور مقرب بندوں کے لئے آبرومندانہ زندگی کو اتباع شریعت میں یقینی بنا دیا ہے۔ ان کے لئے سلامتی ہے اور اُخروی انعامات ہیں اور جو لوگ دنیا میں اللہ کے راستے سے منہ موڑ لیتے ہیں دنیا کے لالچ یا اپنی اَنا میں گرفتار ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ اپنا نقصان خود کرتے ہیں۔ اس طرح دنیا میں دو طرح کے گروہ ہیں ایک حزب اللہ، دوسرا حزب الشیطان۔ اللہ کے فرمانبردار بندے اللہ کی جماعت میں ہیں اور نافرمان شیطان کی پارٹی میں شامل ہیں۔ درمیان میں کوئی نہیں ہے۔ ہر بندہ یا اِدھر ہے یا اُدھر۔ اللہ کی جماعت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن سے بھولے بھٹکے کوئی نافرمانی ہو جاتی ہے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رکھا ہے۔ اگر وہ توبہ کرتے ہیں تو اللہ کریم انہیں معاف فرما دیتا ہے۔ اگر توبہ نہیں کرتے تو بھی ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وہ ان کی کتنی خطائیں معاف کرے گا اور کس پر سزا دے گا۔ اور اللہ کریم ان لوگوں کو ضرور انعامات سے نوازے گا جو اپنی زندگی اللہ کی فرمانبرداری میں اور اللہ کی جماعت میں شامل ہو کر گزارتے ہیں۔ اور اللہ جلّ شانہٗ اپنی تمام مخلوق کو میدان حشر میں جمع فرمائے گا۔ اس دن ہر ایک کو اس کی دنیا کی زندگی میں کئے گئے اعمال کا نتیجہ ملے گا۔

فرمایا: **وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ** ایک دن ہو گا جب تمام جنوں اور تمام انسانوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ اور جنوں سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تمہاری تعداد تو انسانوں سے بہت زیادہ تھی تو تم دنیا میں کیا کرتے رہے؟

جنات کی تعداد اور عمریں:

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات ملتا ہے "حیات الحیوان" میں بھی یہ حدیث نقل فرمائی گئی ہے جس کا مفہوم یوں ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے زمانے کی بات ارشاد فرما رہے تھے کہ روئے زمین پر جتنی تعداد انسانوں

کی ہے اس سے نو گنا تعداد جنّات کی ہے کیونکہ جنّات زمین پر پہلے سے آباد ہیں۔ پھر جنّوں میں ایک مخصوص طبقہ ہے جو شیطان کی اولاد ہیں یا اس کے پیروکار بن کر ان میں شیطنت آ گئی ہے۔ ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق انسانوں اور جنوں کی تعداد کو جمع کیا جائے تو ان سے نو گنا زیادہ شیاطین کی ہے۔ جنات کی عمریں طویل ہوتی ہیں اور بالخصوص شیاطین کی نسل کی عمریں ہزاروں سال کی ہوتی ہیں۔ چودہ سو سال، سولہ سو سال اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔ ''حیات الحیوان'' میں اس حدیث کے ساتھ ایک اور حدیث بھی بیان کی گئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ ایک ضعیف العمر جن آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے موسیٰؑ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر تم حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پاؤ تو میرا اسلام خدمت عالی میں عرض کرنا۔ میں نے یہ امانت آپ ﷺ تک پہنچانی تھی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور تمہاری عمر کتنی ہے؟ اس نے عرض کی کہ وہ ابلیس کے پوتے کا بیٹا ہے۔ جب آدمؑ کے بیٹوں میں جھگڑا ہوا اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو وہ اس وقت چھوٹا سا لڑکا تھا۔ اس نے عرض کی کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا اور تب سے اب تک مسلمان چلا آ رہا ہے۔ یعنی وہ اتنا طویل العمر تھا کہ اس نے حضرت آدمؑ سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک گزرنے والے تمام انبیاءؑ کا زمانہ پایا۔ گویا کم و بیش سوا لاکھ انبیاءؑ و رسلؑ کا زمانہ دیکھنے کی سعادت پائی۔ تو یہ اللہ کی شان ہے کہ ان کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔

اللہ کریم نے اس آیہ مبارکہ میں جنات اور انسانوں کی باہم دوستی کی وضاحت فرماتے ہوئے اس کے برے انجام سے باخبر کیا ہے تا کہ لوگ دنیا میں ہی اس دوستی کی قباحتوں سے آگاہ ہو جائیں۔

شیطان کی ولایت کیا ہے؟

مسلسل گناہ کرنا اور کبھی توبہ نہ کرنا۔ گناہ کرتے رہنا اور پھر گناہ پر فخر کرنا۔ ایسے لوگ معاشرے میں دیکھے جا سکتے ہیں جو اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اتنا جواء جیتا، اتنی رقم چوری کی، اتنے بندے مار دیئے۔ اس پر انہیں کوئی افسوس نہیں ہوتا کوئی ندامت نہیں ہوتی۔ شیطان کی دوستی تب ہی ہوتی ہے جب اللہ سے تعلق ختم ہو جاتا ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب اللہ سے تعلق ختم ہوتا ہے تو لامحالہ ابلیس سے، شیطان سے اور اس کی اولاد سے تعلق قائم ہو جاتا ہے، جس طرح ہر چھت پر انٹینا لگا ہوا ہے اسی طرح دل بھی وصول کرنے کا ایک مرکز ہے۔ اگر اس کا رابطہ اللہ جل شانہ سے ہے تو اس کی ایک فریکوینسی ہے اور اگر نہیں تو دوسری فریکوینسی شیطان سے رابطے کی ہے۔ جیسا کہ الانعام آیت 121 میں گزر چکا ہے کہ **وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ**

لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ شیطان اپنے دوستوں سے باتیں کرتے ہیں اس کو وحی کہا گیا ہے۔ کہ دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، بری باتیں سکھاتے ہیں۔

'وحی' ایک وسیع المعانی لفظ:

قرآن حکیم میں لفظ ''وحی'' مختلف موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ انبیاءؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام نازل ہوتا رہا اسے وحی کہتے ہیں یہ صرف انبیاءؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔ وحی کی کئی اقسام ہیں مثلاً کشف، الہام اور القاء۔ یعنی کسی چیز سے پردہ ہٹا دینا، کسی کو کوئی بات زبانی سنا دینا یا کسی بات کو دل میں ڈال دینا۔ جانوروں کو منجانب اللہ جو چیزیں سمجھائی جاتی ہیں انہیں جبلت کہتے ہیں۔ جبلت بھی وحی الٰہی کی قسم ہے۔ جیسے شہد کی مکھی چھتہ بناتی ہے اس میں ہزاروں گھر ہیں، سب خانوں کے تمام ضلع ایک جیسے ہیں، کونے اور کمرے ایک سائز کے ہیں۔ یہ وحی الٰہی ہے کہ اللہ کریم نے اس کے دل ودماغ میں یہ بات ڈال دی ہے کہ اس خانے میں شہد رکھو اور اس خانے میں بچے۔ اسی طرح دیگر جانوروں کو یہ ہدایات دے رکھی ہیں۔ جمادات پر بھی وحی ہوتی ہے۔ پتھر ٹوٹتے ہیں، لڑھکتے ہیں، پہاڑ بنتے ہیں، پہاڑ گرتے ہیں، دریا چلتے ہیں اور رکتے ہیں، پودے اُگتے ہیں اور بڑھتے ہیں، پھل لاتے ہیں، یہ سارا نظام اللہ جل شانہٗ کے دستِ قدرت میں ہے اور وحی الٰہی کے تابع ہے لیکن بات دوسرے تک پہنچانے کو بھی وحی کہہ دیا جاتا ہے۔ تو فرمایا کہ شیطان اپنے دوستوں تک باتیں پہنچاتا ہے خواہ دل میں ڈال دے یا انہیں کسی طرح کچھ سمجھا دے۔

جنّوں اور انسانوں کی باہمی سودا بازی:

اللہ جل شانہٗ جب جنّوں سے پوچھیں گے کہ تم تعداد میں بھی کثیر تھے اور تمہاری عمریں بھی طویل تھیں تو تم کیا کرتے رہے؟ تو ان کے جو دوست انسانوں میں سے تھے وہ بول اٹھیں گے وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ ہم ایک دوسرے سے سودا بازی کرتے رہے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان جنوں سے کوئی جنس نہیں خریدتا۔ نہ جانور خریدتا ہے نہ کپڑا نہ کوئی اور چیز تو پھر سودا بازی کس طرح ہوتی ہے؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ مفادات کی سودا بازی ہوتی ہے۔ شیاطین انسانوں کو اپنا تابع کر لیتے ہیں اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جنات کو قابو کر لیا ہے۔ انسان، جنوں کو قابو کرنے کے لئے جو کلمات پڑھتا ہے وہ کفریہ ہوتے ہیں۔ جو عمل کرتا ہے وہ خلاف شریعت ہوتا ہے۔ خود غلیظ اور ناپاک رہتا ہے، ناپاک اور حرام کھاتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، جتنی برائی زیادہ کرتا ہے

اتنا ہی اس کا رابطہ شیطان سے مضبوط تر ہوتا جاتا ہے۔ پھر وہ چھوٹے موٹے شعبدے دکھاتا پھرتا ہے، کسی کا دماغ پریشان کردیا، کسی کو تعویذ دے کر کوئی مرض ختم کردیا وغیرہ۔ جو شیطان کے بس میں ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی اللہ سے تعلق توڑ کر بدکار لوگوں سے اپنا تعلق قائم کرلے۔ شیطان کے اثرات سے وہی متاثر ہوتا ہے جو دیندار طبقے کو چھوڑ کر بے دینوں سے ناطہ جوڑتا ہے جس کے نتیجے میں اس کے اپنے اندر جو دفاعی نظام قدرت کی طرف سے ہے وہ ختم کردیا جاتا ہے۔ شیطان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے انسان کو تابع کرلیا ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ اس نے جن قابو کرلیا ہے، یہ سودا بازی اس طرح ہوتی ہے کہ شیطان کے ذریعے سے چھوٹے چھوٹے شعبدے حاصل ہوجاتے ہیں، کوئی عجیب حرکت اس کے کہنے پر ظاہر ہوجاتی ہے، اس سے اس انسان کی پیری چمکتی رہتی ہے اور شیطان کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں میں گمراہی پھیلتی ہے۔ شیطان اس ایک انسان کو ہی گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ وابستہ جتنے اس کے مرید بنتے ہیں ان سب کو گمراہ کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کے لالچ میں یہ دوستی قائم رہتی ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں یہی واضح کیا جارہا ہے کہ میدان حشر میں سچی بات کہنی پڑے گی تو وہ انسان جن کی دوستی شیطان سے تھی وہ کہیں گے ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا نتیجہ یہ ہوا کہ جس انجام کو پہنچنا تھا آج ہم وہاں پہنچ گئے۔ اب سامنے جہنم ہے پیچھے کوئی راستہ نہیں۔ ہم کسی اور طرف نہیں جاسکتے۔

انسانوں اور جنوں کے باہمی تعلقات کا انجام:

جس گروہ کے ساتھ زندگی بسر کی، جس راستے کو دنیا میں پسند کیا، اس گروہ کے ساتھ حشر ہوگا۔ شیطانوں کے ساتھی انسان اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے اقرار کریں گے وَ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ تو نے عقائد کا، اعمال کا، افعال و کردار کا جو انجام طے کردیا تھا اور ہمیں بتادیا تھا اس کی ہم نے دنیا میں پرواہ نہیں کی اور اب وہ انجام ہمارے سامنے ہے لیکن اب یہ ہمارے بس میں نہیں ہے کہ ہم اس راستے کو چھوڑ کر دوسری طرف چلے جائیں تو ارشاد باری ہوگا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ سب کفار کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ایسے سب انسانوں اور جنوں کے لئے جو شیاطین سے رابطہ رکھتے تھے، جہنم ہی ٹھکانہ ہے۔ تم سب اس میں جلو گے، جہنمی ہونے میں سب برابر ہیں، گناہوں کے حساب سے اس میں اپنے اپنے درجے ہیں، گناہوں کے حساب سے جہنم کی گہرائی میں جانا ہے۔ ہاں! ایک بات ہے اس میں موت نہیں آئے گی اور تمہیں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ یہ الگ بات ہے۔ جو اللہ چاہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ

نکالنا چاہئے تو وہ نکال سکتا ہے لیکن اس نے فرمادیا ہے کہ میں کافر کو جہنم سے نہیں نکالوں گا۔ مومن کو جنت کے داخلے کے بعد جنت سے نہیں نکالوں گا، یہ فیصلہ اس نے کردیا جس طرح مشرک کا فیصلہ کردیا کہ مشرک کو نہیں بخشا جائے گا یعنی قیامت میں جو فیصلہ ہوگا وہ مومن کا ہوگا۔ اس کا مقدمہ چلے گا کہ اس کے گناہ اتنے ہیں، یہ معاف کر دیئے جائیں، اسے بخش دیا جائے۔ اگر کسی کا خاتمہ ہی کفر پر ہوا تو اس کے مقدمے کی نوعیت ہی دوسری ہوگی۔ چھوڑ دیئے جانے کی بحث اس کے لئے نہیں ہوگی کہ اسے بری بھی کیا جاسکتا ہے یا بخشا بھی جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جو شرک یا کفر پر مرے گا اسے بخشا نہیں جائے گا۔ سو فرمایا اس وقت ارشاد باری تعالیٰ ہوگا آج تم سب کے لئے آگ ہے۔ دوزخی ہونے میں سب برابر ہو اور یہ بھی یاد رکھو اب تمہیں موت نہیں آئے گی۔ اب تمہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ۔ ہاں! اللہ قادر ہے وہ جو چاہے کرے اس پر تو کوئی پابندی نہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ لیکن یہ بات یاد رکھو تمہارا پروردگار ہر کام اپنی حکمت اور اپنے علم کے مطابق کرتا ہے۔ وہ حکیم و دانا تر ہے۔ یہ اس کی حکمت کا تقاضا نہیں ہے کہ بدکاروں کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دے۔ یہ حکمت کے خلاف ہے اور اس نے کسی کی سنی سنائی پر فیصلہ نہیں کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا نہیں ہے جیسا کسی دنیاوی محکمے میں ہوتا ہے۔ اس کے مقرر کردہ فرشتے ہر کام اللہ علیم وخبیر کی ہدایت کے مطابق کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ کریم فیصلے اپنے علم پر کرے گا۔ وہ ہر شئے کو ہر وقت، ہر جگہ، ہمیشہ جانتا ہے۔ اس کے لئے کوئی ماضی، مستقبل نہیں ہے۔ اس کا علم حضوری ہے۔ اس کے لئے ہر چیز ہمہ وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ ساتویں زمین کے نیچے کوئی چیونٹی حرکت کرتی ہے تو وہ اس کے چلنے کی آواز بھی سنتا ہے۔ صرف چلنے کو نہیں دیکھتا وہ حرکت کرنے کی آواز بھی سنتا ہے۔ اسے دیکھتا بھی ہے، جانتا بھی ہے۔ سو اس کا اپنا فیصلہ ہوگا اس لئے کہ تمہارا پروردگار دانا تر بھی ہے اور ہر چیز سے ہمہ وقت واقف بھی ہے۔ اگر وہ واقف نہ ہوتا تو باپ کی پشت میں تمہیں زندہ کون رکھتا، تمہارے نطفے کو کون محفوظ رکھتا، شکم مادر میں کون تمہاری شکل وصورت بناتا، کون تمہیں وہاں حیات اور رزق دیتا؟ وہ وہاں بھی تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر چیز دیتا رہا۔ پیدا ہونے سے مرنے تک لحہ لحہ تم نے اس سے آکسیجن حاصل کی، اس کی دی ہوئی آواز استعمال کی، نگاہ جیسی نعمت استعمال کی، اس کا دیا کھایا، اجزائے بدن میں اس کی دی ہوئی قوت سے فائدہ اٹھایا، زندگی کے ہر حال میں وہ تمہاری ہر ضرورت پوری کرتا رہا تو کیا مرنے کے بعد وہ تم سے غافل ہوگیا؟ وہ جانتا ہے کس نے کیا کیا، کس نیت سے کیا، کس ارادے سے کیا؟ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دنیا میں تم نے اس کی عظمت کو بھی بھلایا۔ اس راستے کو بھی چھوڑا۔ اس کے بندوں کی مجلس بھی اختیار نہیں کی تو اب تم

سب مل کر جہنم میں جاؤ اور فرمایا: وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے ساتھ شامل کر دیں گے یعنی ہر شعبے کے لوگوں کو اس کے شعبے کے ساتھ اکٹھا کر دیں گے۔ وہاں عقیدے اور عمل کے شعبے ہوں گے۔ وہاں لوگوں کی گروپ بندی گورے کالے یا مشرق و مغرب کے بسنے والوں کی نہیں ہوگی۔ وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ کون کس کا بیٹا ہے؟ وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ کون عقیدے میں کس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور کس کے ساتھ عمل میں مشابہت رکھتا ہے لہٰذا نافرمانی ظلم ہے۔ شرک ظلم اور کفر ظلم ہے۔ وہاں تمام ظالم اکٹھے ہوں گے مشرک، مشرکوں کے ساتھ، کافر، کافروں کے ساتھ، بدکار، بدکاروں کے ساتھ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یہ اس لئے کہ دنیا میں وہ انہی لوگوں جیسا عقیدہ اور عمل رکھتے تھے۔ جس کے ساتھ ان کا عقیدہ ملتا تھا، عمل ملتا تھا، کردار ملتا تھا ان کے ساتھ ہم انہیں ملا دیں گے خواہ دنیا میں وہ نیکی کا دعویٰ کرتا رہے۔ اگر عملاً بدکار رہے تو بدکاروں کے ساتھ حشر کیا جائے گا۔ دنیا میں خواہ دعویٰ کرتا رہے کہ فلاں بزرگ کی نسل سے ہوں، فلاں نبی کی نسل سے ہوں لیکن اگر عقیدہ وعمل میں ان کی مطابقت نہیں کرتا تو کوئی نسلی امتیاز نہیں ہوگا۔ انہی کے ساتھ ملایا جائے گا جہاں اس کے عقیدہ وعمل کی مطابقت ہوگی۔

اسی طرح شہید، شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ غازی، غازیوں کے ساتھ ہوں گے۔ تہجد گزار، تہجد گزاروں کے ساتھ ہوں گے۔ ذاکرین، ذاکرین کے ساتھ ہوں اور روزہ دار، روزہ داروں کے ساتھ ہوں گے۔ عقیدے اور عمل کی بنیاد پر گروہ بنا دیئے جائیں گے۔ پھر پتہ چلے گا کہ کون کس گروہ میں تھا۔ اس تقسیم کے مطابق ہر ایک اپنے انجام کو پہنچے گا۔

سورۃ الانعام رکوع 16 آیات 130 تا 140

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ط قَالُوْا شَھِدْنَا عَلٰۤی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْھُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَشَھِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِھِمْ اَنَّھُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِکَ اَنْ لَّمْ یَکُنْ رَّبُّکَ مُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَھْلُھَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِکُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ط وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّکَ الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَۃِ ط اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِکُمْ مَّا یَشَآءُ کَمَآ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ ذُرِّیَّۃِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ لا وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ج فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ ط اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا فَقَالُوْا ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا ج فَمَا کَانَ لِشُرَکَآئِھِمْ فَلَا یَصِلُ اِلَی اللّٰہِ ج وَمَا کَانَ لِلّٰہِ فَھُوَ یَصِلُ اِلٰی شُرَکَآئِھِمْ ط سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَکَذٰلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ لِیُرْدُوْھُمْ وَلِیَلْبِسُوْا عَلَیْھِمْ دِیْنَھُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا فَعَلُوْہُ فَذَرْھُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا ھٰذِہٖ اَنْعَامٌ

وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو تم کو میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن کے پیش آنے سے خبردار کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے اوپر (جرم) کا اقرار کیا اور ان کو دنیا کی زندگی نے بھول میں ڈال رکھا تھا اور انہوں نے اپنے آپ پر گواہی دی کہ وہ کافر تھے۔﴿۱۳۰﴾ یہ اس لئے ہے کہ آپ کا پروردگار بستیوں کو ان کے ظلم (کفر وشرک) کے سبب ایسی حالت میں ہلاک نہیں فرماتا کہ وہاں کے لوگ کچھ بھی خبر نہ رکھتے ہوں۔﴿۱۳۱﴾ اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجے ہیں۔ اور آپ کا پروردگار ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔﴿۱۳۲﴾ اور آپ کا پروردگار بے نیاز ہے رحمت والا ہے اگر چاہے تو تم کو نابود کردے اور تمہاری جگہ تمہارے بعد جن (دوسروں) کو چاہے لے آئے جیسا کہ تم کو دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا فرمایا ہے۔﴿۱۳۳﴾ تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ یقیناً آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔﴿۱۳۴﴾ فرمادیجئے اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں سو عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا گھر (جنت) کس کے لئے ہے بے شک وہ ظالموں کا بھلا نہیں فرماتا۔﴿۱۳۵﴾ اور یہ

لوگ اس (اللہ) ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، کھیتی اور جانوروں میں سے کچھ حصہ اللہ کے لئے مقرر کرتے ہیں پھر اپنے باطل خیال کے مطابق کہتے ہیں یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے پھر جو ان کے شریکوں (معبودوں) کا حصہ ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں جا سکتا اور جو اللہ کا حصہ ہوتا ہے تو وہ ان کے معبودوں کو جا سکتا ہے۔ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔ ﴿۱۳۶﴾ اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کو قتل کرنا اچھا کر دکھایا تاکہ ان کو برباد کر دیں اور ان پر ان کا دین خلط ملط کر دیں اور اگر اللہ چاہتے تو یہ ایسا نہ کرتے سو آپ ان کو اور جو غلط باتیں یہ بنا رہے ہیں کو چھوڑ دیجئے۔ ﴿۱۳۷﴾ اور کہتے ہیں کہ یہ چار پائے اور کھیتی منع ہے اس کو صرف وہ کھا سکتا ہے جس کو ہم چاہیں، ان کے خیال باطل کے مطابق۔ اور (کہتے ہیں) یہ مخصوص جانور ہیں جن پر سواری (یا بار برداری) منع کی گئی ہے اور کچھ جانور ایسے ہیں جن کو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہیں لیتے وہ عنقریب ان کو اس جھوٹ کا بدلہ دیں گے۔ ﴿۱۳۸﴾ اور کہتے ہیں جو بچہ ان چار پایوں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں کے لئے (اس کا کھانا) منع (حرام) ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب ان کو ان کے (غلط) کہنے کے سبب سزا دیں گے یقیناً وہ (اللہ) حکمت والے جاننے والے ہیں۔ ﴿۱۳۹﴾ یقیناً جن لوگوں نے اپنی اولادوں کو بغیر جانے (علم کے) بیوقوفی سے مار ڈالا اور اللہ پر جھوٹ بول کر اس کی عطا کی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا وہ بہت گھاٹے میں رہے یقیناً وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت پانے والے نہیں ہیں۔ ﴿۱۴۰﴾

خلاصۂ رکوع

ان آیات کا بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ اے جنوں کی جماعت اور اے انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے اللہ کے رسول نہیں آئے جو تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات بیان کرتے تھے اور آج

کے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ہم خود اپنے آپ پر گواہی دیتے ہیں۔ اپنے جرم قبول کرتے ہیں۔ انہیں دنیا کی زندگی نے گمراہ کیا۔ آج آپ اپنے آپ پر گواہی دے رہے ہیں کہ وہ کافر تھے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کریم کسی آبادی کو زیادتی کر کے ہلاک نہیں کرتے کہ اس کے رہنے والے غافل ہوں اور ہر کسی کے عمل کا ایک درجہ ہے اور تیرا پروردگار کسی کے عمل سے بے خبر نہیں ہے اور تیرا رب غنی ہے۔ اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے۔ وہ مستغنی عن الخلائق ہے اور بڑی رحمت والا ہے۔ وہ اگر چاہے کہ تم سب کو نابود کر دے اور تمہاری جگہ جسے چاہے پیدا کر دے جس طرح تمہیں تم سے پہلوں کی جگہ پیدا کیا۔ وہ لوگ چلے گئے اور تم ان کی جگہ آ گئے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہوگی اور تم اسے روک نہیں سکو گے تو فرما دیجئے اے قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو۔ جیسا تم چاہتے ہو میں اس پر عمل کر رہا ہوں جو اللہ نے مجھے بتایا۔ عنقریب یہ پتہ چل جائے گا کہ آخرت کس کے لئے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی کامیاب نہیں فرماتا۔

جو کھیتی یہ کاشت کرتے ہیں یا جو جانور ان کے پاس ہوتے ہیں ان میں یہ اپنی مرضی سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر لیتے ہیں اور کچھ حصہ ان کا مقرر کر لیتے ہیں جنہیں یہ اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ اس میں پھر یوں تقسیم کرتے ہیں کہ جو حصہ غیر اللہ کے لئے مقرر کیا تھا اس میں سے اللہ کا حصہ تو نہیں دیتے لیکن جو اللہ کے لئے مقرر کیا تھا وہ اپنے معبودوں کو دیتے ہیں۔ اور یہ بہت برا فیصلہ ہے۔ بہت بری بات ہے جو انہوں نے اختیار کر لی ہے۔ جب بندہ اللہ کی عظمت کو بھول کر برائی کو اپنا لیتا ہے تو اللہ کی طرف سے یہ سزا دی جاتی ہے کہ اسے برائی بھلی لگنے لگتی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بڑا کمال کر رہا ہے۔ یہ بچیوں کو قتل کر دیتے ہیں تو اللہ کریم وہ قتل بھی بطور سزا ان کی نظروں میں اچھا کر دیتے ہیں اور یہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بچیاں قتل کر دیں پھر یہ اس پر شرمندہ بھی نہیں ہوتے۔ یعنی کوئی گناہ پہ فخر کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ انہیں برباد کر دیتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے لیکن آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی گمراہی میں ہلاک ہو جائیں۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ جانور مخصوص ہے۔ اب ہماری مرضی کے بغیر کوئی اس کا گوشت نہیں کھا سکتا۔ بعض جانوروں کو مخصوص کر لیتے ہیں کہ ان پر سواری نہیں کی جا سکتی یعنی مخصوص جانوروں کی پیٹھ پر بیٹھنا حرام ہے اور جانوروں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہیں لیتے محض اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں کہ یہ اللہ کا دین ہے۔ اپنی بنائی ہوئی رسومات کو دین کہتے ہیں حالانکہ دین تو اللہ کے احکام پر مبنی ہوتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ پر بہتان باندھنے کے مجرم بھی ہوتے ہیں۔ عنقریب انہیں اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ پھر ایک رسم یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جو بچہ اس مادہ جانور کے پیٹ میں ہے اسے صرف ہمارے مرد کھا سکتے ہیں اور

خواتین نہیں کھا سکتیں اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں مرد وعورت شریک ہیں۔ یہ باتیں انہوں نے اپنے پاس سے گھڑ لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی سزا دے گا اس لئے کہ وہ حکیم بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ وہ فوری سزا نہیں دیتا تو یہ اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور کسی کا جرم اس کی بارگاہ سے چھپ نہیں سکتا۔ وہ جانتا ہے۔ بہت نقصان میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اولاد کو قتل کیا، جہالت کی وجہ سے بغیر کسی علمی دلیل کے۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تھا اسے انہوں نے حرام کر دیا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ ایسے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی ہدایت نہیں پاتے۔

تفسیر ومعارف

اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی مخلوق کو مکلف بنایا ہے۔ انسان، جن، شیطان اور فرشتہ۔ انسانوں سے ہزاروں سال پہلے زمین پر جنات آباد تھے اس لئے یہ بحث ہوتی ہے کہ کیا جنوں میں نبوت تھی؟ کیونکہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ کسی بستی کو غفلت میں ہلاک نہیں کیا جاتا۔ پہلے ان کی طرف پیغام بھیجا جاتا ہے اور ان کی رہنمائی کی جاتی ہے تو جنات جو حضرت آدمؑ سے ہزاروں سال پہلے زمین پر رہے کیا ان میں نبوت تھی؟

جنات میں نبوت نہیں ہوئی:

علماء جواب نفی میں دیتے ہیں اور اس کے دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ازل میں جب تمام روحوں سے میثاق لیا گیا، فرمایا گیا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ اور سب نے کہا قَالُوْا بَلٰى ۚ الاعراف: 172 کیوں نہیں! تو وہاں تمام انبیاءؑ سے بھی حضور اکرم ﷺ کے اتباع اور آپ ﷺ کی تائید کا عہد لیا گیا۔ لیکن اس میں جنوں کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ وہاں اوّلین و آخرین تمام انبیاء کرامؑ سے عہد لیا گیا۔ اگر جنوں میں سے کوئی نبی ہوتے تو ان کا ذکر بھی وہاں ہوتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ انسان اسی لئے ساری مخلوق میں افضل ہے کہ نوع انسانیت کو نبوت عطا کی گئی۔ صرف نبیؑ نور نبوت سے سرفراز کئے گئے جو انسانوں میں سے ہیں۔ یہ نعمت صرف انسانوں میں ہے۔ نبیؑ وہ منتخب انسان ہوتے ہیں جن میں پاکیزگی، معصومیت اور لطافت کی وہ خاص استعداد ہوتی ہے کہ ان کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے کلام کو وصول کرتے ہیں اور غیر نبیؑ نہ اس کلام کو سن سکتا ہے نہ از خود سمجھ سکتا ہے۔ عام انسانوں میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ وہ برکات نبوت سے اپنے دلوں کو روشن کریں۔

وہی نور جونورِ نبوت سے اخذ ہوتا ہے وہی نور معرفتِ الٰہی کے لئے عظمت الٰہی سے اپنی استعداد اور اپنی حیثیت کے مطابق آشنا ہونے کے لئے ہر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے۔ علماء حق کی دوسری دلیل یہی ہے کہ انبیاءؑ انسانوں میں جس قوت اور استعداد سے مبعوث ہوئے ہیں وہ نبوت جنّوں میں نہیں ہے۔

حضرت آدمؑ کے دنیا پر تشریف لانے سے پہلے زمین پر جنات آباد تھے۔ یہ کچھ عرصہ نیکی پر قائم رہتے پھر برائی شروع ہو جاتی۔ پھر حالات بگڑتے تو اللہ کریم فرشتوں کی جماعت کو بھیج دیتے جو گمراہ اور بدکار جنات کو قتل کرتے، کسی کو قید کر دیتے اور ان میں سے کسی نیک، شریف کو ان پر حکمران بنا دیتے اور اسے طریقہ سکھاتے کہ اس طرح نیکی اختیار کرو اور برائی سے بچو۔ یوں انہیں اصطلاحاً رسول یعنی پیغام پہنچانے والا کہہ دیا گیا ورنہ جس طرح انسانوں میں نبوت کی استعداد ہے اور ہمیشہ انسانوں میں نبیؐ آئے جن پر وحی کا نزول ہوا یا مکالمہ باری سے سرفراز ہوئے وہ استعداد جنّوں میں نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ملتا ہے کہ جنات فرشتوں کی گفتگو سن لیتے تھے۔ ان میں سے کچھ اخذ کر لیتے تھے دس باتیں اپنے پاس سے ملا کر کاہنوں کو بتاتے جن میں ایک آدھ جملہ درست ہوتا باقی سارا جھوٹ ہوتا تھا۔ بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ان کا آسمانوں پر داخلہ بند کر دیا گیا اور یہی وجہ بنی اس مشہور واقعے کی کہ جب نصیبین کے جنّوں نے یہ مشورہ کیا کہ زمین پر کیا عجیب بات ہوئی ہے کہ ہمارا آسمانوں پر داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ اب جو کوئی بھی جاتا ہے اس پر شہاب ثاقب پڑتا ہے۔ اس تبدیلی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے نصیبین کے جنات کا وفد تلاش میں نکلا۔ مکہ مکرمہ میں جہاں مسجد جن ہے وہاں آپ ﷺ طائف سے واپسی پر صلوٰۃ الفجر پڑھا رہے تھے جب اس وفد نے تلاوت قرآن حکیم بزبانِ رسول مقبول ﷺ سنی تو وہ رک گئے۔ سنتے رہے پھر واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ وہ کلام الٰہی جو کبھی موسیٰؑ پر نازل ہوتا تھا ویسا کلام ایک ہستی پر نازل ہوا ہے اور حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین مبعوث ہو گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا آسمانوں پر جانا بند ہو گیا ہے۔ پھر وہ جنات ایمان لائے اور انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ بھی کی۔

جنات میں نبوت نہ ہونے کی تیسری دلیل علماء نے یہ دی ہے کہ پورے قرآن حکیم میں کہیں جنّوں کے ساتھ جنت میں داخلے کا وعدہ نہیں ہے۔ انہیں جنت جانے کی بشارت نہیں دی گئی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جنات میں سے جو کوئی نیکی کرے گا وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے گا۔ گویا قیامت کو نیک اور بھلے جنات کو جنہوں نے نافرمانی نہیں کی ہوگی ان کو فنا کر دیا جائے گا اور جنہوں نے جرم کیا ہوگا وہ اتنا عرصہ جہنم کی سزا بھگتیں گے

خواہ وہ سزا ہزاروں سال، لاکھوں سال یا کروڑوں سال پر محیط ہو۔ جب سزا پوری کر چکیں گے تب بالآخر فنا کر دیئے جائیں گے۔

شیطان:

شیطان بھی جنوں میں سے ہے لیکن ردّ ہو چکا ہے۔ اس کے پاس توبہ کی گنجائش نہیں ہے نہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ شیطان کی نسل میں سے بعض توبہ کر لیتے ہیں اور ان کی توبہ منظور بھی ہو جاتی ہے۔ خود شیطان کی توبہ قبول نہیں ہوتی نہ اسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ اس طرح شیاطین کی ایک الگ قسم بنتی ہے۔ ابلیس جنات میں سے ہے۔ جنات کی اولاد میں سے ہے۔ ان کے اجداد میں سے نہیں ہے۔ یعنی یہ جنوں کا باپ دادا نہیں ہے۔ بلکہ اس زمانے میں جب فرشتے زمین پر جنات کی اصلاح کے لئے آتے جاتے رہتے تھے اس زمانے میں یہ بچہ تھا اور اسے فرشتے آسمانوں پر ساتھ لے گئے تھے۔ مردود ہو جانے کے باعث شیطان کو کبھی معافی نہیں ملے گی۔ ابدالآباد جہنم میں رہنا ہوگا اور اس کی نسل میں سے اس کے ماننے والے اور جو اس کے پیروکار ہو جائیں گے وہ بھی کفر کے سبب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ارشاد باری ہے يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ اے جنوں کے گروہ، اے انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس میرے پیغام پہنچانے والے نہیں آئے جنہوں نے تمہیں بتایا ہو کہ میرے احکام کیا ہیں؟ اور قیامت کے دن کی حاضری سے ڈرایا ہو کہ حشر میں محاسبہ ہوگا۔ کردار کا احتساب ہو گا۔ اعمال کی پڑتال ہوگی۔ کیا تمہیں یہ سب کچھ بتایا نہیں گیا تھا؟ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وہ کہیں گے ہم اپنے آپ پر خود ہی گواہ کافی ہیں۔ ہم نے غلطی کی اور آپ کے بھیجے ہوئے بندوں کی بات نہیں سنی۔ حضرت آدمؑ تو خود نبی تھے یہاں ان جنات کی بات کی گئی ہے جن پر نیک حکمران مقرر کئے جاتے تھے جو انہیں نیکی کی بات سمجھاتے تھے۔ قوم سے کہتے تھے کہ درست کام کریں۔ اور غلط کام نہ کریں۔ اس طرح ان کے پاس اللہ کا پیغام تو پہنچتا رہا۔ یہ اپنے بارے میں کہیں گے کہ بے شک ہم تک آپ کا پیغام پہنچتا رہا ہم اپنے آپ پر خود ہی گواہ ہیں۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا انہیں دنیا کی زندگی نے بڑی غلط فہمی میں ڈال دیا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ آج یہ اپنے آپ پر گواہی دے رہے ہیں کہ وہ کافر تھے۔ انہوں نے عظمتِ الٰہی کا انکار کیا۔ اطاعتِ الٰہی کو اختیار نہیں کیا اور اپنے ساتھ بہت زیادتی کی۔

انسان اپنے ساتھ زیادتی کیوں کرتا ہے؟

اللہ کریم نے اس کی وجہ ارشاد فرمادی وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ان کی زندگی نے انہیں دھوکے میں رکھا یہ جائز و ناجائز، حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر اقتدار کے پیچھے بھاگتے رہے، مال دولت جمع کرتے رہے۔ اللہ کی عظمت سے غافل ہو کر ہوس دنیا کا شکار ہو گئے۔ حرص و ہوس کی کوئی حد نہیں ہوتی اور اس کے شکار انسانوں کی آرزوئیں کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ جو میسر ہوا اس سے مزید آگے جانے کی تمنا بے قرار رکھتی ہے۔

اسلام نے زندگی کے کسی فطری تقاضے کو پورا کرنے سے نہیں روکا۔ کسی ضرورت کو پورا کرنے سے نہیں روکا لیکن ایک معیار مقرر کیا ہے کہ جائز ذرائع سے حلال کما کر اچھا کھاؤ، اچھے طریقے سے رہو لیکن دوسروں کا حق چھین کر جائز و ناجائز کو بھول کر لذات دنیا حاصل کر کے عیش وعشرت کا دلدادہ بن جانا یہ سراسر اللہ کی نافرمانی ہے۔ جب نافرمانی بڑھتی ہے تو دل کی سیاہی کا سبب بنتی ہے۔ علماء حق لکھتے ہیں کہ ہر گناہ مفضی الی الکفر ہے یعنی گناہ کفر کی طرف کھینچ کر لے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلسل گناہ کرتا ہے اور کبھی توبہ نہیں کرتا تو بالآخر اس کے ہاتھ سے عقیدے کی ڈور بھی نکل جاتی ہے۔ ایمان بھی چلا جاتا ہے۔ لہٰذا جس سے غلطی ہو جائے اسے چاہیئے کہ وہ توبہ کرے۔ توبہ کا مطلب ہے آئندہ وہ گناہ نہ کرے اور اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں۔ لیکن اگر گناہ پہ گناہ کرتا چلا جائے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل پہ مہر کر دیتے ہیں پھر اسے توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی اور وہ اسی طرح زندگی ضائع کر کے دنیا سے چلا جاتا ہے۔ آخرت کے لئے اس نے بنایا ہی کچھ نہیں، جو تھا وہ بھی ضائع کر کے چلا گیا تو ایسی ہی مخلوق کو جنوں اور انسانوں میں سے جمع کیا جائے گا جو ایمان ضائع کر کے گئے ہوں گے۔ اس آیہ مبارکہ میں ان لوگوں کی بات ہو رہی ہے کہ جنہوں نے دنیا کے لالچ میں آکر، دنیا کے عیش وعشرت میں کھو کر اللہ کی عظمت کو بھلا دیا ان کو جمع کر کے پوچھا جائے گا۔ سناؤ بھئی تم کیا کرتے رہے، تو وہ کہیں گے یا اللہ کسی غیر کی گواہی کی ضرورت نہیں ہم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم دنیا کے پیچھے بھاگتے رہے اور ہم نے تیرے احکام کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ تیری عظمت کو ماننے سے بھی انکار کر دیا اور ہم کفر میں ڈوب گئے فرمایا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿۱۳۰﴾ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴿۱۳۱﴾ اور یہ اتنی پڑتال اور یقین اور ان سے اقبال جرم کرایا جائے گا اس لئے کہ اللہ کریم کسی پر رائی

برابر زیادتی نہیں کرنا چاہتے کسی کو اس طرح بھی اللہ ہلاک نہیں کرنا چاہتے کہ ان کے پاس اللہ کا پیغام اور اللہ کی بات پہنچی ہی نہیں اور وہ مانیں گے کیا لہٰذا اللہ کریم ایسے اسباب بناتے ہیں کہ ہر ایک کے کان تک وہ آواز کسی نہ کسی ذریعے سے پہنچتی رہتی ہے۔

اللہ کریم ہدایت کے اسباب پہنچا دیتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جتنے بھی انبیاءؑ مبعوث ہوئے وہ اپنے اپنے زمانے کے لئے اور اپنے اپنے علاقوں میں مبعوث ہوئے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے ہر قوم اور ہر شہر میں نبیؑ بھیجے اور پے در پے بھیجے۔ اور پھر جب آپ ﷺ مبعوث ہوئے تو پوری کائنات پوری انسانیت اور پورے زمانوں کے لئے ہمیشہ تک کے لئے مبعوث ہوئے۔ اس زمانے میں نہ تو ہوائی جہاز تھے، نہ بحری جہاز تھے، نہ ریل اور نہ موٹر گاڑی۔ اونٹ، گھوڑے کی سواری تھی یا لوگ پیدل سفر کرتے تھے۔ تو دور دراز عرب کے ایک حصے میں حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اور پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوئے اور پھر حضور اکرم ﷺ جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف نہیں لے گئے لیکن آپ ﷺ کا پیغام آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں سلاطین عجم تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے انہیں گرامی نامے بھی لکھے۔ نبی کریم ﷺ اعلانِ نبوت کے بعد تئیس سال اس عالم میں جلوہ گر رہے۔ اعلان نبوت کے بعد تئیس برس تک کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور تئیس برسوں میں اسلام کا پیغام دور و نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے بعد خلافت راشدہ کا عہد آیا اور انسانی تاریخ کا یہ عجیب عہد ہے کہ تئیس برسوں میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک آقائے نامدار ﷺ کا پیغام پہنچ چکا تھا یہ اعزاز ہے خلفائے راشدین المھدیین کا کہ آپ کا پیغام پہنچانے کا منصب جلیلہ اللہ نے انہیں عطا کیا اور تئیس برسوں میں سائبیریا سے افریقہ تک اور ہسپانیہ سے چین تک فتوحات اسلامیہ پہنچ چکی تھیں۔ معلوم دنیا کے تین حصے مسلمانوں کے زیر نگین آ چکے تھے اور ایک چوتھائی جو باقی تھا کیا وہاں وہ پیغام نہیں پہنچا ہوگا؟ جس پیغام نے دنیائے معلوم کے تین حصے پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور تب سے لے کر اب تک شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک کوئی ایسا لمحہ نہیں کہ روئے زمین پر کسی نہ کسی علاقے میں، کسی نہ کسی گوشے میں یہ آواز بلند نہ ہو رہی ہو اشھد ان لا الہ اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ اوقات صلوٰۃ بدلتے چلے جاتے ہیں اور آگے اذان ہوتی چلی جاتی ہے۔ ہر جگہ پانچ اذانیں ہوتی ہیں۔ دن بھر میں جوں جوں دن سفر کرتا ہے رات آگے چلتی ہے تو اذانیں چلتی رہتی ہیں اور پورے دنیا کے گلوب کے گرداگرد چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ کسی نہ کسی اذان کی آواز بلند نہ ہو رہی ہو یعنی ہر بندے تک پیغام پہنچ رہا ہے اگر کوئی مان

نہیں رہا،عمل نہیں کر رہا تو صرف وہی ہے جو دنیا کی حرص کا شکار ہو چکا ہے۔ دنیاوی لذات کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔خواہشات کے پیچھے چل رہا ہے۔آج کے نام نہاد مسلمان دانشور بھی عجیب ہیں۔فرماتے ہیں سارے ہی مذاہب اللہ کے ہیں۔کوئی ہندو ہے،کوئی عیسائی ہے،کوئی سکھ ہے،کوئی مسلمان ہے تو یہ سارے مذہب اللہ کے لئے ہیں۔اس طرح تو ایک گلدستہ بن جاتا ہے اور اللہ اس گلدستہ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہوگا۔ یہ تو ہمارے دانشوروں کا حال ہے کہ جس چیز کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے باطل کہا ہے جس کو قرآن کفر کہتا ہے یہ اس پر اللہ کی خوشی کا مدار رکھ رہے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جو محنت فرمائی اور جو تکلیفیں اُٹھائیں وہ (معاذ اللہ) فضول تھیں،صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے جو مجاہدہ کیا پورے روئے زمین پر اسلام کو پہنچایا وہ معاذ اللہ بے معنی ہے۔اگر اس کا مطلب ہے جہاں جو مذہب ہے اللہ کو وہی پسند ہے تو پھر نبی اور رسولؑ بھیجنے کی ضرورت کیا ہے؟ انسانوں نے جو مذہب بنائے ہوئے تھے وہ سب رب کو پسند ہیں یہ کہنے والے آج مسلمان بھی کہلاتے ہیں اور دانشور بھی اور یہی قوم کے رہنما بنے ہوئے ہیں یہ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں ایسا کہنے سے انہیں بعض غیر اسلامی طاقتوں سے پیسے ملتے ہیں،دولت ملتی ہے،داد ملتی ہے، ٹیلی ویژن پر بات کرنے کا موقع ملتا ہے،لوگوں میں واہ واہ ہوتی ہے۔یہ لوگ اس کے پیچھے ہیں۔جب موت آئے گی تو پتہ چلے گا کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے سو ایسی ہی مخلوق کو جمع کیا جائے گا۔ یہ آیہ مبارکہ ان لوگوں کا حال بیان کر رہی ہے لہٰذا ہمیں اس سے عبرت حاصل کر کے اپنے بارے فکر کرنی چاہئے کہ اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا مجھے کلمہ پڑھنے کی توفیق دی تو اللہ سے توفیق طلب کرے اے اللہ مجھے حضور اکرم ﷺ کی غلامی کرنے کی توفیق عطا کر تو فرمایا اللہ تو جانتا ہے اسے کسی سے منوانے کی ضرورت نہیں اور وہ لوگوں کو بھی بتا دے گا۔انہیں یقین کرا دے گا کہ تم نے نافرمانی کی۔لہٰذا تمہیں سزا بھگتنی ہوگی چونکہ قانون فطرت یہ ہے۔اللہ کا قانون یہ ہے ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى کہ تیرا پروردگار کسی شہر کو،کسی آبادی،کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا اس حال میں کہ اس کے رہنے والے غافل ہوں یعنی ان تک اللہ کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو کسی نے انہیں حق و باطل بتایا ہی نہ ہو۔اللہ کریم اس طرح ہلاک نہیں کرتا ہاں جب حق کا انکار کرتے ہیں تو ہلاک ہو جاتے ہیں اگر کہیں کسی زمانے میں کسی نبیؑ کا پیغام نہیں بھی پہنچا ہے جیسے حضور اکرم ﷺ سے پہلے انبیاءؑ خاص قوموں خاص علاقوں اور ایک وقت کے لئے مبعوث ہوتے تھے اب ان کے علاقے سے کوئی باہر ہے اس تک کوئی پیغام ہی نہیں پہنچا تو اس پر بھی توحید باری کا اقرار صنعت باری کو دیکھ کر کرنا لازم ہے۔سورج و چاند کے طلوع و غروب،موسموں کی آمد و رفت،شب و روز کا سفر ہواؤں کا چلنا، روئیدگی، جانور اس سارے کو دیکھ کر اسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ کوئی ایک ہستی ہے جو اس نظام کو بلا شرکت غیرے

چلا رہی ہے اگر دو ہستیاں ہوتیں تو کہیں تو اختلاف ہوتا کہیں کوئی جھگڑا ہوتا ایک کہتا بارش برساؤں گا دوسرا کہتا ابھی نہیں برسانی ایک کہتا سورج طلوع کرنا ہے دوسرا کہتا نہیں گھنٹے بعد کریں گے۔ ایک کہتا ہے اس بیج کو اُگانا ہے دوسرا کہتا نہیں۔ یعنی کوئی دوسرا ہے ہی نہیں جو معیار قدرت نے مقرر کر دیئے ہیں اور جتنے دن بیج کو اُگنے میں لگتے ہیں اتنے دن میں اگتا ہے اللہ نے مقرر کر دیا۔ کوئی تین دن میں اُگتا ہے، کوئی پانچ دن میں، کوئی سات دن میں اسی طرح جتنی ترواتا اسے اُگنے کے لئے چاہیے وہی ہوتی ہے تو اُگتا ہے نہیں ہوتی تو نہیں اُگتا یعنی جتنے ذرائع اور اسباب ہمارے سامنے ہیں ان کے نپے تلے انداز ہیں اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتے اس کا مطلب ہے کوئی ایک ہی ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے اگر کسی تک تعلیمات نبوت نہیں پہنچیں اور وہ مظاہر قدرت کو دیکھ کر اللہ کی الوہیت اور واحدانیت تک پہنچ چکا ہے تو وہ ناجی ہے وہ بھی مسلمان ہے لیکن جہاں اللہ کا پیغام پہنچ جاتا ہے جیسے آدمؑ سے پہلے جنات پر جو حاکم مقرر کئے گئے ان کے ذریعے انہیں نیکی اور بدی کی باتیں فرشتوں نے سمجھا دیں اور جب آدمؑ آئے تو نبوت آ گئی جنوں کو انبیاءؑ کے تابع کر دیا گیا کہ جو نبیؑ مبعوث ہوگا اس کی اطاعت تم پر بھی لازم ہوگی۔ اللہ کا قانون ہے کہ اللہ کسی پر زیادتی نہیں فرماتا ہاں اس کا پیغام سننے کے بعد یا اس کے مظاہر قدرت دیکھنے کے بعد نہیں مانتا پھر وہ اپنے کردار کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوگا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ اور ہر عمل کا اور ہر عمل کرنے والے کا ایک درجہ ہے سب کو ایک جیسا نہ انعام ملے گا نہ سب پر ایک جیسا عذاب ہوگا۔ جتنی کسی نے نافرمانی کی ہوگی اور جس درجے میں نافرمانی کی ہوگی۔ اتنی سزا پائے گا اور جتنی جس درجے کی نیکی ہوگی اور جس خلوص سے کسی نے اطاعت کی ہوگی اتنا انعام پائے گا یہ نہیں ہے کہ ایک قوم کی قوم کو اٹھا کر ایک گڑھے میں پھینک دیا جائے یا ایک قوم کی قوم کو اٹھا کر جنت میں بھیج دیا جائے۔ نہیں۔ اللہ کریم بڑا باریک بین ہے ہر ایک کی نیت ہر ایک کے ارادے اور اس کے خلوص سے واقف ہے اس کے کردار اور اس کے عمل سے واقف ہے اور ہر شخص اپنے کئے کی جزا پائے گا اگر اس نے اچھا کیا ہے تو اچھا بدلہ پائے گا، برا کیا ہے تو برا پائے گا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ تیرا پروردگار لوگوں کے کردار سے غافل نہیں ہے۔ ہر عمل کی اس کو خبر ہے اور ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں جیسے میں کسی کا حق مار رہا ہوں تو ہوسکتا ہے حکومت مجھے نہ پکڑے، ہوسکتا ہے جس کا حق مار رہا ہوں اسے بھی پتہ نہ ہو کہ اس کا حصہ میں نے کھا لیا ہے ہوسکتا ہے کہ لوگ دنیا میں مجھے پارسا سمجھتے ہوں اور میں ان کے حقوق پر ڈاکہ مارتا رہا ہوں فرمایا یہ انسانوں میں تو چل سکتا ہے اللہ کی بارگاہ میں نہیں۔ اسے سب پتہ ہے تیرے ارادے کا بھی، تیری نیت کا بھی، تیرے عمل کا بھی اور ہر فرد کے عمل سے وہ ذاتی طور پر واقف ہے۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ صرف آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے۔

دنیا کا نظام احتیاج پر ہے:

ہم سب محتاج ہیں جس کے پاس وسائل ہیں اسے امیر کہتے ہیں اگر غریب نہ ہوں تو اس کا دن نہیں گزرتا اسے خدمت کے لئے خدمت گار چاہے، کپڑے دھونے کے لئے، کھانا بنانے کے لئے، ہر کام کرنے کے لئے اسے کسی نہ کسی غریب کی ضرورت پڑتی ہے اور جتنے غریب اور مفلس ہیں انہیں کسی نہ کسی امیر کی ضرورت پڑتی ہے کہ انہیں روزگار ملے وسائل ملیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں، ہم ضرورتوں میں جکڑے ہوئے ہیں، بیمار کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے لیکن اگر بیمار نہ آئیں تو ڈاکٹر کا دواخانہ بھی بند ہوجائے اس کا شفاخانہ بھی بند ہوجائے وہ بھی محتاج ہے کہ بیمار اس کے پاس آئیں۔ دنیا کا نظام احتیاج پہ ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ جاہل کو پڑھے لکھے کی ضرورت ہے تو پڑھے لکھے کو بھی ان لوگوں کی ضرورت ہے جو اس سے علم سیکھنا چاہئیں جو اس کے علم سے استفادہ کرنا چاہئیں لیکن اللہ جل شانہٗ کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ غنی ہے، ساری مخلوق نہ ہو تو اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور وہ اسی طرح کی ہزاروں مخلوقات پیدا کردے تو اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مخلوق اس کی محتاج ہے۔ وہ مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہو۔ کتنا لحاظ رکھتے ہو ایک دوسرے کا۔ کوئی کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتا کہ میرا یہ نظام چلتا رہے۔ یہ بندہ میرے پاس کام کرتا رہے۔ کوئی مزدور، کوئی غریب، کسی بڑے آدمی سے بگاڑنا نہیں چاہتا کہ میرا روزگار نہ چلا جائے وہ جو بغیر کسی غرض کے ہے اسے کسی سے کوئی غرض نہیں ہے وہ محتاج نہیں ہے۔ وہ تمہارا پروردگار ہے۔ وہ تمہیں کتنی نعمتیں دے رہا ہے جس سے اس کی کوئی غرض نہیں۔ تم ہو تو بھی اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ بے پناہ نعمتیں، زندگی، حیات، قوت گویائی، سماعت، بصارت، سوچنے کی طاقت یہ دماغ، دل، خواہشات، آرزوئیں، جسم و جان، اولاد، مال، گھر، عزت جس نے دے رکھی اس کی عطا کا بھی کوئی شکر ادا کرتے ہیں۔ وہ تو غنی ہے اور ذُو الرَّحْمَةِ بڑی رحمت والا ہے۔ تھوڑا سا شکر ادا کرو وہ بے شمار اجر عطا فرماتا ہے لیکن اگر تم ناشکری کرو گے تو اس کا کیا بگڑتا ہے اس کا نقصان تمہیں ہوگا۔ اللہ کی ناشکری آخر انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ جب وہ چاہے گا تم سب کو فناء کردے گا اور تمہارے بعد نئی قوم کو پیدا کردے گا نئے لوگ آجائیں گے بالکل اسی طرح آگے ارشاد فرمایا كُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ﴿۱۳۳﴾ جس طرح تمہیں پہلوں کی نسل سے پیدا کردیا۔ آخر تم سے پہلے بھی تو یہ معمورۂ عالم آباد تھا۔ تم نہیں تھے پھر تم آئے تو پہلے چلے گئے زیر زمین دفن ہوگئے آج ان میں سے کوئی نہیں ملتا۔ تم کو

بھی چلے جانا ہے اور پھر اور آ جائیں گے۔ اس کی آبادی اس کے معمورہ عالم کو کسی کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کتنے کتنے بڑے لوگ دنیا میں آ کر چلے گئے لیکن سورج اسی طرح طلوع ہو رہا ہے اسی طرح غروب ہو رہا ہے۔ چیزیں اسی طرح زمین سے اُگ رہی ہیں۔ جانور اسی طرح زمین پہ پھر رہے ہیں۔ پرندے ویسے ہی ہیں۔ سمندر ویسے ہی موجود ہیں۔ کاروبار، حکمرانی، سلطنت و سیاست کون سا کام ہے جو کسی کے جانے سے رک گیا۔ فرمایا اس کائنات پہ تمہارے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے، تمہاری جگہ اور پیدا کر دے، جس طرح تمہیں پہلوں کی نسل سے پیدا کر کے ان کی جگہ دے دی اس لئے یاد رکھو یہ جو نظام چل رہا ہے مخلوق آ جا رہی ہے اگر اس کا کوئی انجام بھی نہ ہو تو پھر جس نے دنیا میں لوٹا مارا قتل عام کیا، لوگوں کی دولت پر عیش کرتا رہا، وہ موج کر گیا اور جو کمزور تھا وہ مار کھاتا رہا اور مر گیا اور بات ختم ہوگئی اتنا اندھیرا اس کی بارگاہ میں نہیں ہے اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ تمہارے ساتھ جس یوم حساب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ یقینا آئے گا۔ ظالم سے حساب ہوگا مظلوم کو انصاف ملے گا، وہ دن ضرور آئے گا وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اور تم میں سے کوئی بھی قیامت کے آنے کو روک نہیں سکتا۔ اگر قیامت قائم نہ ہو تو پھر اللہ کا عدل کہاں گیا پھر تو ظالم اور بدکار جیت گئے کہ انہوں نے لوگوں کو قتل بھی کیا ان کی عزتیں بھی لوٹیں، ان کا مال بھی لوٹا، عیاشی کرتے کرتے دنیا سے چلے گئے۔ اگر انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تو پھر تو وہی موج میں رہے، کمزور دنیا میں بھی مار کھاتا رہا اور پھر مر گیا، فناء ہو گیا۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے عدل اور انصاف کا وعدہ کیا ہے اور وہ وقت ضرور آئے گا جب ہر ایک کو حساب دینا ہوگا وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ تم اس کو روک نہیں سکتے۔ سو میرے حبیب ﷺ! ان سے کہہ دیجئے اے میری قوم يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو جو چاہتے ہو کرتے رہو چونکہ ایک دن سب کو انجام پہ پہنچنا ہے اگر تم اللہ کے نبی کریم ﷺ کی بات مان لو تو فائدے میں رہو گے۔ نہیں مانتے، اپنی من مانی کرتے ہو تو کب تک کرو گے بڑھاپا تمہارے قویٰ مضمحل کر دے گا تم کچھ کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔ چھوٹا سا فالج کا حملہ ہوگا، تمہاری زبان بند ہو جائے گی، تم بول بھی نہیں سکو گے، کچھ بھی نہیں کر سکو گے، محض بڑھاپا تمہارے ہاتھ پاؤں کو معذور کر دے گا اور تم چلنے کے قابل بھی نہیں رہو گے پھر موت تمہیں اس دنیا سے لے جائے گی۔ سو جو چاہتے ہو کر لو۔ فرمایا جو اللہ نے حکم دیا ہے میں اس کے مطابق عمل کر رہا ہوں تم اپنا عمل کرو میں بھی اپنا عمل کر رہا ہوں۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ بہت جلد اس بات کا فیصلہ ہو جائے گا کہ آخرت میں کون اپنے سلامتی

کے گھر میں پہنچا، کس کا کردار ایسا تھا کہ وہ اپنے گھر پہنچا، مومن کا گھر تو جنت ہے اور جہنم کے لئے قرآن نے فرمایا ہے اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ البقرہ :24 جہنم تو کافروں کے لئے بنائی گئی ہے۔ مسلمانوں کے لئے نہیں بنی اب کتنا ہی بڑا بد بخت ہے جسے اللہ اسلام نصیب کرے اور وہ اپنا کردار کافروں جیسا اختیار کر لے اور بہت بدنصیب ہے جو دنیا میں ایمان بھی ضائع کر جائے گا اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا جو بنی تو کافروں کے لئے ہوئی تھی یہ پیدا مسلمانوں کے گھر میں ہوا، اور اپنی برائی اور بدکرداری کی وجہ سے ادھر چلا گیا تو فرمایا آخرت میں جا کر پتہ چلے گا کہ آخرت کس کے لئے مفید ثابت ہوئی اور کس کو وہاں کامیابی نصیب ہوئی۔ اسی لئے یہ اصول ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والوں کو کبھی بہتری نصیب نہیں ہوتی۔ ظالموں کو کبھی کامیابی نہیں ملتی اور آخرت کی ناکامی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ اور سب سے بڑا شرک ظلم ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ لقمان :13 اللہ کی ذات اور صفات کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے پھر ہر حکم کی اہمیت کے مطابق اس کی حکم عدولی اتنا ہی بڑا جرم ہے۔ سُنّت کا سُنّت کے مطابق، واجب کا واجب کے مطابق، مستحب کا مستحب کے مطابق گویا یہ زندگی ایک جہد مسلسل ہے اور ہم اثنائے سفر میں ہیں اور ہمیں گھر پہنچنا ہے اب اگر کوئی حضور اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر ان آداب اور ان قواعد کے ساتھ چلے گا جو حضور اکرم ﷺ نے فرما دیئے تو وہ سلامتی سے اپنے گھر پہنچ جائے گا اور اگر کوئی لاپرواہی کرے گا، جہاں جی چاہا اس نے سواری کی باگ موڑ لی اور سیر سپاٹے میں اور جنگلوں میں گم ہو گئے تو پھر تباہی کے سوا اس کا کوئی انجام نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل دنیا میں تم اس طرح رہو جیسے تم سفر میں ہو مسافر ہو او عابر سبیل یا راہ چلتے لوگ ہو وعد نفسك من اهل القبور اوکما قال رسول اللہ ﷺ (البخاری) اور اپنے آپ کو قبروں میں رہنے والوں میں شامل رکھو کہ مجھے قبر میں جانا ہے میں بھی ان میں سے ہوں جو قبر میں چلے گئے۔ وہ پہلے چلے گئے مجھے چندے بعد جانا ہے تو اپنے کردار پر یہ نظر رکھو کہ جب قبر میں جاؤ تو تمہارا کردار تمہارے لئے نافع ہو۔ کامیابی کا سبب بنے اور تمہیں وہاں نجات نصیب ہو اللہ کی رحمت نصیب ہو۔

رکوع کے اس حصے میں ان باطل رسومات کا تذکرہ ہے جن کا نتیجہ گمراہی ہے۔ فرمایا: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا جو کھیتی ان کو حاصل ہوتی ہے یا جو جانوران کے پاس ہوتے ہیں اس میں یہ کچھ حصہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور کچھ حصہ باطل معبودوں کا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ اپنے وہم کے مطابق کہتے ہیں کہ اتنا حصہ اللہ کا ہے اور اتنا ہمارے بتوں کا جنہیں ہم اللہ کا شریک سمجھتے ہیں۔ پھر اگر کھیتی کم ہو تو کہتے ہیں کہ بتوں کا حصہ تو پورا کرنا ہے لہٰذا جو حصہ اللہ کے لئے مختص کیا تھا اس میں سے لے کر بتوں کا حصہ پورا کرنا ہے کہ اللہ کو کیا محتاجی ہے۔ اللہ کا حصہ کم ہو گیا تو کوئی حرج نہیں فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ ۚ پھر اس میں سے اللہ کو نہیں دیتے۔ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَآئِهِمْ ۗ جو اللہ کا حصہ رکھا ہوتا ہے اس میں سے بتوں کا حصہ پورا کر دیتے ہیں سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝ یہ سب کچھ جو یہ کرتے ہیں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ وہ کام ہیں جو اللہ سے دور کر دیتے ہیں۔ عقیدے میں جو گناہ بطور ثواب داخل ہو جاتے ہیں اور بندہ انہیں باعث ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو یہ بدعت ہے۔ جو گناہ عملاً ہو جاتے ہیں ان کی تلافی پھر ہو جاتی ہے۔ بندے کو احساس ندامت گھیر لیتا ہے۔ گناہگار پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے کہ وہ دل میں گناہ کو گناہ ہی سمجھتا ہے اگرچہ عملاً اس سے غلطی ہو جاتی ہے۔ لیکن جو رسومات دین کے نام پر جاری کی جاتی ہیں وہ اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں۔ جب بندہ رسومات کو دین کا حصہ بنا کر اسے ثواب سمجھتا ہے تو وہ اس سے توبہ کیسے کرے گا؟ یہ بدعت کا وبال ہے۔ بدعت کہتے ہیں اس نئی چیز کو جو حضور اکرم ﷺ سے، سلف صالحین سے ثابت نہ ہو، اپنی طرف سے بنا کر اسے دین کا حصہ بنا دیا جائے، اس کا نام دین رکھ دیا جائے۔ بدعت کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اس سے توبہ نصیب نہیں ہوتی کہ بدعتی اسے نیک کام اور باعث ثواب سمجھ کر کرتا ہے تو پھر وہ ثواب سے توبہ کب کرے گا! رسومات کی خرابی ہی یہ ہے کہ جہاں کوئی رسم دین میں جاری کی جاتی ہے وہاں کوئی سنت گرا دی جاتی ہے یعنی جہاں دین کا کوئی حکم چھوٹ جاتا ہے وہاں رسومات اور رواجات آ جاتے ہیں۔ مشرکین کا بھی یہی خیال تھا کہ بتوں کے آگے غلے کا ڈھیر لگا دو اس سے ہماری دنیاوی امداد ہوگی۔ بت ہمارے کام آئیں گے۔

کلمہ طیبہ کی قوت ہے کہ اس کلمے کی ضرب بتوں پر ایسی کاری لگی کہ کوئی کلمہ گو کسی بت کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ہم کلمہ گو بھی بتوں کی پوجا نہیں کرتے لیکن ہم نے انبیاءؑ، اولیاءؒ اور صلحا کے مزارات کو یہی درجہ دے رکھا ہے۔ کہیں کسی نے کسی مزار پر بکرا چڑھانے کے لئے معین کر دیا ہے کسی نے کوئی جانور کسی بزرگ کے نام منسوب کر رکھا ہے کہ وہیں جائے گا، اسی خانقاہ پہ ذبح ہوگا اسے کوئی نہیں چھیڑ سکتا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ گھوڑا حضرت حسینؓ سے منسوب ہے اس پر کوئی سواری نہیں کر سکتا۔ کوئی کہتا ہے کہ ان بھینسوں اور گایوں کا دودھ کوئی نہیں پی سکتا ان کا دودھ مقررہ دنوں میں فلاں خانقاہ پر جائے گا پھر کسی اور کے کام آ سکتا ہے اس سے ہماری مراد بھی وہی ہوتی ہے جو قبل از اسلام مشرکین کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ بت ان کی مدد کریں گے اور ہم سمجھتے ہیں

کہ صاحب قبر ہماری مدد فرمائے گا۔ ہم نے ان بدعات کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے نام سے گیارہویں شریف کی ایک باقاعدہ رسم منسوب کر دی گئی ہے۔ یہ اس قدر بڑھی ہے کہ چور اور ڈاکو بھی اپنے مال حرام میں ان کا حصہ مانتے ہیں کہ ڈاکے اور چوری سے حاصل کئے گئے مال سے پیر صاحب کو حصہ دیں گے۔ یہ کیا خرافات ہیں؟ یہ وہ عمل ہے جو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔

دین کی اساس:

اسلام بڑا سیدھا، سادہ اور صاف دین ہے۔ حاکمیت اعلیٰ اللہ کریم کی ہے۔ وہ دنیا میں جنہیں اختیار و اقتدار دیتا ہے وہ ان کے پاس اللہ کی امانت ہوتی ہے۔ وہ اس بات کے مکلف ہوتے ہیں کہ اللہ کا دین نافذ کریں۔ اللہ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کریں۔ سارے کا سارا دین وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا اور یہی دین کی اساس ہے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو یا خود عمل فرمایا ہو یا تعلیم فرمایا ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بہت بڑے فقیہہ تھے۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ نماز خوف اور نماز حضر (مقیم کی نماز) کا تذکرہ تو قرآن میں مل جاتا ہے لیکن سفر کی حالت میں نماز کس طرح ادا کی جائے اس کی بابت قرآن میں کچھ نہیں ملتا؟ آپؓ بہت بڑے فقیہہ تھے اور بہت علمی دلائل دے سکتے تھے لیکن انہوں نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔ فرمایا: بیٹا! ہم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے، ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ اللہ کون ہے، آخرت کیا ہے، ثواب و گناہ کیا ہے، عذاب کس کو کہتے ہیں، انعام کیا ہے؟ ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ ﷺ نے ہمیں یہ تمام چیزیں تعلیم فرمائیں اور صلوٰۃ کے تمام احکام بھی آپ ﷺ نے تعلیم فرمائے اس لئے ہم ان پر عمل کرتے ہیں۔ یہ بات دین کی اساس ہے۔ یہ اتنی سادہ بات ہے جو ایک عام آدمی ایک ان پڑھ شخص بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے، علمی دلائل تو شاید بہت علم رکھنے والوں کے لئے ہوں لیکن ان کی یہ سادہ سی بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ قرآن بھی تو محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے تو ہم مان گئے۔ حضور اکرم ﷺ کا عمل اور ارشاد ہی قرآن حکیم کی تفسیر ہے اور جس کام کا حکم آپ ﷺ نے دیا وہی دین ہے اور حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا ہی دین ہے اس لئے ہم تو رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۤؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَاۤءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝١٣٧ جرم کر کے اس پر فخر کرنا ایک سزا

ہے۔ جو لوگ اللہ کی عظمت کو بھول کر برائی کو اپنا لیتے ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو مانتے ہیں۔ انہیں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں تو پھر ان پر اللہ کی طرف سے ایک سزا یہ بھی ہوتی ہے کہ بندہ برائی کر رہا ہوتا ہے اور اس برائی کو برا نہیں سمجھ رہا ہوتا۔ یہ ایسی سزا ہے کہ بندے کو مہلت دی جا رہی ہوتی ہے اور وہ اسے اپنی بڑائی سمجھتا ہے۔ معاشرے میں ایسے کتنے ہی لوگ ملتے ہیں جو ڈاکہ کرنے پر فخر کرتے ہیں بعض لوگوں کو قتل کرنے پر فخر ہوتا ہے کہ اتنے بندے قتل کر دیئے اور کسی نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا۔ جرم کر کے اس پر فخر کرنا اللہ کی طرف سے ایک ایسا عذاب ہے کہ وہ برائی اس کی نگاہوں میں قابل فخر ہو جاتی ہے۔ یہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنے بچوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جیسے مشرکین عرب اپنی بچیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے یا قتل کر کے دفن کر دیتے تھے۔ بچیوں کا قتل کرنا اور پھر اس پر فخر کرنا یہ نتیجہ ہے عظمت الٰہی سے منہ موڑ کر رسومات کو دین بنانے کا۔ فرمایا، انہوں نے افتراء کرنا، بدعت جاری کرنا پسند کر لیا ہے تو یہ انہی رسومات کی بدولت تباہ ہو جائیں گے۔ انہیں برباد کر دیا جائے گا۔ یہ دنیا میں اپنے لئے مصیبتیں کھڑی کر لیں گے اور آخرت میں اپنے لئے جہنم بھڑکاتے رہیں گے۔ قتل اولاد کا سیدھا معنی اولاد کو قتل کر دینا ہے لیکن قتل اولاد کی صورتیں کئی ہیں۔

قتل اولاد:

قتل اولاد کی تشریح کی جائے تو میں سمجھتا ہوں قتل اولاد میں یہ بھی آتا ہے کہ بچوں کو دین سے آشنا ہی نہ کیا جائے۔ یہ بھی قتل کی ایک صورت ہے کہ ہم اولاد کو نیکی بدی میں تفریق نہ سکھائیں۔ اللہ کا تصور نہ دیں، دین کا تصور نہ دیں، رسول اللہ ﷺ کی عظمت بیان نہ کریں، صحابہ کرامؓ کی عظمت نہ بتائیں، قرآن حکیم کی اہمیت بیان نہ کریں، سنت کی اہمیت بیان نہ کریں۔

تلوار پکڑ کر قتل کر دیا یا زندہ دفن کر دیا۔ وہ بچے مر گئے تو آخرت میں تو نجات پا جائیں گے کہ بے گناہ مارے گئے لیکن دین سے بے بہرہ رکھ کر اولاد کو جہنم کی طرف جھونک دینا ایسا قتل ہے کہ بچہ آخرت میں ہمیشہ کے عذاب کا شکار ہو جائے گا۔

گذشتہ دنوں ایک خاتون تشریف لائیں۔ قیمتی گاڑی اور لباس سے امیر گھرانے کی خاتون نظر آتی تھیں۔ پوچھا مسئلہ کیا ہے؟ کہنے لگیں میرا بیٹا بیرون ملک پڑھتا ہے وہاں وہ ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے آپ دعا کریں وہ ہندو سے شادی نہ کرے۔ میرا بیٹا برباد ہو جائے گا۔ میں نے کہا بی بی تیرا بیٹا تیرے پاس پندرہ سولہ برس تو رہا ہوگا پھر باہر پڑھنے گیا ہوگا۔ یہاں سے کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کر کے گیا ہوگا۔ کیا تو

نے اسے بتایا کہ اسلام کیا ہے، کفر کیا ہے؟ کافر کے ساتھ کہاں تک تعلق رکھا جا سکتا ہے اور اس سے آگے جائز نہیں ہے۔ حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ جائز و ناجائز کی حدود کیا ہیں؟ اللہ تعالیٰ کون ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ قرآن کریم کون سی کتاب ہے؟ حدیث مبارکہ کیا ہے؟ یہ سب کچھ تو نے بچے کو بتایا تھا؟ ہم میں یہی کمی ہے کہ ہم نہیں بتاتے۔ اب جب وہ جوان، بالغ ہو گیا ہے اور اسے مسلمان اور کافر کی تمیز ہی نہیں تو اب وہ وہاں کیا کرے گا؟ میں تو دعا کرتا ہوں اللہ کریم اسے ہدایت دے لیکن تم نے تو اسے قتل کر دیا۔ تم نے اس کی عاقبت، آخرت تباہ کر دی ہے۔ تم صرف اسے دولت کا ذریعہ بناتی رہی کہ میرا بچہ محض دنیاوی علوم پڑھ جائے گا تو مزید دولت آئے گی۔ دنیاوی سٹیٹس کے لئے تو آپ بہت سمجھ دار ہیں، جسمانی بیماریوں کے لئے تو اتنے حساس ہیں کہ بچے کو زکام لگ جائے اور بخار ہو جائے تو پریشان ہو جاتے ہیں اور اسے جہنم میں جھونکتے ہوئے کوئی احساس نہیں ہوتا۔

بچوں کی تربیت:

اس کام میں ایک ہی مشکل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم تو جیسے ہیں ویسے ہی رہیں بس بچہ نیک ہو جائے۔ بچہ ایسے کیسے نیک ہو سکتا ہے۔ اسی مشکل کے باعث ہم بچوں کو سکھا نہیں سکتے۔

بچے سادہ اور سچی فطرت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کا لوحِ دل صاف ہوتا ہے۔ ہر بچہ قدرتی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا بہترین مرد میرا باپ ہے، دنیا کی سب سے اچھی عورت میری ماں ہے۔ والدین ہی بچے کے سامنے ہوتے ہیں۔ اب اگر ہم بچے کو کہیں اللہ تعالیٰ کو مانو اور خود نہ مانیں۔ بچے سے کہیں حلال اور پاک چیزیں کھاؤ اور خود اس میں تمیز کئے بغیر کھائیں۔ بچے سے کہیں وضو کرو، صلوٰۃ ادا کرو اور خود نہ کریں تو بچہ پریشان ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہم خود دین پر عمل نہیں کرتے اس لئے ہم بچوں سے اس موضوع پر بات ہی نہیں کرتے کہ پھر بچہ تو پوچھے گا کہ ہمیں تو کہتے ہو خود کیوں نہیں کرتے۔ جو خود بے نماز ہے وہ بچے کو کیسے قائل کرے گا۔ جو خود قرآن کریم نہیں کھولتا وہ بچے کو اس کی اہمیت کیا بتائے گا؟ بچے کو سکھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم پہلے خود عمل کریں گے۔ ہم زبان سے نہ بھی کہیں گے تو وہ ہمیں دیکھ کر خود ہی سیکھتا چلا جائے گا کہ یہ کام اچھا ہے میرے ابو کرتے ہیں، یہ کام اچھا ہے جو میری امی کرتی ہیں لیکن کیا ہم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم بچوں کو کیا سکھا رہے ہیں؟

دنیا کی زندگی وہ مہلت عمل ہے جس میں ہر ایک اپنی آخرت کو بنا بھی سکتا ہے اور نافرمانی کر کے دین کو رسومات کی نذر کر کے اپنے لئے جہنم بھڑکاتا ہے۔ ہر کوئی دنیا سے اپنی آگ لے کر جاتا ہے۔ ایک حدیث

پاک کا مفہوم ہے کہ جنت میں کچھ نہیں ہے تم نے اپنے لئے باغ خود بنانا ہے۔ پودے لگانے ہیں، پھل دار پودے، خوشبوؤں سے مہکتا باغ تمہارے اعمال صالحہ سے بنتا ہے۔ یہاں تم نیک اعمال کرتے جاؤ وہاں یہ چیزیں بنتی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی نشانی:

اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ جب یہ قتل اولاد کر کے فخر کرتے ہیں تو ان کے لئے جہنم کی آگ بھڑکتی جاتی ہے۔ یہ بڑی واضح نشانی ہے کہ جب برائی کر کے برائی اچھی لگنے لگے تو بندہ برائی میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ فرمایا، یہ اس لئے ہے کہ انہیں تباہ کر دیا جائے ان کا دین بھی تباہ ہو جائے گا۔ اگر اللہ چاہتا، اگر یہ اللہ کی پناہ لیتے، اگر ان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو اللہ کریم انہیں ان ساری برائیوں سے بچا کر اطاعت کی توفیق ارزاں کر دیتے۔ یہ فیصلہ کرنا تو انسان پر ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ اگر اللہ چاہتا، اللہ کی طلب اگر ان کے دل میں پیدا ہوتی اور یہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا فیصلہ کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں تمام برائیوں سے بچالیتا۔ لیکن فرمایا فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴿۱۳۷﴾ انہیں چھوڑ دیجئے اور جو جھوٹ انہوں نے جوڑ رکھا ہے اس کی بھی پرواہ نہ کیجئے یہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

رسومات کو دین بنانا اللہ تعالیٰ پر اِفترا باندھنا ہے:

افترا کا معنی ہے بہتان باندھنا۔ مشرکین کبھی کہتے کہ اس جانور پر سواری منع ہے، بتوں کے لئے ہے، اس سے کوئی نہ کھائے، جانوروں پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیتے۔ فرمایا جارہا ہے کہ رسومات کو دین بنا کر یہ لوگ اللہ پر بہتان باندھنے کے مجرم ہوتے ہیں اور عنقریب انہیں بہتان باندھنے کے جرم میں سزا بھگتنی پڑے گی۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴿۱۳۸﴾ آیات میں ان تمام رسومات کا ذکر ہے جو مشرکین نے مشکلات دور کرنے کے لئے ایجاد کیں۔ دنیا میں جتنے باطل مذاہب ہیں ان میں عبادت کے نام پر جتنی رسومات کی جاتی ہیں وہ صرف مفادات کے حصول کے لئے ہوتی ہیں کہیں ایک دیوی کی پوجا رزق کے حصول کے لئے ہوتی ہے اور کسی دوسری دیوی سے بیماری ٹھیک ہو، کا عقیدہ وابستہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش برسانے والا دیوتا اور ہے، اور مصیبت دور کرنے والا دیوتا کوئی

اور۔ اسلام نے ان سارے توہمات کو باطل قرار دے کر بڑی سیدھی سادی زندگی کا معیار دیا ہے کہ دنیا کا نظام اللہ کریم کے دست قدرت میں ہے۔ انسان دنیا میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے کا مکلف ہے۔ دنیا کے سارے کام اگر دیوتاؤں نے ہی کرنے ہیں تو بندہ کس لئے ہے؟ نیکی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کے اتباع کر کے ہی کمائی جاسکتی ہے۔ رسومات پرعمل کر کے اور محض دنیاوی مفادات کے لالچ میں بزرگوں کی قبروں سے وابستہ ہو جانا شرک ہے۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ فلاں مزار پر جانے سے بیماری ٹھیک ہو جائے گی۔ فلاں مزار پر حاضری سے بچے کو نوکری مل جائے گی اور فلاں جگہ جا کر جانور ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ شرک ہے، ظلم ہے اور یہ درست نہیں۔ مشرکین بھی یہی کرتے تھے جس کی ممانعت آرہی ہے۔ ہمارے ہاں بھی بدقسمتی سے یہی رسومات در آئی ہیں۔ قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ اسلام واضح ہے۔ اس میں حلال و حرام واضح ہے، جائز و ناجائز کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ قرآن حکیم نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے ہے اور تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جب اس قسم کی آیات آتی ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ کافروں کے بارے میں ہیں۔ درست۔ اس وقت یہ کافروں کے بارے نازل ہوئیں لیکن قرآن حکیم کے احکام ہمیشہ کے لئے ہیں۔ آج بھی اگر کوئی کلمہ گو ویسا ہی عمل کرے گا جو کافر کرتا ہے تو اس پر بھی وہی حکم لاگو ہوگا۔ جس طرح نیکی کے بارے جو آیت آتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ کے حق میں اتری تھی۔ ٹھیک ہے صحابہ کرامؓ کے حق میں ہی اتری تھی لیکن اگر کوئی مسلمان، صحابہ کرامؓ کا اتباع کرے تو وہ بھی اللہ کے اس انعام کا مستحق ہوگا لیکن اپنے درجے میں بے شک قرآن حکیم کی آیات کا شانِ نزول ہے لیکن یہ اصول یاد رکھیں کہ شانِ نزول خاص ہے اور قرآن کریم کا حکم عام ہے کہ اللہ کی یہ کتاب قیامت تک کے سارے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہے لہٰذا ہم جو عمل بھی کرتے ہیں اس کے ثبوت کے لئے قرآن وسنت سے دلیل لازم ہے۔

یہ طے ہے کہ دین اسلام مکمل ہو چکا۔ نبی کریم ﷺ خاتم النبیین مبعوث ہو چکے۔ دین کی تکمیل ہو چکی۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ سے کہلوا دیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ المائدہ:3 آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا۔ جو انعامات مخلوق کو عطا کرنے تھے وہ اس دین میں سمو دیئے گئے۔ اپنی نعمت تم پر تمام کر دی۔ اب جو نعمت بھی کسی نے حاصل کرنی ہے وہ اس دین کے راستے سے ہی حاصل ہو سکے گی۔ میری بارگاہ میں اسی راستے سے آؤ میں نے اسلام کو تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پسند کر لیا ہے اب کوئی نیا دین نہیں آئے گا، نبی نہیں آئے گا، کتاب نہیں آئے گی۔

کیا حلال ہے کیا حرام، کیا جائز ہے کیا نا جائز، کیا فرض ہے، کیا واجب، کیا سنت ہے، کیا مستحب اور کیا مباح ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے۔ دین مکمل ہو چکا ہے۔ کوئی گنجائش ہے کہ آج ہم اپنی طرف سے یہ ایجاد کر لیں کہ دنبہ فلاں قبر پر چڑھا دو اور کوئی اور شئے فلاں بزرگ کے مزار پر چڑھا دو۔ بت کی نذر کرنے اور بزرگ کے مزار پر چڑھانے میں کیا فرق ہے؟ یہی کہ انہوں نے بت کو دیا اور یہ صاحبِ مزار کو دے دیتے ہیں۔ انہوں نے تو دہرا ظلم کیا کہ اللہ کے کسی نیک بندے کو وہ حیثیت دے دی جو ایک بت کی ہے۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

رسوماتِ بد میں سے ایک رسم یہ بھی رائج تھی کہ مخصوص کر دیتے تھے مردوں کے لئے جانوروں کے پیدا ہونے والے بچے کو اور اگر وہ مردہ پیدا ہوتا تو اجازت تھی کہ اس میں سے خواتین بھی کھا لیں۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

اللہ کریم ان کے کفر و شرک پر مبنی عقائد و اعمال پر مرتب ہونے والی سزا سے آگاہ فرما رہے ہیں۔ اس آیت میں خصوصی طور پر قتل اولاد پر وعید سنائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ ایسے گمراہ ہو چکے ہیں کہ ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اس سب کا سبب دین میں اختراع کرنا ہے یعنی اپنی طرف سے باتیں جوڑ کر دین بتانا۔ اگر مشرکین عرب کا یہ وطیرہ تھا کہ اللہ کا حکم ماننے کے بجائے اپنی پسند سے مقرر کر لیتے تھے کہ یہ اللہ کا حصہ ہے۔ اس کھیتی میں سے بالفرض دس من غلہ ہوگا تو ہم اتنا بتوں کو دیں گے اتنا اللہ کے لئے نکالیں گے پھر بتوں کو پورا حصہ دے دیتے تھے کہ بت ناراض نہ ہوں اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کی مصیبتیں بت دور کریں گے تو آج کے مسلمانوں نے بھی دین کو نہ سمجھنے کی وجہ سے، دین سے دوری کی وجہ سے بزرگان دین کے مزارات کو ان بتوں کی جگہ پر رکھ لیا ہے۔ کہیں مرغ ذبح کیا جاتا ہے کہیں گائے، کسی خانقاہ سے کچھ امیدیں وابستہ ہیں اور کسی سے کچھ اور۔

ان آیات میں انہی غلط عقائد و اعمال کی نفی کی جا رہی ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ ہدایت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں ہے۔ چونکہ خود اللہ کریم کا تعارف نبیؐ کی وساطت سے ہی ہوتا ہے اور جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے بجائے اپنی پسند سے دین میں کچھ داخل کرے اور اللہ کے ذمے جھوٹ باندھنے لگ جائے تو ایسا گمراہ ہوتا ہے جس کی واپسی کی کوئی امید نہیں رہتی۔

سورۃ الانعام رکوع 17 آیات 141 تا 144

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور وہی ذات ہے جس نے باغات پیدا فرمائے جو چھتریوں پہ چڑھائے جاتے ہیں اور چھتریوں پر نہیں بھی چڑھائے جاتے اور کھجوریں اور مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں کھیتوں میں اور زیتون اور انار جو (بعض اوصاف میں) ملتے جلتے ہیں اور (بعض میں) نہیں ملتے۔ جب پھل لائیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن انہیں توڑنے لگو تو ان (غرباء) کا حق بھی ادا کرو اور بے جانہ اڑاؤ یقیناً وہ بے جا اڑانے

والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ ﴿۱۴۱﴾ اور مواشی بوجھ اٹھانے والے (بڑے قد کے) اور زمین سے لگے ہوئے (چھوٹے قد کے پیدا فرمائے) جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿۱۴۲﴾ آٹھ جوڑے ہیں (بڑے چھوٹے) بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو (ایک نر ایک مادہ) فرمایئے کہ کیا دو نروں کو حرام کیا ہے یا دو مادہ کو یا اس بچہ کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں اگر تم سچے ہو تو مجھے علم (سند) سے بتاؤ۔ ﴿۱۴۳﴾ اور اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ فرمایئے کیا دو نروں کو حرام کیا ہے یا دو مادہ کو یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹوں میں ہے۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا تو اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ ظالم (غلط کار) لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے۔ ﴿۱۴۴﴾

خلاصہ رکوع

فرمایا، وہی ہستی ہے جس نے تمہارے لئے باغات بنائے جن میں کچھ بیلیں ایسی ہیں جو درختوں پر چڑھ جاتی ہیں جیسے انگور وغیرہ یا کچھ ایسی ہیں جو زمین پر پھیل جاتی ہیں اور کھجور کے درخت ہیں اور مختلف قسم کی زراعت ہے۔ اسی طرح زیتون، انار اور بے شمار پھل جو بظاہر ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ذائقے اور اثر میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا، اللہ کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ جو پھل پیدا کئے ہیں وہ تمہارے ہی لئے ہیں ان سے استفادہ کرو۔ جس باغ سے پھل حاصل کرتے ہو اور جس کھیتی سے فصل حاصل کرتے ہو اس میں سے غریبوں، مسکینوں کا حصہ بھی ادا کرو۔ اگر کسی کو دولت ملتی ہے تو اس پر ڈھائی فیصد دینا فرض ہے۔ اسی طرح آب پاشی والی زمین کی کھیتی میں بیسواں حصہ مسکینوں کا حق ہے اور بارانی زمین میں یعنی جس میں زمین کی سیرابی بارش پر منحصر ہو اس کی کھیتی کا دسواں حصہ مساکین کا حق ہے۔ اسی طرح جانوروں میں بھی زکوٰۃ ہے۔ پانچ اونٹ ہوں یا پانچ سے زائد ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔ اللہ کریم نے مال میں بھی اور جانوروں میں بھی غرباء اور مساکین کا حصہ رکھا ہے۔ فرمایا جو عطا ہوا ہے وہ کھاؤ لیکن جو فصل

حاصل کرتے ہو اس میں سے مساکین کو بھی دو اور بے جا خرچ نہ کرو اس لئے کہ اللہ کریم بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ جانوروں میں سے اس نے ایسے بھی بنا دیئے ہیں جو چھوٹے قد کے ہیں بڑے قد کے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو بہت بڑے بڑے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو چھوٹے چھوٹے ہیں اور بوجھ اٹھانے والے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو تمہارا رزق ہیں۔ اللہ نے جو رزق دیا ہے وہ حلال کیا ہے۔ وہ ضرور کھاؤ لیکن کمانے، خرچ کرنے اور کھانے، تینوں باتوں میں شیطان کی پیروی نہ کرو۔ کمانے میں حلال ذرائع اختیار کرو۔ حلال کما کر لاؤ پھر اُسے جائز جگہ پر خرچ کرو اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ مویشی جن کی حلت و حرمت میں بحث کرتے ہو وہ آٹھ نر و مادہ پیدا کئے گئے ہیں۔ دو نر و مادہ بھیڑ میں سے اور دو نر و مادہ بکریوں میں سے۔ ان سے پوچھیں کہ ان جانوروں کے نر حرام ہیں یا مادائیں حرام ہیں یا دونوں؟ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اس پر کوئی علمی دلیل لاؤ کہ کس نبیؑ نے یہ بات بتائی، کس آسمانی کتاب میں یہ بات آئی؟ اسی طرح اونٹ کا جوڑا ہے یا گائے بھینس کا جوڑا ہے۔ ان میں سے جسے تم چاہتے ہو حرام کر دیتے ہو، جسے چاہتے ہو حلال کر دیتے ہو۔ ایک بات متعین ہونی چاہئے کہ ان کا نر حرام ہے یا مادہ، یا بچہ حرام ہے؟ کوئی ایک چیز مقرر کرو کوئی ایک دلیل مقرر کرو، یہ کوئی بات نہ ہوئی کہ اگر پانچ جانور ہیں تو تم کہتے ہو ان میں سے ایک حرام ہے تو پھر اس کی شرعی دلیل لاؤ۔ پانچ میں سے ایک کو حرام کر دینے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اس میں نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ کوئی نقلی دلیل ہے تو پھر یہی صورت رہ جاتی ہے کہ اللہ نے تمہیں روبرو حکم دیا ہو۔ اگر اللہ کسی کو روبرو حکم دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا نبیؑ ہوتا۔ تم نبی تو نہیں ہو تو پھر یہ بہت بڑا جھوٹ ہے جو تم اللہ تعالیٰ پر بولتے ہو۔ اس سے بڑا ظالم اور برا کون ہوگا، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور پھر اس جھوٹ کی وجہ سے اپنی جہالت کی وجہ سے اللہ کی مخلوق کو گمراہ بھی کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتے۔ ظالموں سے توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

تفسیر و معارف

اس پورے رکوع میں ان رسومات کا ذکر ہے جو آج ہمارے ہاں بھی رواج پا چکی ہیں جو مشکلات کے حل کے لئے اور مفادات کے حصول کے لئے ایجاد کی جاتی ہیں۔ یاد رہے کہ دین حق میں ہر مشکل کا حل اور ہر ضرورت کے حصول کا جائز طریقہ بیان کر دیا گیا ہے۔ اسوۂ رسول کریم ﷺ زندگی کے ہر مرحلے پر عملی رہنمائی عطا کرتا ہے اور قرآن سنت نے صاف ستھری پاکیزہ زندگی کا ایسا اعلیٰ نصاب ترتیب دے دیا ہے جو ہر

فرد و بشر کی پرسکون زندگی کا ضامن ہے۔ اس میں زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ اسلام میں کمانے کے ذرائع معروف اور مقرر ہیں۔ اسلام واحد مذہب ہے جو صرف کمانے کی حدود ہی متعین نہیں کرتا بلکہ خرچ کرنے کی ہدایت بھی دیتا ہے۔ دنیا کے جتنے مالیاتی نظام ہیں سب میں اخلاقی حدود مقرر ہیں خواہ وہ مسلمانوں کے قوانین ہوں یا غیر مسلموں کے مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب سے کمانا ہر معاشرے میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ البتہ سود اور جواء وغیرہ کافروں کے ہاں کمانے کا ذریعہ ہیں۔ تمام غیر مسلم معاشروں میں کمانے اور حکومت کو ٹیکس دینے کے بعد جو بچتا ہے وہ اس فرد کا اپنا مال ہے۔ خواہ وہ اسے جوئے میں ہار دے، شراب میں اڑا دے یا کسی بھی طرح ضائع کر دے وہ اپنے مال کو خرچ کرنے میں مکمل آزاد ہے۔ کوئی مالیاتی نظام اس سے بحث نہیں کرتا۔ صرف اسلام کا مالیاتی نظام ایسا ہے جو خرچ کرنے میں بھی فرد کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے کھاؤ لیکن بے جا خرچ نہ کرو۔ ضرورتیں پوری کرنے سے منع نہیں فرماتا بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق پہننے اور رہنے سہنے کو شکر نعمت کا ایک طریقہ گردانتا ہے۔ صرف فضول اور بے جا خرچ کرنے سے روکتا ہے کہ مال کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ فرماتا ہے اسے ضائع نہ کرو کہ مال تمہارا اپنا نہیں ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس کی مخلوق صرف تم نہیں، مخلوق تو نسل در نسل پیدا ہو رہی ہے۔ گزرتی جا رہی ہے۔ مال اللہ کا ہے جس میں آنے والی نسل کا بھی حق ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ جو مال ہے اس میں پتہ نہیں آنے والوں میں سے کس کا حصہ ہوگا لہٰذا اسے ضائع نہ کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ضائع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ اللہ کریم نے مال اور جانوروں پر زکوٰۃ مقرر کر دی ہے جس کا دینا فرض ہے۔ کھیتی باڑی پر عشر واجب کر دیا ہے جس کا دینا فرض ہے۔ غریبوں کی نگہداشت حکومت کا کام ہے۔ چونکہ حکومت سب کی والی ہوتی ہے تو غریبوں کا حصہ جمع کرنا اور انہیں غریبوں پر خرچ کرنا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی براہ راست غریبوں کو دے دیتا ہے تو اس کا فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن حقیقتاً یہ ذمہ داری اسلامی حکومت کی ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی اس طرز پر ہوتی ہے جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ عہد نبوی میں تمام صدقات اور زکوٰۃ مرکز میں جمع ہوتے تھے اور بیت المال سے محتاج و مساکین کو تقسیم ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں زکوٰۃ جمع کرنے والے، اس کا حساب رکھنے والے اور اسے تقسیم کرنے والے عمال مقرر تھے جن کی تنخواہ اسی مال سے دی جاتی تھی۔ وصال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کچھ علاقوں کے حکام نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ وہ زکوٰۃ مرکز کو نہیں دیں گے بلکہ خود تقسیم کریں گے جس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا اور اس بات کو یقینی بنایا کہ

نبی کریم ﷺ کے دین کی ہو بہو وہی شکل قائم رکھی جائے گی جیسی عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تھی۔

افسوس آج وطن عزیز میں نظام زکوٰۃ انفرادی سطح پر آچکا ہے۔ ضیاء الحق کے زمانے میں زکوٰۃ مرکز میں جمع کرنے کا کام شروع ہوا لیکن وہ عجیب سا تھا۔ اللہ کا بنایا ہوا نظام نافذ نہ ہوا۔ کئی لوگوں کو استثنیٰ دے دیا گیا۔ پھر نصابِ زکوٰۃ وہ نہ تھا جو شرعاً مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مقررہ تاریخ پر زکوٰۃ زبردستی لوگوں کے اکاؤنٹ سے کاٹ لی جاتی تھی۔ بینکوں میں سود کا پیسہ بھی ہوتا اور اس پر زکوٰۃ بھی کٹتی۔ پھر جب یہ رقم حکومت کے خزانے میں جاتی تو اسے سیاسی رشوت کے طور پر خرچ کیا جاتا۔ حکمران اگر نظام زکوٰۃ کو اس کی اسلامی صورت اور روح کے ساتھ اپنالیں تو پورے ملک سے افلاس کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ جل شانہٗ نے اپنی تخلیقات کی طرف متوجہ فرما کر دعوت فکر دی ہے کہ نباتات اور حیوانات میں تنوع اور خصائص اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں اگر یہ لوگ عقل سے کام لیتے تو راہ حق سے یوں دور نہ ہوتے۔ پھر اپنی ان نعمتوں کا نام لے کر ہر نعمت کی تفصیل بتائی ہے۔ درخت ان کی اقسام، کھیتی، کھجور، زیتون اور انار کا بطور خاص ذکر فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب کچھ تمہارے فائدے کے لئے ہے بس دو باتیں یاد رکھو کہ ایک ضائع نہ کرو، اسراف نہ کرو یعنی اعتدال سے کام لو۔ اور دوسرا کھیتی سے فصل حاصل کرتے وقت اور پھل توڑتے وقت غرباء اور مساکین کو ان کا حق دو۔ اور یاد دلایا گیا ہے کہ جب بھی راہ اعتدال سے ہٹو گے تو شیطان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ متنبہ رہو کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ مشرکین نے تو حلال و حرام بھی اپنی طرف سے مقرر کر رکھے تھے۔ پوچھا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیقات کو جوڑا جوڑا بنایا اور ان میں نر اور مادہ بنائے ان کی نسلیں چلائیں اور تم نے اپنی پسند سے جسے چاہا حلال قرار دے دیا اور جسے چاہا حرام کرلیا کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند ہے؟ اگر سچے ہو تو سند پیش کرو۔ یہ مطالبہ کر کے اللہ کریم اس بات کو ثابت فرمارہے ہیں کہ حلال و حرام اللہ کے حکم

سے ہوتا ہے جس کی اطلاع صرف نبیؐ ہی دے سکتے ہیں۔

جس طرح یہاں مطالبہ کیا گیا ہے کہ تمہارے پاس اپنے اس عمل کی کوئی علمی دلیل ہے تو بیان کرو اسی طرح قرآن حکیم کی یہ آیت دور حاضر کے مسلمانوں سے بھی مطالبہ کرتی ہے کہ جو عمل بھی تم کرتے ہو اس کے پیچھے بھی اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ کی سند ہونا ضروری ہے۔

فرمایا اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ، تہمت لگائے اور لوگوں کو گمراہ کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یعنی یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہدایت پانے کا واحد ذریعہ اتباع نبوت ہے۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر دور حاضر کی رسومات کا حال دیکھیں۔ کئی سنتیں ضائع کر کے بدعات کھڑی کر دی گئی ہیں جس کا نتیجہ امت کی بدحالی ہے۔

دین کے نام پر رسومات کی سزا:

دین کے نام پر رسومات جاری کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا ایمان سلب کر لیتا ہے اور انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا شارح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم نہیں دیا۔ سلف صالحین سے وہ منقول نہیں ہیں، ہم اپنی طرف سے بنا لیتے ہیں اور پھر اس پر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ نیکی ہی تو ہے۔ زیادہ ہوگئی تو کیا فرق پڑتا ہے؟ مثلاً یہ بڑی دلیل دی جاتی ہے کہ جنازہ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے کہ دعا مانگنا عبادت ہے، ثواب ہے لہٰذا کوئی حرج نہیں لیکن اصول کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسے لازمی قرار دے دے اور ہر جنازے پر مانگنا ضروری سمجھا جائے تو اس کی دلیل چاہیے۔ اسے سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت کرنا ہوگا۔

جو طریقہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والے کی قبر جلدی تیار کرو۔ جتنا جلدی ہو سکے اسے غسل دو۔ اس کا جنازہ پڑھو، اس کی میت لے جاؤ، میت کو قبر میں دفن کر دو، دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کر کے فارغ ہو، چلے جاؤ۔ تو یہ نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کہاں سے آگیا؟ یہ بات کہی جائے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص وہابی ہوگیا ہے، جو مسنون طریقے سے جنازہ پڑھے اس کے بارے کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے جنازہ پڑھوانا ضائع کرنے کے برابر ہے کہ یہ تو جنازے کے بعد دعا ہی نہیں مانگتے یعنی یہ رسم اب دین کا اتنا لازمی حصہ بنا دی گئی کہ جو سنت کے مطابق کرے اسے بے دین کہتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے شہداء کا غائبانہ جنازہ پڑھا۔ ان کی میتیں تو میدان جنگ میں دفن ہوگئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا اور چونکہ میت سامنے رکھی ہوئی نہیں تھی یہ کام نہیں تھا کہ میت کو دفن کیا جائے تو حضور اکرم ﷺ نے ان شہداء کے لئے نماز جنازہ کے بعد دعا بھی مانگی لہذا اگر کسی کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا جائے تو دعا مانگیں۔ اس سے کون منع کرتا ہے کہ اس موقع پر حضور ﷺ نے یہی تعلیم فرمائی ہے لیکن میت سامنے رکھی ہے تو پھر مسنون طریقہ یہی ہے کہ جنازہ پڑھیں، سلام پھیریں، میت کو لے جائیں، قبر میں دفن کر دیں، مٹی ڈالیں، قبر برابر کر کے دعا مانگیں۔ جو لوگ سنت کے خلاف کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ دعا مانگنا تو عبادت ہے اگر جنازے کے بعد دعا مانگ لی تو کیا حرج ہے۔ ان کے لئے دلیل یہ ہے کہ صبح کے دو فرض پڑھنا تو عبادت ہی ہے آپ تین پڑھ لیں کیا حرج ہے؟ لیکن کیا حضور اکرم ﷺ کی مقرر کردہ رکعات کو بدلنے سے فجر ادا ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں ہوگی۔ دو کے بجائے ایک پڑھ لیں یا پانچ پڑھ لیں، صلوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ رکوع و سجود میں تبدیلی کر لو گے تب بھی نہیں ہوگی۔ نیکی وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے متعین فرما دی ہے جیسے آپ ﷺ نے بتایا ویسے کرو گے تو نیکی ہوگی۔ اس میں کمی کرو گے تو بھی نیکی نہیں ہوگی۔ بیشی کرو گے تو بھی نہیں ہوگی۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔

حق صرف وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات میں ہے، سلف صالحین سے کوئی سند ہے تو حق ہے اور اگر دین میں کچھ اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ایسا شخص اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔ ایسی بات کہہ رہا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا۔ اس آیت میں بیان کردہ اصول کی روشنی میں دیکھ لیجئے کس کس جگہ من پسند رسومات کو دین کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

جیسے ہمارے ہاں اذاں میں اضافہ کر دیا گیا ہے جس کی کوئی علمی دلیل نہیں۔ جو اذان عہد نبویؐ میں حضرت بلالؓ دیتے تھے، جو اذان خلفائے راشدین کے زمانے میں دی جاتی تھی اور سلف صالحین جو آج تک دیتے رہے وہ صحیح تھی یا یہ صحیح ہے جس کے آگے پیچھے ہم نے الصلوٰۃ والسلام لگا دیا ہے؟ چند سال پہلے تک ایسا رواج نہیں تھا۔ ایک سیاسی مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ ایک سیاسی جماعت نے شروع کیا تھا اصل مطلب یہ تھا کہ ووٹ دوسری جماعت کو نہ جائیں چونکہ انہوں نے اذان کے ساتھ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ نہیں پڑھنا۔ یوں وہ وہابی کہلائیں گے اور جو پڑھیں گے وہ اہل سنت کہلائیں گے۔ یوں یہ رواج شروع کرنے

والے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے لیکن وہ رواج ایسا پختہ ہو گیا ہے کہ اب اصل اذان بہت کم لوگ دیتے ہیں۔اب نئی نسل کو کون بتائے گا کہ حضور اکرم ﷺ کی عطا کردہ اذان کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں پر ختم ہوتی ہے؟ اب تو لا الہ الا اللہ پر بھی ختم نہیں کرتے۔ لا الہ الا اللہ کہہ کر پھر اسی مائیک پر محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں حالانکہ رسالت کی شہادت اذان میں گزر چکی ہے۔لا الہ الا اللہ پر تو اذان مکمل ہو جاتی ہے تو پھر اس میں اضافے کی کیا دلیل ہے؟

اور جو صحیح بات بتائے وہ بے دین کہلاتا ہے۔خالص دین بیان کرے تو کہتے ہیں یہ وہابی ہو گیا۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴿۱۴۴﴾ یاد رکھیں! دین کے نام پر رسومات جاری کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کا ایمان سلب کر لیتا ہے اور انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔اس رکوع میں کتنی مرتبہ یہ دہرایا گیا ہے کہ ایسے ظالموں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ پورا رکوع انہی رسومات کے بیان پر ہے۔

ایصال ثواب کے ضمن میں بھی بنیادی بات یہ ہے کہ آپ بزرگوں کو ایصال ثواب کرنا چاہتے ہیں، اپنے شیخ کو، جس سے آپ نے سیکھا ہے، والدین کو، جنہوں نے آپ کی پرورش کی ہے یا کسی اور کو ثواب پہنچانا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ کچھ بھی صدقہ کریں یا اللہ کے نام پر جانور ذبح کریں تو اسے غریبوں میں بانٹ دیں اور دعا کریں یا اللہ اس نیکی کا جو ثواب ہے وہ میرے بزرگوں، والدین اور دیگر کو پہنچا دے۔ وہ قادر ہے پہنچا دے گا۔ اور ایصال ثواب صرف مُردوں کو نہیں کیا جاتا، زندوں کو بھی کیا جا سکتا ہے۔جس طرح بینک میں رقم ہو اور کسی کو چیک دیا جائے تو اسے رقم مل جاتی ہے اسی طرح نفلی عبادات، نفلی نیکیاں کسی زندہ کو بھی دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے کھاتے میں لکھ دے گا لیکن ہر کام کا ایک طریقہ اور سلیقہ ہے جو شریعت میں متعین ہے۔شریعت سے باہر نکل کر رسومات ادا کرنا پھر یہ توقع کرنا کہ ان سے میرا بھلا ہو گا یہ خود فریبی ہے۔دنیا کی نعمتیں مقدر ہو چکی ہیں۔ ہر کوئی اپنے حصے کا ہی دانہ پانی، ہوا، آکسیجن استعمال کرتا ہے۔لہٰذا کسی لالچ میں آ کر رسومات میں کھو جانا اتنا بڑا جرم ہے کہ توفیقِ ہدایت سلب ہو جاتی ہے۔

تمام جرائم کی سزائیں متعین ہیں۔ بہت بڑی سزا اور سب سے آخری سزا یہ ہے کہ کسی کا ایمان ہی ضائع ہو جائے اور پھر اسے توبہ کی توفیق بھی نہ ہو تو رسومات کو دین بنانے کی سزا یہ ہے کہ دین سلب ہو جاتا ہے اور توبہ کی توفیق باقی نہیں رہتی۔ اللہ کریم اس جرم عظیم سے سب کو محفوظ رکھے اور جس سے جو غلطی ہو گئی اسے معاف فرمائے۔

سورۃ الانعام رکوع 18 آیات 145 تا 150

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً
اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ
هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ
جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ
وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ
فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ
الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ
بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس جو وحی کی گئی ہے میں اس میں تو کوئی (چیز) حرام

نہیں پاتا جس کو کھانے والے کھائیں سوائے اس کے کہ مردار ہو یا رگوں سے بہتا ہوا خون یا سُوٗر کا گوشت پس وہ یقیناً ناپاک ہے یا سخت گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو (یعنی ناجائز ذبیحہ) پس اگر کوئی مجبور ہو جائے کہ نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے گزرے تو یقیناً آپ کا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۴۵﴾ اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بھیڑ بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر حرام کر دیں سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر ہو یا انتڑیوں سے یا ہڈی سے لگی ہو یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور بے شک ہم سچے ہیں۔ ﴿۱۴۶﴾ پھر اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو فرما دیجئے کہ آپ کا پروردگار وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرم لوگوں سے نہ ٹلے گا۔ ﴿۱۴۷﴾ عنقریب مشرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتے تو ہم شرک نہ کرتے نہ ہمارے آباؤ اجداد اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہتے اسی طرح ان لوگوں نے تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر رہے۔ فرما دیجئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم (سند) ہے تو اسے ہمارے سامنے لاؤ تم تو محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم محض خیال (اٹکل) سے باتیں بناتے ہو۔ ﴿۱۴۸﴾ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کی دلیل غالب ہے۔ سو اگر وہ (اللہ) چاہتے تو تم سب کو ہدایت فرما دیتے۔ ﴿۱۴۹﴾ فرمایئے اپنے گواہوں کو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں پھر اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کریں جنہوں نے ہمارے دلائل کو جھٹلایا ہے اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ (بتوں کو) اپنے پروردگار کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ ﴿۱۵۰﴾

خلاصۂ رکوع

آپ فرما دیجئے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے کھانے کی مقرر کی ہیں ان میں تو میں نے کوئی چیز حرام نہیں پائی سوائے اس کے کہ کوئی مردار ہو۔ مردار اس حلال جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کئے بغیر مر جائے۔ اور بہتا ہوا

خون یا خنزیر کا گوشت یہ سخت ناپاک ہے اور جو جانور جس میں شرک کا شائبہ پایا جائے اور وقت ذبح اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لیا جائے اور اس میں بھی یہ گنجائش ہے کہ اگر کوئی مجبور ہو کر جان بچانے کے لئے اتنا حرام کھا لے جس سے اس کی جان بچ جائے تو اللہ کریم معاف کرنے والے ہیں، بخشنے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ یہود پر تو ہم نے ہر وہ جانور حرام کر دیا تھا جس کے پنجے یا ناخن ہوں۔ اور گائے اور بکریوں میں سے ان کی چربی ان پر حرام کر دی تھی اور اس میں یہ تفریق بھی رکھی تھی کہ جو چربی پشت پر ہو یا انتڑیوں سے یا ہڈیوں سے چمٹی ہوئی ہو وہ چربی حلال ہے اور باقی دوسری چربی حرام ہے۔ یہ بہت مشکل مسئلہ تھا لیکن یہ اتنا مشکل اس لئے کیا گیا کہ یہ ان کی شرارتوں کی سزا تھی جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی کہ وہ احکام شرعی کو ماننے کے بجائے ان میں مین میخ نکالتے رہتے تھے۔ اس پر مزید پابندیاں لگتی جاتی تھیں۔ فرمایا: اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو انہیں کہیئے کہ اللہ کریم بے شک بہت بڑی رحمت کا مالک ہے لیکن مجرم پر سے عذاب نہیں ٹل سکتا۔ ہر کام کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ جو جرم کرے گا وہ سزا پائے گا ورنہ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے۔ نہ ہم کسی چیز کو حلال و حرام کہتے۔ اگر ہم شرک کرتے ہیں اور چیزوں کو اپنی مرضی سے حلال یا حرام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں روکتا تو نہیں۔ فرمایا: اس طرح کے جھوٹ ان کے آباؤ اجداد نے بھی بولے اور جو کرتوت انہوں نے کئے ان کا مزا بھی چکھا۔ آپ انہیں فرما دیجئے اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے۔ کہیں کسی آسمانی کتاب میں ہے، کوئی وحی الٰہی ہے تو وہ بتا دو اور اگر نہیں ہے تو پھر تم محض اپنے وہم کی پیروی کر رہے ہو اور محض اپنی اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔ انہیں فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی دلیل مضبوط ہے۔ اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ آپ ان سے فرما دیجئے کہ ان کو لاؤ جن کو تم گواہ قرار دیتے ہو۔ تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔ اور اگر یہ جھوٹی شہادت دینے پر بھی تیار ہو جائیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی مت دیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے۔ چونکہ یہ ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اللہ کے شریک بھی بنا لیتے ہیں۔

تفسیر ومعارف

حلت وحرمت کی بات چل رہی ہے اور واضح کیا جا رہا ہے کہ چیزوں کو حلال وحرام کرنے کا اختیار بھی اسی ہستی کو ہے جس نے چیزیں پیدا کی ہیں جو ان کا مالک ہے اور یہ بڑی صحیح بات ہے کہ جن چیزوں کا کھانا

شریعت نے حرام کر دیا ہے ان کے کھانے سے انسانی صحت کو بھی نقصان ہوتا ہے یہ بڑی خوبصورت بات ہے کہ شریعت نے کوئی ایسی چیز جو انسان کے حق میں مفید ہو حرام نہیں فرمائی۔ وہ چیزیں حرام فرمائی ہیں جو کھانے کے لئے نہیں ہیں لیکن لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اپنی اغراضِ فاسدہ کو پورا کرنے کے لئے اپنی طرف سے مسائل گھڑتے رہتے ہیں۔ جیسے اللہ نے سود کو حرام قرار دیا ہے تو اس کو حلال کرنے کے لئے اس کا نام منافع رکھ دیا یا مارک اپ رکھ دیا۔ نام بدلنے سے چیز کی حیثیت تو نہیں بدل جاتی تو یہ وہ حیلے ہیں جو کفار کیا کرتے تھے۔ تو فرمایا آپ ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ ہر بات کے لئے علم کا کوئی ذریعہ چاہئے۔ کسی بھی بات کو ثابت کرنے کے لئے یہ ثبوت ضروری ہے کہ یہ علم کسی آسمانی کتاب سے یا کسی نبی علیہ السلام کے ارشادات سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس علمی دلیل کے علاوہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہونی چاہئے۔ علم کا سب سے مضبوط ذریعہ وحی الٰہی ہے۔ باقی ذرائع انسانی ذہن کی پیداوار ہیں۔ جیسے کوئی سن کر علم حاصل کرتا ہے لیکن اپنے جیسے بندوں سے حاصل کرتا ہے کوئی کتاب پڑھتا ہے تو سوائے کتاب الٰہی کے یا رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے، باقی جو کتابیں ہیں ان سب کے مصنف ایک جیسے انسان ہیں اور ان کی اپنی رائے ہے بات میں وزن صرف ارشاداتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کے بارے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ کی حدیث بھی وحی الٰہی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝** سورۃ النجم: 4 وہ اپنی مرضی سے ارشاد نہیں فرماتے بلکہ جو اللہ کریم کا حکم ہوتا ہے وہی ارشاد فرماتے ہیں اور قرآن حکیم تو براہ راست وحی الٰہی ہے۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے آپ ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ اور وحی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ حلال جانوروں میں صرف وہ حرام ہیں جو اللہ کے نام کے بغیر مر جائے جس پر اللہ کے نام کی تکبیر نہ پڑھی جائے مردار ہو جائے وہ حرام ہے یا دمِ مسفوح وہ خون جو ذبح کے وقت نکلتا ہے وہ حرام ہے۔ خنزیر کا گوشت حرام ہے **فَاِنَّهٗ رِجْسٌ** اس کی اصل میں ناپاکی ہے خنزیر ایسا جانور ہے کہ جس کا کوئی جزو بھی پاک نہیں ہوتا۔ گوشت حرام، چمڑا حرام ہے، ہڈیاں حرام ہیں، اس کا بیچنا، خریدنا حرام ہے حتیٰ کہ خنزیر پالنے پر ملازمت کرنا حرام ہے۔ یا اس پر اجرت لینا حرام ہے یعنی اس کی اصل میں حرمت ہے۔ **فَاِنَّهٗ رِجْسٌ** ورنہ جتنے جانور بھی حرام ہیں یا کوئی حلال جانور مردار ہو کر حرام ہو جاتا ہے تو ان سب کی کھال کی جب دباغت ہو تو سب کی کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کا جائے نماز بھی بنایا جاتا ہے، یہاں یہ استعمال ہو سکتی ہے لیکن خنزیر کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی کہ اس کی اصل میں حرمت ہے۔ **فَاِنَّهٗ رِجْسٌ** اصل میں ناپاکی ہے **اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ** یا یہ جرم ہے کہ کوئی

اللہ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام بوقت ذبح جانور پر لے یہ شرک بھی ہے اور وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔
پھر ان حرام جانوروں میں بھی اللہ نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ کوئی اگر بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے اور اس کے مر جانے کا خطرہ ہے اور حلال چیز نہیں مل رہی تو وہ اتنا کھائے کہ جس سے اس کی جان بچ جائے بشرطیکہ پیٹ بھرنے کے لئے نہ کھائے اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے نہ کھائے لیکن اتنا کھالے جس سے وہ مرنے سے بچ جائے ورنہ حرام اس کے لئے بھی حلال نہیں ہوتا حرام ہی رہتا ہے۔ جان بچانے کی حد تک کھالے گا تو اللہ غفورٌ رحیم ہے، بخشنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے، اسے بخش دے گا، اس کو سزا نہ دے گا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اضطرار میں حرام حلال ہو جاتا ہے، حرام اس کے لئے بھی حلال نہیں ہوتا کھاتا حرام ہی ہے لیکن اس حرام کھانے پر اسے سزا نہیں دی جائے گی وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴۶﴾ عجیب بات ہے کہ انسان اپنی خواہشات کے لئے احکام الٰہی کو موڑنے کی کوشش کرتا ہے اور کفر میں یہی مصیبت ہے۔ حق یہ ہے کہ جو حکم اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کا ہو اس کو بلا چوں و چراں تسلیم کیا جائے لیکن یہود کی عادت بحث کرنے کی تھی۔ جب موسیٰؑ کوئی بات بتاتے تو اطاعت کرنے کی بجائے اس میں مین میخ نکالتے کہ بتائیں یہ کیوں ہے؟ اس طرح سوال کرتے جاتے، بات بڑھاتے جاتے۔ جتنے سوال کرتے جاتے اتنی پابندی لگتی جاتی تو فرمایا ان پر ہم نے پنجوں والے جانور حرام کر دیئے اور بھیڑوں بکریوں میں سے ان کی چربی ان پر حرام کر دی اور پھر چربی میں بھی حلت و حرمت بنا دی کہ جو پیٹھ کے اوپر ہے وہ حلال ہے یا جو انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے وہ بھی حلال ہے اور باقی حرام ہے۔
یعنی جب وہ جانور ذبح کرتے تو اس میں سے کتنی سخت محنت کر کے وہ چیزیں الگ کرنی پڑتیں تو فرمایا ان پر اتنی سختی کیوں کی گئی۔ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ یہ ان کی اپنی شرارتوں کی وجہ سے کی گئی۔ یہ اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے جرح کرتے تھے تو جتنی جرح کرتے تھے اتنی ان پر پابندیاں لگتی چلی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کے لئے اس میں تربیت کا پہلو ہے کہ علماء حق سے یا بزرگوں سے کوئی بات پوچھتے ہو تو اسے سمجھنے کی کوشش ضرور کرو کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو سمجھنے کے لئے سوال ضرور کرو لیکن جرح کرنے کے لئے شرارتاً سوال نہ کیا جائے۔
بعض لوگ اپنی سادگی میں ایسے سوال کر جاتے ہیں جن سے پابندیاں بڑھ جاتی ہیں مثلاً کسی کو شیخ نے کہہ دیا درود شریف پڑھا کرو اب وہ کوئی سادہ سا درود شریف پڑھ لے۔ جتنا پڑھے گا اللہ کرے گا اس پر اللہ کی رحمت ہو گی اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن اگر سوال کریں گے جی کون سا درود شریف پڑھوں تو ایک اور

پابندی لگ گئی پانچ سو بار پڑھو تین سو بار پڑھو تو اس طرح کے جو سوال ہوں گے ان کے سبب سے پابندی بڑھتی جائے گی اس لئے جو چیز سمجھ میں آئے اس پر اس طرح بلا چوں و چراں تعمیل ارشاد کی جانی چاہئے لیکن یہود کا یہ طریقہ تھا تو فرمایا ان کی شرارتوں کی وجہ سے ان پر یہ سختی بڑھتی گئی۔ فرمایا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴿۱۴۶﴾ یقینا ہم سچے ہیں فرمایا سچی بات اللہ ہی کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات حرف بحرف سچ ہوتی ہے۔

رحمت کو پانے کے لئے رحمت سے جڑنا ضروری ہے:

اور پھر اگر یہ آپ ﷺ کے احکام نہ مانیں تکذیب کریں، انکار کردیں یعنی زبانی اقرار اور عملاً اطاعت نہ کرنے کو وطیرہ بنالینا یہ بھی انکار کی عملی صورت ہے۔ اس طرح کے لوگ آج مسلمانوں میں بھی مل جاتے ہیں جو فرائض تک ادا نہیں کرتے۔ نماز نہیں پڑھیں گے، روزہ نہیں رکھیں گے، حرام کھائیں گے اور پوچھیں گے تو کہیں گے خیر ہے اللہ بڑا کریم ہے، اللہ معاف کردے گا۔ یہ بات وہ یہود اور کفار کہا کرتے تھے کہ کوئی نہیں ہمارے اعمال میں کیا رکھا ہے اللہ بڑا بخشنے والا ہے وہ بخش دے گا۔ خیر ہے گزارہ ہو رہا ہے۔ اس طرح کے خیالات میں گم ہیں کہ ہم نماز پڑھیں گے تو کیا ہوگا، نہیں پڑھیں گے تو اللہ کا کیا بگڑ جائے گا، ہمارے پڑھنے نہ پڑھنے سے کیا ہوگا یا میں روزہ رکھوں گا تو کیا ہوگا، نہیں رکھوں گا تو کیا ہے یا میں نے تھوڑی سی رشوت لے لی ہے تو خیر ہے اللہ معاف کرنے والا ہے، بخش دے گا۔ فرمایا اگر لوگ آپ ﷺ کی اطاعت نہ کریں اور اس بات پر اڑے رہیں اور یہ کہتے رہیں کہ خیر ہے اللہ بخشنے والا ہے تو آپ ﷺ ان کو فرما دیجئے رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ اللہ کی رحمت بے پناہ وسیع ہے کوئی انسان یا انسانی علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ اس کی ذات جس طرح احاطے سے بالاتر ہے اس کی صفات بھی انسانی علوم کی حدود سے بالاتر ہیں۔ اس کی رحمت بے پناہ وسیع ہے لیکن یاد رکھو یہ بھی اسی کا اصول ہے۔ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴿۱۴۷﴾ جو جرم کرتا ہے اس کو جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔ یہ اسی رب کا بنایا ہوا قانون ہے جو بڑا رحیم ہے، کریم ہے، غفور ہے لیکن یہ اس کا قانون ہے وہ اپنے قانون کو نہیں توڑے گا۔ اگر تم برائی کرتے ہو تو تمہیں اس کا نتیجہ بھگتنا ہوگا۔ اللہ کی رحمت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نافرمانی کر کے رحمت کو پالیں گے۔ رحمت کو پانے کے لئے رحمت سے جڑنا اور اطاعت ضروری ہے سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ فرمایا یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔ فرمایا ان کے آباؤ اجداد بھی شرک کیا کرتے تھے اور یہی کہتے تھے کہ اگر ہم شرک کرتے ہیں اگر ہم حرام کھاتے ہیں تو اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل کرتا؟ اس کا مطلب ہے اللہ ہم پر ناراض نہیں ہے۔ اگر ہم نے شرک کیا ہمارے آباؤ اجداد نے شرک کیا

یا کچھ چیزیں ہم نے اپنی طرف سے حرام کر دیں تو اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم کیسے کر سکتے تھے وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بات اس لئے غلط ہے کہ اللہ کریم نے انسان کو عقل وشعور بھی دیا اس کی طرف انبیاءؑ مبعوث فرمائے، اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور اسے یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا کہ وہ اطاعت کرنا چاہتا ہے یا نافرمانی۔ جس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ کی اطاعت کرنا ہے وہ کتنے گناہ بھی کر چکا ہو اسے توبہ کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ جس کے دل میں انابت ہو اللہ کریم اس کی ہدایت کے سامان بھی بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ﴿۱۳﴾ الشوریٰ:13 انابت ہوتی ہے دل کے اندر آرزو کا پیدا ہونا کہ مجھے اللہ کی اطاعت کرنا ہے جس کے دل میں خلوص سے یہ بات آجائے اس کے لئے بڑے راستے کھول دیتا ہے جو اسے اطاعت کی طرف لے جاتے ہیں اس کو توبہ نصیب ہوتی ہے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ نیکیاں شروع ہو جاتی ہیں اور علماء لکھتے ہیں کہ اسے نیک لوگوں کا اہل اللہ کا، بھلے لوگوں کا ساتھ نصیب ہو جاتا ہے تاکہ وہ اس کی رہنمائی کر سکیں لیکن اگر وہ یہ فیصلہ نہ کرے اور چاہے کہ اپنی مرضی سے جیئے تو پھر وقت مقرر تک اس کے پاس مہلت ہے جب تک دنیا میں ہے، جب تک دنیاوی زندگی ہے تب تک جو جی چاہتا ہے کر لے پھر اسے اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے اور یہ اصول مت بھولو کہ نافرمانی کر کے انعام کوئی نہیں پا سکے گا۔

نافرمانی پر انعام نہیں ملتا:

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلوں نے بھی یہی جھوٹ بولا تھا کہ اگر ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں یا وہ چیزیں جو شریعت نے حرام کی ہیں ہم انہیں حرام نہیں سمجھتے یا حلال کو حرام بنا دیتے ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا اور اگر عذاب نہیں آتا تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کو بھی یہ پسند ہے۔ یہ کہنا بڑی عجیب بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بات پسند کی نہیں، بات اس کے علم اور حلم کی ہے۔ وہ جانتا ہے اسی نے انسان کو مہلت دی ہے کہ جہاں تک اس کے پاس وقت ہے کر لے آخر اسے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے۔ ایک، ایک بات کا جواب دینا پڑے گا۔ فرمایا: ان سے پہلے والوں نے بھی اسی طرح جھٹلایا تو کیا یہ ان کے انجام سے بے خبر ہیں؟ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ط ان پر عذاب آیا۔ انہوں نے عذاب کا مزا چکھا اور تباہی سے دوچار ہوئے کچھ غرق ہو گئے، کسی پر آگ برسی، کسی کو پانی میں ڈبو دیا گیا، کوئی زمین میں دھنس گیا اور قوموں کی قومیں تباہ ہو گئیں۔ کفر وشرک اور برائی پر کیا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا؟ نبی علیہ السلام اللہ کریم سے براہ راست علم حاصل کرتے ہیں۔ ان کا علم حتمی اور یقینی ہوتا ہے۔ فرمایا: قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ط انہیں فرما دیجئے میرے پاس تو علم ہے جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ وحی الٰہی سے کہہ رہا ہوں۔ تمہارے پاس کوئی علمی

دلیل ہے تو سامنے لاؤ لیکن اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۝ تم محض اپنے گمان کی اور وہم کی پیروی کررہے ہو اور اللہ پر جھوٹ بول رہے ہو اپنی طرف سے باتیں بنا کے اللہ کے ذمے لگا رہے ہو۔

غور طلب بات:

یہ بڑی سمجھنے والی بات ہے کہ وہ افعال جنہیں نبی کریم ﷺ نے کرنے کا حکم نہیں دیا یا حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ صحابہ کرامؓ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہیں انہیں ثواب کی نیت سے کرنا یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ہماری ایک بڑی کوتاہی یہ ہے کہ یا تو ہم اطاعت کی طرف نہیں آتے۔ عبادات میں سستی کرتے ہیں اور یا پھر جب عبادت کرنے لگتے ہیں، نماز روزے کی توفیق ہوتی ہے تو اس میں بہت سی ایسی باتیں شامل کر لیتے ہیں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ دینی امور میں ایک ترتیب ہے۔ کچھ امور فرض ہیں اس کے بعد واجب ہے۔ واجب کے بعد سنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے بعد مستحبات ہیں۔ ایسے کام ہیں جن کا کرنا اچھا ہے نہ کیا جائے تو جرم نہیں ہے۔ مستحبات کے بعد مباحات ہیں۔ مباحات ایسے کام ہیں جن کے کرنے کی اجازت ہے مثلاً جس طرح کے ہم کھانے پکاتے ہیں اس طرح کے کھانے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے۔ لیکن یہ کوئی پابندی نہیں ہے کہ اسی طرح کے کھانے کھائے جائیں جس طرح کے حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں کھائے جاتے تھے۔ یہ مباح ہے لیکن اگر کوئی کسی کھانے کو مخصوص کر دے کہ اسی طرح ہی کھانا پکانے میں ثواب ہے تو اس کے لئے اسے ثابت کرنا پڑے گا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا فرمایا ہے۔ اگر ثابت نہیں تو پھر اسے ثواب کہنا اللہ کریم پر الزام لگانا ہے۔ یہ اتنی بڑی بات ہے جسے ہم سمجھتے ہی نہیں۔ اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے۔ دین میں ہر کام کی درجہ بندی موجود ہے۔ ہر کام میں مباحات بھی ہیں۔ دعا مانگنے یا صلوٰۃ وسلام پڑھنے یا نوافل پڑھنے یا عبادات یا معاملات یا لین دین یا برادری رشتہ داری سب میں مباحات ہیں لیکن کسی مباح کو فرض، واجب یا سنت قرار دینے کے لئے، باعث ثواب بتانے کے لئے قرآن وحدیث سے سند چاہیے۔ سلف صالحین سے مطابقت چاہیے تو مباح کام کو بھی جس کے کرنے کی اجازت ہے اسے بھی اگر کوئی یہ کہہ دے کہ اس کا کرنا ثواب ہے تو وہ جرم بن جائے گا کیونکہ دین میں کسی بھی کام کو متعین کرنا اور اس کا درجہ مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کا کامؐ ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بیان کرنا صرف نبی کریم ﷺ کا کام ہے۔ اپنی طرف سے مقرر کر لینا یہ اتنا بڑا جرم ہے جیسے مشرکین اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے یعنی جو رسومات کرتے تھے اسے کہتے تھے یہ کرنا عبادت ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ ہوتا تھا۔ آج ہمارے ہاں بھی دین میں یہی خرابی داخل ہو چکی ہے۔ اس چیز کا ہمیں کوئی احساس نہیں ہوتا کوئی ادراک نہیں ہوتا تو بڑی عجیب بات ہے۔ دنیا کے معاملے میں لوگ اتنے غیر محتاط نہیں کوئی ان سے

کہے پیسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دو تو وہ پھینک آئیں گے؟ دنیا کے معاملے میں تو اتنے عقل مند ہیں۔ دنیا کا کوئی مشورہ دیتا ہے تو کہتے ہیں تم کون ہوتے ہو میری بات میں دخل دینے والے؟ میرا معاملہ ہے میں خود سمجھ لوں گا۔ دین کے معاملے میں ہر کسی کو آزادی دے رکھی ہے کہ لوگ ایسا کہتے ہیں اس لئے کرلو۔ یہ کوئی بات ہے؟ لوگوں کے کہنے سے دین نہیں ہوتا، قرآن وسنت دین ہے۔ علمائے حق اس کی تصدیق کریں، کوئی عالم آپ کو بتائے یہ ثواب ہے اس کی کوئی دلیل ہوگی پھر تو کوئی بات بھی ہے دنیا کی اہمیت ہے اس کے بارے ہم کسی کی بات سننا گوارا نہیں کرتے دین کی اہمیت نہیں اور یہ ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے۔ تو فرمایا: یہ محض ظن اور گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، قیامت کو جب جواب دینے کی باری آئے گی تو پتہ چلے گا۔ فرمایا: میرے حبیب ﷺ آپ انہیں فرما دیجئے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ سب سے غالب دلیل اللہ کی ہے۔ اللہ سب کا مالک ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، اس کا علم حضوری ہے وہ حاضر و ناظر ہے، ہمہ وقت ہر جگہ ذاتی طور پر ہر بات جانتا ہے لہٰذا جو بات اس کی بارگاہ سے ارشاد ہوتی ہے ہمیشہ مضبوط ترین دلیل وہی ہوتی ہے، غالب دلیل وہی ہوتی ہے فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ اور اگر وہ چاہتا تم سب کو ہدایت دے دیتا تو یہ بات تم سب کی سمجھ میں آجاتی لیکن نہ تم نے خواہش کی نہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اس نے بندے کو یہی اختیار دیا ہے کہ وہ ہدایت کا طالب ہو۔ اس کے علاوہ بندہ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا اپنی مرضی سے صحت و بیماری اختیار نہیں کرسکتا اپنی مرضی سے زندہ نہیں رہ سکتا جب موت آتی ہے تو مجبوراً اسے مرنا پڑتا ہے۔ اپنی مرضی سے اپنی عقل و خرد نہیں بنا سکتا اور جو عطا ہوتا ہے وہی ہے۔ اپنی مرضی سے اپنی روزی نہیں مقرر کرسکتا جو اللہ کی طرف سے ہے وہی کچھ ہے تو پھر اختیار کس بات کا ہے۔ بندے کے پاس یہ اختیار ہے کہ بالغ ہونے کے بعد حق و باطل کو پرکھ کر حق کو اختیار کرے۔ آگے اس کی مرضی اگر حق کو اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کا ہاتھ تھام لیتا ہے۔ اس کی مدد فرماتا ہے۔ حق کو سمجھنے میں اس کا سینہ فراخ کر دیتا ہے ایسے لوگوں سے ملوا دیتا ہے جو اسے حق بتاتے ہیں اور اس کی پوری مدد فرماتے ہیں اور اگر وہ کہتا ہے کہ مجھے حق نہیں چاہئے مجھے تو موج میلہ کرنا ہے تو اس کو اس وقت نہیں روکا جاتا اسے اختیار دیا گیا ہے جب تک اس کے پاس مہلت ہے، زندگی ہے، جو جی چاہتا ہے کرلے لیکن فرمایا یہ بات یاد رکھو کہ ہر چیز پہ پھل لگتا ہے، اگر گندم بوتے ہو تو اس پہ گندم لگتی ہے آم کا پیڑ لگاتے ہو تو اس پر آم لگتے ہیں، اگر تم تھوہر بوتے ہو تو اس پر کانٹے لگیں گے، ہر عمل کا ایک نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ میں گناہ کر رہا ہوں تو مجھے کچھ نہیں ہو رہا۔ تمہاری سزائیں تیار ہو رہی ہیں۔ جب تم مرو گے تو نافذ ہو جائیں گی۔ فرمایا: اگر تم خواہش کرتے تو اللہ ایسا رب کریم ہے کہ تمہارے دل میں انابت آتی اور وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فرمایا: جو چیزیں تم حلال و حرام کرتے رہے ہو تو ایسے گواہ لاؤ جو یہ کہیں واقعی یہ چیزیں اللہ نے

حرام کی ہیں۔ سنی سنائی بات کا تو اعتبار نہیں ہوتا تو ایسے گواہ لاؤ لیکن فرمایا جس بندے کا اللہ کے ساتھ ایمان نہیں اسے جھوٹ بولنے میں کیا ڈر لگے گا؟ ہوسکتا ہے یہ غلط طور پر گواہی دینے پھر شروع ہو جائیں گے اور اب ایسا دور آ گیا ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو بھی دیکھا ہے کہ جھوٹ گواہی دیتے رہتے ہیں۔ اور اس پر قرآن شریف کی قسم بھی لے لیتے ہیں اور اللہ کی قسم لے بھی لیتے ہیں اور انہیں خود پتہ ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ فرمایا اے میرے حبیب ﷺ یہ کافر اور مشرک اپنے کفر پر جھوٹی گواہی دینے بھی لگ جائیں تو آپ ﷺ ان کی گواہی قبول نہ کیجئے فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ

ایک خوبصورت اصول:

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جو لوگ میرے احکام اور میری آیات کا انکار کرتے ہیں آپ ان کی بات ہرگز نہ مانیں۔ اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو ایک اصول بتایا کہ اے میرے حبیب ﷺ جو میری بات نہیں مانتا آپ اس کی بات مت مانیں۔ اب یہ تو حضور ﷺ کو فرمایا گیا ہے لیکن پوری نوع انسانی کے لئے میرے اور آپ کے لئے بھی یہی بڑا اصول ہے کہ جب ہم کسی کی بات مانتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہے کہ کیا یہ اللہ کی بات مانتا ہے؟ آئے دن ہمارے ساتھ دھوکا ہوتا ہے لوگ لاکھوں روپے لے جاتے ہیں پھر انکار کر دیتے ہیں کہ تم سے نہیں لئے تھے، واپس نہیں دیتے ایسا کیوں ہوتا ہے اس لئے کہ ہم جھوٹوں پر اعتبار کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کی اطاعت نہیں کرتے ہم ان پر اعتبار کرتے ہیں وہ ہم سے دھوکا کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتنا خوبصورت اصول بتایا کہ جو میری بات نہیں مانتا تم اس کی بات مت مانو۔ اس پر اعتبار مت کرو۔ یہ ارشاد تو نبی کریم ﷺ کو ہوا اور عقیدے کے معاملے میں ہوا لیکن یہ اتنا خوبصورت اصول ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں اپنایا جانا چاہیے اور ویسے بھی اہل حق فرماتے ہیں کہ کسی سے دوستی کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو کہ اللہ سے اس کی دوستی ہے؟ اگر وہ اللہ کا فرمانبردار نہیں ہے تو تم اس سے دوستی کر کے کیا حاصل کرو گے؟ جو اللہ سے وفا نہیں کرتا وہ تم سے وفا کرے گا؟ اور یہ ایسے بدنصیب ہیں یہ اتنی دلیری سے جھوٹ کیوں بولتے ہیں، جھوٹی قسمیں کیوں کھا جاتے ہیں جن کو اللہ نے حلال کیا یہ اسے حرام کر دیتے ہیں اور جس کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے یہ حلال کر دیتے ہیں یہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اس لئے لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ان میں دو خامیاں ہیں ایک خامی تو یہ ہے کہ انہیں آخرت کا یقین ہی نہیں ہے۔ سنا سنایا ایمان ہے لیکن آخرت کا انہیں یقین نہیں ہے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور دوسروں سے امیدیں رکھتے ہیں۔ غیر اللہ سے امیدیں رکھتے ہیں ان سے اپنے کام نکلوانے کی امید رکھتے ہیں اور جسے آخرت پر یقین نہیں اور شرک میں مبتلا ہے وہ کوئی جھوٹ بھی بول سکتا ہے اس پر اعتبار کرنے کا کیا فائدہ؟

سورۃ الانعام رکوع 19 آیات 151 تا 154

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

فرمایئے آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کیا ہے کہ اُس (اللہ) کے ساتھ کسی شے کو بھی شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور افلاس (کے ڈر) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کہ ہم روزی دیتے ہیں تم کو اور ان کو (بھی) اور بے حیائیوں کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں یا چھپی ہوئی ہوں اور کسی جان (والے) کو قتل نہ کرنا جس سے اللہ نے منع فرمایا ہو مگر جائز طور

یہ (جس کا شرع حکم دے) (اللہ) ان باتوں کا تم کو (تاکیدی) حکم کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو۔﴿۱۵۱﴾ اور یتیم کے مال کے پاس بھی مت جاؤ مگر بہتر طریقے سے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے۔ اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو ہم کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور جب بات کرو تو انصاف کرو خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ اور اللہ سے کیا ہوا وعدہ (عہد) پورا کرو۔ (اللہ نے) تم کو ان سب کا (تاکیدی) حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔﴿۱۵۲﴾ اور یہ کہ یہی (دین) میرا سیدھا راستہ ہے سو اس پر چلو اور دوسری راہوں پہ مت چلو کہ وہ تمہیں اس (اللہ) کی راہ سے الگ کر دیں گی (اللہ نے) تم کو اس کا (تاکیدی) حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو۔﴿۱۵۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی جس سے نیک عمل کرنے والوں پر نعمت پوری کر دی اور اس میں ہر چیز کی وضاحت اور رہنمائی اور رحمت ہے تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے پر ایمان لائیں۔﴿۱۵۴﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے پروردگار نے جو کہ تمہارا خالق بھی ہے اور ربّ بھی۔ جس نے بساطِ کائنات تمہارے لئے بچھا دی ہے۔ جو تمہیں اپنی بے پناہ نعمتیں مسلسل دے رہا ہے۔ اس نے تمہیں کس کس چیز سے روکا ہے۔ تم پر کون کون سی چیزیں حرام کر دی ہیں؟

فرمایا: بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو، والدین کے ساتھ احسان کرو، افلاس کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، ہم ہی انہیں بھی اور تمہیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ ظاہری ہو یا پوشیدہ اور کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔

اللہ کریم نے تمہیں ان باتوں کا تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم دانشمندی سے زندگی گزار سکو۔ فرمایا یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوائے اچھے طریقے کے یعنی اس کی پرورش اور ترتیب پر خرچ کرو اسے فضول ضائع نہ ہونے دو تآنکہ وہ بلوغت کو پہنچ جائے اور اپنا مال خود سنبھال لے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ اللہ کریم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھواتے۔ اور جب بات کرو تو انصاف سے کرو خواہ

وہ قرابت دار کے خلاف جا رہی ہو یعنی ہمیشہ حق بات کہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کی نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم سمجھداری سے کام کرو۔ یہ میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے اسی کا اتباع کرو اور مختلف راستوں کے پیچھے نہ لگو وہ تمہیں متفرق کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ سے الگ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کی نصیحت فرماتے ہیں تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ فرمایا: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جو اس پر عمل کرنے والوں کے لئے پوری پوری نعمت الٰہیہ تھی جس میں تمام تفصیلات درج تھیں اور اس میں مکمل رہنمائی تھی۔ وہ اللہ کی رحمت تھی تا کہ لوگ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے پر پختہ یقین حاصل کریں۔

تفسیر و معارف

اصلاح معاشرہ کے دس بنیادی اصول:

یہ بنیادی اصول اسلام نے اس وقت دیئے تھے جب روئے زمین ایک مقتل کا منظر پیش کر رہی تھی۔ دہشت گردی، قتل و غارت، بددیانتی، بردہ فروشی، جواء، سود، شراب خوری عام تھی اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ پوری تاریخ انسانی میں اتنا برا حال پہلے کبھی نہ تھا جتنا اس وقت تھا جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک دنیا ظلم سے بھر چکی تھی۔ تو وہ کیا نسخہ تھا جس نے چند سالوں میں روئے زمین کو امن کا گہوارہ بنا دیا۔ گھر گھر انصاف پہنچنے لگا۔ ہر آدمی خدا رسیدہ ہونے لگا۔ وہ کیا اصول تھے؟ وہی ابدی اصول جو قرآن حکیم میں اس آیت مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں۔

فرمایا: میرے حبیب ﷺ! لوگوں کو دعوت دیجئے کہ آؤ میرا پیغام سنو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارے مالک اور تمہارے پروردگار نے کن کن چیزوں کی تم پر پابندی لگائی ہے۔ اللہ کریم تمام اشیاء کا خالق ہے وہ جانتا ہے کہ ہر شئے کا کیا کام ہے۔ ہم تمام اشیاء کے بارے مکمل طور پر علم نہیں رکھتے۔ ہم کہتے ہیں کہ سانپوں کا کیا فائدہ یہ تو لوگوں کو ڈستے ہی رہتے ہیں لیکن اللہ کریم نے سانپوں کے ذمے کتنے کام لگائے ہیں۔ اگر سانپ نہ ہوتے تو چوہے شاید کوئی فصل سلامت نہ رہنے دیتے۔ سابقہ مشرقی پاکستان اور اس کے ساتھ ملحقہ ہندوستانی علاقوں میں جہاں چاول کی کاشت ہوتی ہے یا گوجرانوالہ اور سیالکوٹ کے علاقوں میں چاول کے کھیتوں میں دیکھا جا سکتا ہے کہ لوگ سانپ دیکھ کر بھی نہیں مارتے بلکہ ان کی موجودگی کو کھیت کے لئے

اچھا سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ چوہے نہ صرف فصل کا نقصان کرتے ہیں بلکہ کھیت کے بنیروں میں سوراخ کر کے کھیت کا پانی بھی نکال دیتے ہیں اور فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ سانپ چوہوں کو کھاتے رہتے ہیں اور کسان فصل کی حفاظت پر شکر کرتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے جس نے تمام چیزیں کسی نہ کسی کام پر لگائی ہوئی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہر چیز کھانا شروع کر دے۔ اسلام میں جو چیزیں حرام کی گئی ہیں ان کا کھانا انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ حرام چیزوں کے وجود کا مقصد ان کے ذمے لگائے گئے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

اصلاح احوال کی بنیاد' توحید باری:

قرآن حکیم نے تمام اصولوں کی بنیاد توحید باری پر رکھی فرمایا: اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ۔ شرک ایسا ظلم ہے جس کا نتیجہ دنیوی اور اخروی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کوئی بھی عمارت تب ہی اچھی بنتی ہے جب اس کی بنیاد مضبوط، سیدھی اور درست رکھی جائے۔ اللہ رب العزت نے اصلاح احوال کی بنیاد اس پر رکھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور کسی طرح بھی نہ کیا جائے یعنی نہ ظاہری طور پر شرک کیا جائے نہ خفیہ طریقے سے کیا جائے۔ شرک کی مختلف قسمیں ہیں جن میں بڑی اور واضح قسم بت پرستی ہے۔ جیسے اس زمانے کے مشرکین بت پوجتے تھے یا آج کا ہندو بت پوجتا ہے یا آج کا عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بت پرستی یہ ہے کہ ایک بت کسی پتھر گارے یا لکڑی وغیرہ سے تراشا جائے پھر اس کو اللہ کا شریک سمجھ لیا جائے۔ شریک سمجھنے سے مراد یہ ہے کہ اسے نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا مانا جائے یہ سمجھا جائے کہ اگر اس کی اطاعت نہ کی تو نقصان ہوگا اور اس کی پوجا کرنے سے نفع ہوگا۔ اسے شرک جلی کہتے ہیں یعنی ایسا شرک جو سامنے ہے، ہر کسی کو نظر آ رہا ہے۔ بعثت نبویؐ کے وقت شرک کی یہ قسم عام تھی۔ نہ صرف بت پوجے جاتے تھے بلکہ فرشتوں کو (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر پرستش کی جاتی تھی۔ چاند، سورج، ستارے، پہاڑ، آگ اور بے شمار جانور پوجے جاتے تھے۔ بعثت نبویؐ نے لا الہ الا اللہ کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ جسے یہ کلمہ حق نصیب ہو جائے اس کے لئے بت پتھر کا ایک ٹکڑا ہی رہ جاتا ہے۔

شرک کی ایک دوسری قسم ہے جسے شرک خفی کہتے ہیں۔ یہ پوشیدہ شرک ہے جس میں بظاہر کسی کو سجدہ نہیں کیا جاتا لیکن اللہ کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو بالذات نفع پہنچانے والا یا نقصان پہنچانے والا سمجھ لیا جاتا ہے۔ شرک کی یہ قسم عام ہے۔ کلمہ پڑھنے کے باوجود عام ہے۔ ہندو اگر دیوی، دیوتاؤں کی پوجا

کرتے ہیں تو ہم بزرگانِ دین کی پوجا کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزارات پر سجدے دیتے ہیں۔ خیال یہی ہوتا ہے کہ یہاں سے اولاد مل جائے گی، روزگار مل جائے گا، بیماری ٹھیک ہو جائے گی۔ تو پھر فرق کیا ہے؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو شخص کلمہ پڑھنے کے بعد ایسی حرکتیں کرتا ہے وہ زیادہ ظالم ہے۔ کافر تو پہلے سے ہی کفر میں مبتلا ہے اس نے کسی سے یہ عقیدہ رکھا تو اس کے کفر میں ہی اضافہ ہو گا۔ کلمہ گو کو یہ کیسے زیب دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے دروازے پر سر رکھے لیکن عوام ہیں کہ اپنی توقعات اللہ سے ہٹا کر مزارات پر لے گئے ہیں اور ان مزارات کے متولی ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ اور فریب ہے جس میں انہوں نے لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے لیکن وہ یہ کام کئے جا رہے ہیں اس لئے کہ قبروں سے انہیں کروڑوں کی آمدن ہو رہی ہے۔ سادہ لوح لوگ ان کے جال میں آ جاتے ہیں لیکن حیرت تو ان پڑھے لکھوں پر ہوتی ہے جو یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل ہیں اور انہی لوگوں میں شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص چار پانچ مضمونوں میں ایم اے کر لیتا ہے اور پھر بھی درگاہوں سے نفع و نقصان کو وابستہ کرتا ہے تو پھر کیا اسے پڑھا لکھا کہا جا سکتا ہے؟ وہ تو صرف اس مضمون میں پڑھا لکھا ہے جس میں اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ جس شخص نے دین پڑھا نہیں، دین کی اسے خبر ہی نہیں، وہ دین کی الف بے نہیں سمجھتا تو اسے تعلیم یافتہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ہمارے خود ساختہ دانشور اور پڑھے لکھوں کی اکثریت اسی قبیل سے ہے۔

شرک کی ایک تیسری قسم بھی معاشرے میں نظر آتی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلے میں کسی طاقتور، کسی جابر، کسی صاحب اقتدار، سیاستدان یا امراء کی بات ماننا بھی شرک خفی کی ایک صورت ہے۔ الیکشنوں میں لوگ امیدواروں کو ووٹ اس لئے نہیں دیتے کہ یہ شخص قابل ہے، دیانتدار ہے یا اس منصب کا اہل ہے بلکہ ووٹ دیتے وقت وہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ہمارے مفادات پورے کروائے گا۔ سیاستدانوں کی بھی حمایت کرتے وقت یہی بات پیش نظر ہوتی ہے کہ یہ ہمیں نفع پہنچائیں گے ان کی غلامی میں اللہ کی نافرمانی کر لیتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کا حکم چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ کسی کو بالذات نفع و نقصان پہنچانے والا مان لینا ہی شرک ہے۔

ذریعہ اور سبب سمجھ کر تعاون کرنا اور مدد لینا اور ایسا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پاسداری کرنا درست اور جائز ہے۔ جس طرح مسجد سے باہر کھڑے ہو کر دعا کرنے اور مسجد کے اندر حاضر ہو کر دعا کرنے میں فرق ہے کہ مسجد کی اپنی برکت ہے، جگہ سے فرق پڑتا ہے۔ اسی طرح بزرگانِ دین کے مزار پر

جانا، والدین کی قبر پر جانا یا مسلمانوں کی قبروں پر دعا کرنا، سلام کہنا غلط نہیں لیکن کسی صاحب قبر کو حاجت روا سمجھنا یا نافع وضار سمجھ لینا یہ شرک ہے۔ ہمارے ہاں دو انتہائیں رائج ہیں یا تو لوگ قبروں کو نابود کر دینا چاہتے ہیں یا لوگوں کو اہل قبور سے مانگنے پر لگا دیتے ہیں کہ تم اللہ سے براہ راست نہیں مانگ سکتے تم قبر والے سے مانگو پھر قبر والا اللہ سے مانگے گا۔ شریعت نے جس چیز کو جو جائز مقام دیا ہے وہی درست ہے کہ ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ ساری کائنات کا پالنا اس کے ذمے ہے اور وہی سب کو پال رہا ہے۔ سب کا حساب بھی وہی لے گا۔

اگر ظاہری اور پوشیدہ شرک سے توبہ کر لی جائے اور ہمارے با اثر افراد اور حکومتی ادارے اس بات پر ڈٹ جائیں کہ نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ہم کسی کی سفارش یا رشوت پر کام نہیں کریں گے اور دیانتداری اپنائیں گے تو صرف شرک سے توبہ کرنے سے اصلاح ہو سکتی ہے۔ ہماری اصلاح اس لئے نہیں ہو رہی کہ ہم شرک خفی میں مبتلا ہیں۔

اصلاح احوال کی بنیاد اس بات پر رکھی جا رہی ہے کہ اللہ سے شرک کرنا چھوڑ دو معاملات درست ہونے لگ جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس مرض کو انتہائی ابتداء سے پکڑا ہے کہ پہلی بات ہی یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو مانو اور اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔ اللہ کے مقابلے میں کسی کی بات نہ مانو۔ جن کاموں اور جن چیزوں سے اس نے روک دیا ہے ان سے رک جاؤ۔ پورے معاشرے کی اصلاح کے لئے یہی ایک بات کافی ہے۔

فرمایا: وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ والدین سے حسن سلوک کرو۔ والدین وہ ہستیاں ہیں کہ انہوں نے ہمیں پالا پوسا، محبت و پیار دیا، ہماری ضرورتوں کا خیال رکھا، ہمیں پرورش کر کے جوان کیا، وہ ہمارے حسن سلوک کے مستحق ہیں، کسی نے ایک دن ذکر کیا کہ اس کے والد ضعیف اور بیمار ہیں۔ وہ اس بات سے پریشان تھا کہ بیماری کے باعث وہ بستر پر ہی پیشاب کر دیتے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، بچہ بھی تو دو تین برس تک بستر پر ہی پیشاب کرتا ہے اور والدین اسے دھوتے اور سنبھالتے رہتے ہیں۔ آج اگر والدین پر ایسا وقت آ گیا ہے تو اولاد کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو ان کی سعادت ہے کہ ان کی خدمت کرے اور اللہ کی رضا حاصل کرے۔ اور بستر دھونے، بدلنے اور والدین کو سنبھالنے کا یہ عمل تو محض اس خدمت کا بدلہ ہے جو اولاد نے اتارنا ہے ورنہ حکم تو اس سے آگے کا ہے کہ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ لہٰذا آج اگر بزرگوں پر ایسا وقت آ گیا ہے تو اسے خوشی سے انجام دے جیسا کہ اس کے والدین بچپن میں ہنسی خوشی یہ کام انجام دیتے رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس شخص کو میری بات سمجھ آ گئی۔ خوش ہوئے کہ اللہ کریم نے انہیں والد کی خدمت کا موقع دیا ہے۔ اللہ کریم اس کی طفیل مجھے معاف کر دے۔

والدین پر احسان کی کئی صورتیں ہیں۔ والدین کی عزت کرو، احترام کرو، ان سے ناگوار لہجے میں بات نہ کرو، ایسی بات نہ کرو جس سے وہ ناراض ہوں اور انہیں ہرگز نہ جھڑکو۔

یہاں وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ فرما کر کوئی قید نہیں لگائی کہ وہ مومن ہوں تو ہی احسان کرو بلکہ والدین کا والدین ہونا ہی عزت و احترام کا مستحق ہونے کے لئے کافی ہے۔لہٰذا وہ کافر ہوں یا مسلم ہر صورت ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہے اور والد اور والدہ دونوں کی عزت کی جائے۔جتنی جس کے بس میں ہے ان کی خدمت کرے جو بس میں نہیں اس کا وہ مکلف نہیں ہے۔

والدین اگر شریعت کے خلاف کرنے کا حکم دیں تو ان کی بات ماننے کا وہ مکلف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت مقدم ہے۔مثلاً کسی کے والدین اسے کہتے ہیں کہ صلوٰۃ ادا نہ کرو بلکہ فلاں کام کرو تو اسے چاہیے کہ خاموشی سے چلا جائے اور صلوٰۃ کو وقت پر ادا کر لے۔ والدین سے جھگڑا نہ کرے۔ اسی طرح ان کے کہنے پر حرام نہ کھائے۔ جھوٹ نہ بولے، برائی نہ کرے، کسی پر ظلم و تشدد نہ کرے اور کام شریعت کے دائرے کے اندر رہ کر کرے۔ والدین کے خلافِ شرع حکم دینے پر بھی ان کو جھڑکے نہیں۔ ان کی توہین نہ کرے۔ ان کو ناراض نہ کرے لیکن ان کی ناجائز بات نہ مانے، کسی خلاف شریعت حکم کو نہ مانے۔

کافر والدین کی بھی عزت و احترام ملحوظ رکھا جائے۔ بدر میں ایک صحابیؓ نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت مانگی کہ اس کے والد مشرکین کی طرف سے لڑ رہے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ اپنے والد کو خود قتل کردوں۔آپ ﷺ نے منع فرمادیا کہ جو تیرے دنیا میں آنے کا سبب بنا ہے تو اس کے دنیا سے جانے کا سبب نہیں بن سکتا۔اور جانثار موجود ہیں وہ اسے نپٹ لیں گے لیکن وہ تمہارا باپ ہے تمہیں میں یہ اجازت نہیں دیتا۔

جہاں والدین کے حقوق ہیں وہاں اولاد کے بھی حقوق ہیں۔ والدین کو حکم دیا جارہا ہے وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ‌ؕ اپنی اولادوں کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو اس لئے کہ نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ ہم ہی تمہیں رزق دے رہے ہیں وَاِيَّاهُمۡ ۚ اور ان کو بھی ہم ہی رزق دیں گے۔تم رازق نہیں ہو۔صرف اللہ ہی رازق ہے۔اس نے مختلف قسم کے رزق سے زمین کا سینہ اٹ دیا ہے لہٰذا یہ کہنا ہی غلط ہے کہ بچے زیادہ ہو جائیں گے تو کھائیں گے کہاں سے؟ وہ فرماتا ہے غور کرو کہ تم کہاں سے کھا رہے ہو؟ جو تمہیں پال رہا ہے وہ تمہارے بچوں کو بھی پالے گا۔جتنی افرادی قوت ہوگی اتنے وسائل رزق بھی ہوں گے۔رزق کے جتنے زیادہ وسائل ہوں گے اتنے ہی زیادہ لوگ آسودہ حال ہوں گے۔ جو فرد بھی دنیا میں آتا ہے وہ ایک منہ لے کر آتا ہے اور اس کے ساتھ دو ہاتھ ہوتے ہیں۔ اللہ کریم اتنے ہی وسائل عطا فرما دیتے ہیں لہٰذا یہ کفر کی

اور عیسائیوں کی مغرب کی لگائی ہوئی آگ ہے جو انہوں نے بے حیائی کو عام کرنے کے لئے لگائی ہے۔ ان کے ہاں مادی ترقی ہوئی تو ان کی عورتیں اولاد پیدا کرنے سے بھاگ گئیں پھر شادی سے ہی دور ہو گئیں اور بے حیائی عام ہوگئی۔ اب یہی اقوام اپنی عورتوں کو ترغیب دے رہی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ بچے پیدا ہوں کہ ہر قوم کو اپنی شناخت کے لئے، اپنے ملک کو قائم رکھنے کے لئے، ملکی دفاع کے لئے ایک تعداد تو چاہیے۔

بچے پیدا نہ کرنے کا رجحان اللہ کریم پر عدم اعتماد کی ایک صورت ہے:

فرمایا تم اس وجہ سے بچوں کو پیدا نہیں ہونے دینا چاہتے یا روکنا چاہتے ہو اور پیدا ہو جائیں تو مار دینا چاہتے ہو کہ یہ کہاں سے کھائیں گے تو یہ ایمان میں بہت بڑی کمی کی دلیل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر ایمان نہ ہونے کی دلیل ہے۔ رازق صرف اللہ ہے۔ بندے کا کام اللہ کا حکم مان کر اپنے حصے کی محنت کرنا ہے۔ ہمارا یہ ذاتی تجربہ ہے۔ ہمارے باپ دادا چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں کھیتی باڑی کر کے زندگیاں بسر کر گئے۔ ہماری باری آئی تو کوئلے اور نمک کی کانوں کا کام کیا اور وہی غریب لوگ کروڑ پتی ہو گئے۔ ایک زمانے تک ہم کوئلے کے باہر جو Out Crop ہوتا تھا اسے نکال کر باہر پھینک دیتے تھے اور کوئلہ بیچ دیتے۔ آج اس Out Crop کی افادیت کھلی تو وہ کوئلے سے مہنگا بک رہا ہے۔ آنے والے زمانے میں اور کون کون سی نئی چیزیں دریافت ہو جائیں گی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رزق کے وسائل اللہ کریم نے پھیلا رکھے ہیں۔ حکم دیا ہے کہ انہیں تلاش کرو اور رزق کے ڈر سے بچوں کو قتل نہ کرو۔ میں نے اپنی زندگی میں کئی غریب خاندانوں کو محض افرادی قوت کے بڑھ جانے کے باعث امیر ہوتے دیکھا ہے۔ ایک باپ کے کئی بیٹے ہوئے اس نے غربت میں مشکل سے پالا وہ جوان ہوئے تو کوئی کویت چلا گیا، کوئی عرب، کسی نے کاشتکاری سنبھال لی اور کسی نے کچھ اور کر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے گاؤں کے سفید پوش خاندان سے چودھری خاندان بن گئے۔

قتل اولاد کی صورتیں:

مشرکین کے ہاں ایک صورت یہ تھی کہ عرب میں لوگ بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک یہ کہ وہ کسی کو داماد بنانا عار سمجھتے تھے۔ اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے دوسری یہ کہ معاشرے میں بے حیائی اتنی عام تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو اس کا شکار ہونے سے بچانے کے لئے ایسا کر دیتے تھے۔ کافر اگر اولاد کو زندہ در گور کر دیتا تھا تو ایسی اولاد کی بے گناہ مارے جانے کے سبب بخشش کر دی جائے گی۔ ان کی موت

ان کی نجات کا سبب ہو گی لیکن ہم کلمہ پڑھنے کے باوجود بچوں کو دین سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔ وہ بڑے ہو کر رشوت خور، چور، خائن بنتے ہیں اس کے نتیجے میں انہیں عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا تو یہ قتل سے بھی بڑا جرم ہے کہ اولاد کو تباہ کر دیا لہٰذا اولاد کو دین نہ سکھانا اور دنیا میں ان کی تربیت نہ کرنا بھی قتل اولاد کی صورت ہے۔

ماں کے پیٹ میں ایک سوبیس دن کے بعد بچے میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کا اسقاط کرنا بھی قتل ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر بچے پیدا ہونے سے روکنے کی تدابیر کرنا یا بچے پیدا ہو جائیں تو انہیں مار دینا یہ سب قتلِ اولاد کی صورتیں ہیں۔

عورت کو بانجھ کر دینا حرام ہے:

کسی بیماری کی وجہ سے یا عورت کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے عارضی طور پر علاج کروانا کہ خاتون کو وقتی طور پر حمل نہ ہو اس کی اجازت ہے لیکن کلی طور پر خاتون کو بانجھ کر دینا۔ ایسا آپریشن کر دینا کہ کبھی بچہ ہو ہی نہ سکے یا مرد کی نس بندی کروا دینا کہ آئندہ اولاد نہ ہو یہ دونوں قطعی طور پر حرام ہیں ان کے لئے کوئی حیلہ، کوئی شرعی جواز نہیں۔ یہ قتل اولاد کے زمرے میں آتا ہے۔

خلاصۂ احکام:

خلاصہ یہ کہ دنیا میں اولاد کو پیدا کرنے سے پالنے تک جن کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لگائی ہے وہ والدین ہیں۔ ان کے بعد تعلیم و تربیت کے لئے اس کے اساتذہ ہیں۔ اللہ کریم اس بات کی طرف متوجہ فرما رہے ہیں کہ ایک شخص جو اپنے مالک اور پروردگار کی پرواہ نہیں کرتا جو اسے پال رہا ہے، بے شمار نعمتیں دے رہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کافر ہو اللہ کو نہ مانتا ہو لیکن والدین کو تو جانتا ہے کہ انہوں نے کتنی محبت سے پالا ہے وہ ان کی بھی پرواہ نہیں کرتا پھر دنیا میں عزیز ترین شئے اولاد ہوتی ہے وہ ان کی بھی پرواہ نہیں کرتا تو اس سے کس بھلائی کی توقع رکھتے ہیں۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ کسی سے دوستی کرنے سے پہلے دیکھو کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا فرمانبردار ہے؟ اگر وہ مسلمان ہے اور نافرمان ہے تو وہ دوستی کے قابل نہیں۔ اگر کافر ہے تو پھر بھی یہ دیکھو کہ کیا وہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ اگر وہ والدین کا حق نہیں پہچانتا تو تمہاری دوستی کا حق کیسے پہچانے گا؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختہ ہونے کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ہوا۔ علماء حق، اساتذہ کے حقوق کو بھی ایسی اہمیت دیتے ہیں کہ والدین کے بعد اساتذہ کا ہم پر بڑا احسان ہے جو ہمیں تعلیم دیتے ہیں۔ ہماری تربیت کرتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے ممنون ہوں۔ ان کے ساتھ بداعتمادی

نہ پیدا ہونے دیں۔ زیادتی نہ کریں تو معاشرے میں کتنی اصلاح ہو جائے۔

چوتھا اصول یہ دیا وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں وہ ظاہر ہیں یا پوشیدہ ہیں ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔ وَلَا تَقْرَبُوا سخت ممانعت کے لئے استعمال کیا گیا ہے کسی بات سے منع کرنے یا روکنے کے دو انداز ہیں مثلاً کہا جائے کہ اس گلاس سے پانی نہ پینا۔ اور پھر یہ کہا جائے کہ خبردار اس کے قریب بھی مت جانا۔ دوسرا انداز انتہائی سختی سے روکنے کا ہے۔ اس آیت میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے کہ بے حیائی کے قریب بھی نہ پھٹکنا۔

فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۵۱﴾ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو۔ قتل ناحق ہر وہ قتل ہے جو اللہ جل شانہٗ کے حکم کے بغیر کیا جائے۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ زندگی لینے کا حق اسے حاصل ہے جو زندگی دینے پر قادر ہے۔ انسانی معاشرے کی ساری قوتیں مل کر بھی کسی کو ایک لمحہ کی زندگی نہیں دے سکتیں تو انہیں لینے کا بھی حق نہیں۔ اللہ کریم نے اصلاح معاشرہ کے لئے قانون وضوابط بنادیئے ہیں۔ جہاں کہیں جرم ہوتا ہے وہاں اس کی سزا بھی مقرر کر دی گئی ہے جیسے قتل ناحق کی سزا موت ہے تو یہ ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ اللہ کا حکم نافذ کرے۔ اپنی مرضی سے قتل نہ کرے اور اسی طرح کسی کے سامنے قتل ہوا ہو تو اسے بھی اجازت نہیں کہ وہ اس قاتل کو قتل کر دے اس لئے کہ سزا دینے کا حق اداروں کو ہے افراد کو نہیں۔ دیکھنے والے اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ اس نے میرے سامنے قتل کیا۔ عدالت بھی اپنی مرضی کرنے کا حق نہیں رکھتی وہ بھی اللہ کا قانون نافذ کرے گی اور قتل ناحق کی سزا کے طور پر سزائے موت دے گی۔

اللہ کریم نے دو بنیادی حقوق ہر فرد کو عطا فرما دیئے ہیں۔ ایک زندہ رہنے کا حق دوسرا عقیدہ رکھنے کا حق۔ ہر شخص کو زندگی اللہ نے دی ہے اور وہی زندگی لینے کا حق رکھتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جس کی چاہئے زندگی لے لے۔ زندہ رہنے کے حق میں بہت امور شامل ہیں۔ حکومت وقت کے ذمے ہے کہ وہ اسے زندگی کے وسائل مہیا کرے۔ روزگار کے مواقع دے، علاج کی سہولیات فراہم کرے، تعلیم وتربیت کے وسائل مہیا کرے، اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کو یقینی بنائے، بلا تفریق مذہب وملت ہر شہری کا یہ حق ہے کہ جب تک وہ حدود اللہ کی طرف سے واجب القتل نہ ہوا سے قتل نہ کیا جائے، اس کا مال نہ لوٹا جائے، اس کی عزت وآبرو نہ لوٹی جائے۔

دوسرا حق ہے عقیدہ رکھنے کا۔ اللہ کریم نے کسی پر زبردستی عقیدہ مسلط کرنے کا حق کسی کو نہیں دیا۔ ہر

شخص کو عقل وشعور دیا، کتابیں نازل فرمائیں، انبیاءؑ ورسل مبعوث فرمائے، زندگی کی مہلت عطا کی اور فیصلہ کرنے کا اختیار دیا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے دعوت حق دی۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ جس نے یہ دعوت قبول کر لی اور جو قبول نہیں کرتا اسے اللہ کریم کے آگے خود جواب دینا ہے لیکن جب تک وہ دنیا میں ہے انسانی معاشرے میں زندہ رہنے کا حق اسے بھی ہے، جان ومال وآبرو کا تحفظ اسے بھی حاصل ہوگا۔ زندگی کے وسائل اس تک بھی پہنچائے جائیں گے۔ اس کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام بھی ہوگا۔

سو فرمایا: کسی جان کو قتل نہ کرو اِلَّا بِالْحَقِّ ہاں حق کے ساتھ یعنی جس پر اللہ یہ سزا مقرر کر دے تو وہ قتل کرنا حق کے مطابق ہوگا اور وہی ادارہ کرے گا جس کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لگائی ہے۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۵۱﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان چیزوں کی نصیحت فرماتے ہیں تاکہ تم عقل وشعور کے ساتھ زندگی بسر کرسکو۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب کوئی بھائی بند دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور اس کے نابالغ بچے ہوتے ہیں تو وہ یتیم کہلاتے ہیں۔ ان کا مال ان کا چچا، ماموں، نانا یا دادا کے پاس آجاتا ہے۔ اس مال کے بارے حکم دیا جارہا ہے کہ اسے بے دریغ خرچ نہ کرو۔ اس کی ذمہ داری اپنے مال سے بھی زیادہ سمجھو اور پوری احتیاط سے خرچ کرو اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ بہت احسن طریقے سے ان کے مال کو ان پر خرچ کرو۔ جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ کرو ان کی غذا، علاج معالجہ، تعلیم، لباس اور دیگر ضروریات پر خرچ کرو، خوبصورت طریقے سے کرو لیکن بہت سنبھال کر خرچ کرو۔ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ حتیٰ کہ وہ خود بالغ ہوجائیں اور اپنا مال سنبھال لیں۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لین دین، ناپ تول پورے انصاف کے ساتھ کرو۔ جو چیز لیتے ہو وہ پورا لو اسی طرح جو دیتے ہو وہ پورا دو۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ کریم کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جو انسان کے بس میں نہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اسلامی احکام پر چلنا مشکل ہے لیکن اللہ کریم فرماتے ہیں اسلام پر چلنا سب سے سہل ہے کہ اسلام میں ایسا کوئی حکم نہیں جو بندہ کر نہ سکتا ہو۔ جو کام وہ کر نہیں سکتا اس کا وہ مکلف ہی نہیں۔ اس کا اسے حساب ہی نہیں دینا لہٰذا اسلام پر عمل آسان ہے اور اسلام کے خلاف چلنا مشکلات پیدا کرنے کا سبب ہے وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا جب بات کرو عدل اور انصاف کے ساتھ کرو وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى خواہ تمہارا سچ کہنا تمہارے عزیز کو ناگوار گزرے یا اس سچ سے اس کا نقصان ہوتا ہو۔ کسی بھی حالت میں جھوٹ نہ بولو اور سچ سے باز نہ آؤ۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اور جو وعدہ اللہ کریم سے کرتے ہو وہ پورا کرو ہر مسلمان کلمہ طیبہ قبول کر کے اللہ کریم سے وعدہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے نفع کی امید رکھی جائے یا اس کے نقصان کے ڈر سے کچھ کیا جائے۔ وہ اکیلا ہی

عبادت کا مستحق ہے۔عبادت سے مراد ہے اطاعت۔ یہ عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھنا درست ہے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کروں گا تو کوئی مصیبت آجائے گی، عذاب آجائے گا، اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤں گا۔ اطاعت الٰہی کروں گا تو اللہ کریم دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں آسانیاں پیدا فرمائیں گے۔ مجھ پر رحم فرمائیں گے۔ میری مدد فرمائیں گے۔ اور اگر یہی امید ہم کسی حکمران، دولت مند، زندہ یا مردہ کسی فرد سے وابستہ کرلیں گے تو یہ ان کی عبادت کرنے کے مترادف ہوگا۔ اللہ کے نیک بندوں کی اطاعت اس لئے کی جاتی ہے کہ جو ولی اللہ ہوگا وہ اللہ کریم کا حکم سنائے گا اپنی رائے نہیں دے گا۔ اس کی اطاعت تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوگی۔ اس کی نہیں ہوگی۔ ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے پابند ہیں جو اللہ کریم کی بات ہمیں پہنچائے، رسول اللہ ﷺ کی بات پہنچائے وہ اللہ کا ولی ہے۔ اور جو اپنی گھڑی ہوئی بات پہنچائے وہ اس قابل نہیں کہ اسے نیک سمجھا جائے۔

اللہ کریم سے عہد یہ ہے کہ غیر مشروط اطاعت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ یہ پکا عہد کرتا ہوں کہ تیری ہی عبادت کروں گا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کروں گا۔ عبادات سے مراد صلوٰۃ و حج ہی نہیں بلکہ پوری زندگی کے ہر کام کو شریعت کے مطابق کرنا عبادت ہے۔ ہر اطاعت اپنی جگہ عبادت ہے۔ عبادت کیسے کرنی چاہئے، کب کرنی چاہیے، طریقہ کیا ہوگا، اس میں کیا پڑھا جائے گا، اوقات کیا ہوں گے؟ یہ سب رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا ہے۔ تمام فرض عبادات کے علاوہ بھی جو کچھ ہم دن بھر کرتے ہیں یا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے یا اس کے خلاف ہوتا ہے تو جب بھی ہم اللہ کریم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں تو ہم اللہ سے بدعہدی کرتے ہیں۔ وعدہ تو یہ کیا کہ صرف تیری اطاعت کریں گے اور تیرے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی کریں گے لیکن کام ہم وہ کرتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ نے بتایا نہ اللہ کے نبی کریم ﷺ نے، نہ ہی اس طریقے پر کیا جو نبی کریم ﷺ کا ہے۔ یوں رات دن ہم وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اگر ہم سے کوئی وعدہ کر کے مکر جائے اور ہر بار وعدہ خلافی کرے تو ہم اس سے کتنے خوش ہوں گے؟ حالانکہ یہ معاملہ تو دو انسانوں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ ہمیں رزق دیتا ہے اور مسلسل دیئے جا رہا ہے تو بندہ، مخلوق ہو کر خالق سے کئے گئے وعدہ سے مکر جائے تو کتنا بڑا ظلم ہے۔ اللہ کریم سے تو ہمیں یہ توقعات ہوتی ہیں کہ ہم پر اس طرح کی رحمتیں نازل ہوں جو صحابہ کرامؓ پر ہوتی تھیں لیکن وعدہ کر کے مکر جانے میں ہم ذرا دیر نہیں لگاتے۔ ہر کام میں اللہ کریم سے عہد شکنی کرتے ہیں۔ اتباع رسالت پناہی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ وہ ہمیں غرق

نہیں کرتا۔ زمین میں دھنسا نہیں دیتا، آگ نہیں برساتا ورنہ وعدہ خلاف قوموں پر کبھی بادلوں سے آگ برسی، آسمانوں سے پتھر برسے، زمین کا سینہ پھٹ گیا اور قوموں کی قومیں غرق ہوگئیں۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثتِ عالی کے بعد اللہ کریم نے عمومی اور مجموعی طور پر عذاب تو رفع فرما دیئے لیکن اعمال کے نتائج سے بندہ بچ نہیں سکتا۔ جیسے بیمار شخص بد پرہیزی کرے گا تو اسے تکلیف ہوگی۔ جب ہم یہ اصول سمجھتے ہیں کہ شوگر کا مریض میٹھا کھائے گا تو اس کی بیماری بڑھے گی اور اس سے وابستہ ساری تکالیف آئیں گی تو یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ گناہ کرنے سے مصیبتیں آئیں گی۔ دونوں جہان خراب ہوں گے۔ یہ اصول ہے کہ جس کی آخرت بگڑتی ہے اس کی دنیا لازمی طور پر خراب ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آخرت حقیقی ہے اور دنیا عارضی۔ دنیا آخرت کا پرتو ہے، عکس ہے۔ جس کی آخرت سنورتی ہے اسے دنیا میں بھی سکون نصیب ہوجاتا ہے کہ سہولتیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

سہولتوں سے کیا مراد ہے؟

اس سے مراد ہے دلی اطمینان اور سکون۔ لطف ولذت اور شکرِ نعمت۔ ایک شخص جس کے پاس شاید شاندار بستر نہ ہو، ہوسکتا ہے وہ زمین پر یا پتھروں پر سو رہا ہو لیکن اس کی نیند پر لطف ہو، پرسکون ہو اور دوسرا شخص جس کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ عالیشان محل ہو، نرم و گداز بستر ہو لیکن اس کے اندر بے چینی و بے سکونی ہو، نیند جیسی راحت سے محروم ہو۔ یہ وہ سہولت ہے جو اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جسے وہ اپنے فرمانبردار بندوں کے لئے ارزاں کر دیتا ہے۔ اگر آدمی مخلص ہو، اس کی آخرت بن رہی ہو تو اللہ کریم اس کی دنیا کو بھی پر لطف بنا دیتا ہے۔ اسے حلال ذرائع سے حاصل کردہ سوکھی روٹی میں لذت عطا کر دیتا ہے اور اگر آخرت خراب ہو رہی ہو تو انواع واقسام کے کھانوں میں لطف نہیں ملتا۔ نرم اور آرام دہ بستروں پر نیند نہیں آتی۔ اللہ کا بندہ تو کچے گھر میں مطمئن اور خوش بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا نافرمان بڑے بڑے محلات میں پریشان رہتا ہے اس کے گرداگرد ہزاروں پہرے دار ہوں تو ڈرتا رہتا ہے کہ مارا جاؤں گا۔ یوں آخرت کا اثر دنیاوی زندگی پر پڑتا ہے۔ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اللہ تعالیٰ ان سب امور کے بارے تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرسکو، سنبھل جاؤ اور اپنی زندگی کو درست کرلو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے اللہ کریم نے یہ دس بنیادی اصول بتائے ہیں۔ آج کل بڑے بڑے دانشور قیام امن کے لئے طرح طرح کی تجاویز دیتے ہیں لیکن اللہ کریم کی بتائی ہوئی ان باتوں میں سے کسی کا نام نہیں لیتے حالانکہ قیام امن کے لئے یہی وہ بنیادی

اصول ہیں جو حتمی اور یقینی طور پر امن کے ضامن ہیں۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ ہر کسی کی بات نہ سنو ورنہ تمہارے راستے مختلف ہو جائیں گے۔صرف اس کی بات سنو جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات بتائے۔ ہر کسی کی بات ماننے کا نتیجہ تفرقہ بازی ہے۔ دین کے نام پر ملت کا شیرازہ بکھیرا جا رہا ہے۔ جب قرآن حکیم ایک ہے، اللہ تعالیٰ ایک ہے، رسول ﷺ ایک ہیں، ارشادات رسول ﷺ برحق ہیں، بیت اللہ ایک ہے تو مسلمان فرقہ فرقہ کیوں ہو گئے؟ اس لئے کہ دین میں ہر بندے کی مداخلت ہو گئی ہے۔ دنیا کے معاملے میں تو ہر کوئی بہت سنجیدہ ہوتا ہے۔ کاروبار میں یا ملازمت میں لوگوں کی مداخلت نہیں ہونے دیتا۔ کسی کے کہنے پر اپنے فیصلے نہیں بدلتا۔ لباس تک اپنی مرضی کا پہنتا ہے۔ لوگوں سے پوچھ کر کوئی زندگی نہیں گزارتا لیکن دین کو اتنا غیر اہم سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ کوئی کہہ دے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر بندہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی بات سنی جائے۔ صرف اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سنو۔ ہر کسی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دو۔ کسی کو اپنا شیخ نہ بناؤ۔ جب تک تمہیں یہ تسلی نہ ہو جائے کہ یہ بندہ خدا رسیدہ ہے۔ مجھے اللہ تک پہنچانے کا سبب بنے گا۔ اللہ کا دین مجھ تک پہنچائے گا۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کی برکات مجھ تک پہنچائے گا۔ بلاتحقیق ہر ہاتھ میں ہاتھ مت دو اور اگر تحقیق کر کے شیخ بنا لو تو پھر اپنے شیخ کی بات پر رہو۔ ہر شخص کی بات نہ سنو۔ ورنہ وہی حشر ہوگا جو اس بیمار کا ہوتا ہے جسے اس کا طبیب کوئی دوا اور غذا بطور علاج بتاتا ہے اور ہر آنے والا تیماردار اسے کچھ اور علاج اور دوا بھی بتا جاتا ہے۔ جبکہ بیمار پرسی کرنے والے نہ تو ڈاکٹر ہوتے ہیں نہ حکیم۔ اگر بیمار ہر کسی کا نسخہ استعمال کرے گا تو کیا ہوگا؟ لہٰذا جو لوگ اپنی طرف سے حکایات اور قصے کہانیاں بتاتے ہیں ان کی پرواہ نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم فرقہ فرقہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے ہٹ جاؤ گے۔

نبی کریم ﷺ نے چھڑی مبارک سے زمین پر ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کے دونوں طرف کئی خط کھینچے اور فرمایا سیدھا راستہ اللہ کریم کا راستہ ہے۔ دائیں بائیں نکلنے والے سارے راستے شیطان کے راستے ہیں۔ محفوظ وہی ہوگا جو اللہ کریم کے راستے پہ جائے گا۔

دین حق بڑا واضح اور سیدھا راستہ ہے۔ حلال و حرام، جائز و ناجائز سب واضح ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تبلیغ میں اتنی جامعیت اور ایسی تاثیر ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود جاہل بھی جانتے ہیں کہ حلال کیا ہے، حرام کیا ہے؟ ایک ان پڑھ چرواہے کو بھی پتہ ہے کہ شریعت کیا ہے۔ یہ کس کا اثر ہے؟ یہ اثر ہے محمد رسول اللہ ﷺ

کی تبلیغ کا کہ صدیاں اس کو دھندلا نہ سکیں اور یہ ہمیشہ کے لئے واضح ہو چکا۔ جب دین کی بنیادی باتیں خوب واضح ہیں اور سب جانتے ہیں تو پھر لوگوں کی باتیں کیوں سنتے ہیں؟ اس لئے کہ ناجائز کو جائز کروایا جا سکے۔ جو شخص پیسے دے کر غلط فتویٰ لے رہا ہے کیا اس کو معلوم نہیں کہ وہ حرام کو حلال کر رہا ہے؟ جو غلط فتویٰ لکھ کر دے رہا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ حرام شرعی کو حلال قرار دینا یا اللہ کے حلال کو حرام قرار دینا کفر ہے۔ یہ معمولی جرم نہیں۔ ایسے شخص کا ایمان سلب ہو جاتا ہے لیکن لوگ ایسا کرتے ہیں۔ گناہ کو جائز کرنے کے حیلے بہانے کرتے ہیں لیکن اللہ کریم کے ساتھ ہیرا پھیری نہیں چلتی۔ اللہ تعالیٰ بہت کریم ہیں، زندگی کی مہلت دیتے ہیں کہ غلطی ہو گئی ہے تو سیدھی بات یہ ہے کہ غلطی کا اعتراف کر لو وہ کریم ہے وہ بخش دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء ادا کی۔ فارغ ہو کر گھر پہنچے تو کسی نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھولا تو ایک خاتون کھڑی تھی، اس نے کہا میں اس لئے آئی ہوں کہ مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی۔ اس برائی کے نتیجے میں مجھے حمل ہو گیا پھر میں نے بچے کو جنم دیا لیکن مارے شرم کے اسے قتل کر دیا۔ میں اپنے کئے پر نادم ہوں اور توبہ کرنا چاہتی ہوں۔ کیا میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ اس سے بہت ناراض ہوئے کہ ایک تو بدکاری میں مبتلا ہوئی دوسرا معصوم بچے کو قتل کر دیا اب توبہ کی سوجھتی ہے۔ وہ خاموشی سے چلی گئی۔ بعد فجر جب سب لوگ آپ ﷺ کے حضور اپنی گزارشات عرض کر چکے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے رات کا ماجرا عرض کیا آپ ﷺ نے پوچھا آپ نے اس خاتون کو کیا جواب دیا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے اسے کہا تمہیں کبھی فلاح نہ ملے تو نے بہت ظلم کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، تم نے اچھا نہیں کیا۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے اگر اسے توبہ کا خیال آ گیا ہے تو تم اس کی دلجوئی کرتے اسے کہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہارے گناہوں سے وسیع تر ہے۔ اب توبہ کر لو۔ آئندہ گناہ نہ کرنا۔ گزشتہ کو بھول جاؤ اللہ کریم تمہیں معاف کر دیں گے۔ ابو ہریرہؓ کو اپنے رویے پر بہت دکھ ہوا۔ سارا دن اسے تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ رات کو عشاء کے بعد وہ دوبارہ آ گئی۔ اس مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کی ہمت بندھائی اور حضور اکرم ﷺ کی بات سنائی۔ وہ بڑی خوش ہوئی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور کہا میں آج خلوص دل سے توبہ کرتی ہوں۔ آئندہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گی۔ اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد نہیں توڑوں گی۔

اس آیہ مبارکہ میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات پر قائم رہو اور ان لوگوں کی بات سنو جو تمہیں اللہ کریم کی بات بتائیں جو تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دین پہنچائیں

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی سختی سے تاکید فرماتے ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴿۱۵۳﴾ تاکہ تم پارسائی کے راستے پر نیک زندگی بسر کرسکو۔

اللہ کریم نے پاکیزہ اور خوبصورت زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھا دیا ہے پھر بھی جو شخص اس راستے سے ہٹے گا وہ اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ لوگوں کو ناجائز طور پر قتل بھی کرتا رہے، اللہ جل شانہٗ کے ساتھ شرک بھی کرتا رہے، جھوٹ بولے، بددیانتی کرے، حرام کو حلال کہے، سود کا نام منافع رکھ کر کھاتا چلا جائے تو اس کا انجام، دہشت گردی، فساد، بے راہروی اور قتل عام ہی ہوگا جس کے نتیجے میں آخرت کے عذاب بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے۔

امن وسکون، پیار محبت، پاکیزہ اور خوبصورت زندگی اور اخروی کامیابی کے حصول کے لئے فرمایا، بنیادی اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ پیار، محبت اور احسان سے پیش آؤ۔ قتل اولاد سے بچو، بے حیائی کے قریب بھی مت جاؤ، وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو۔ یتیم کا مال ضائع نہ کرو۔ لین دین میں دیانتداری کرو۔ بات سچی کرو خواہ لوگ ناراض ہوں یا راضی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے۔ اس کا اتباع کرو۔ ہر ایک کی بات نہ سنو ورنہ فرقہ فرقہ ہوجاؤ گے۔

اصلاح معاشرہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ دس باتیں ارشاد فرمائیں اور تاریخ گواہ ہے کہ یہی وہ سنہری اصول تھے جن سے جزیرہ نمائے عرب سے اصلاح شروع ہوئی اور ربع صدی میں روئے زمین پر پھیلی اور وہ دنیا جو ظلم وجوار سے بھری ہوئی تھی وہ امن کا گہوارہ بن گئی۔ آج بھی ہر بگڑے ہوئے معاشرے کا علاج یہی ہے۔ اور جہاں جہاں کسی معاشرے میں امن وسکون کی کوئی جھلک نظر آتی ہے تو اس کی تہہ میں بھی انہی اصولوں سے کچھ نہ کچھ لیا گیا ہے۔ اقوام عالم میں جن قوموں کے حالات نسبتاً بہتر ہیں وہ اپنے ملک میں ان قوانین میں سے کسی نہ کسی پر ضرور عمل کرتے ہیں اور جہاں جہاں انہوں نے ان قوانین سے روگردانی کی ہے وہاں ان کا حال بہت ابتر ہے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

فرمایا: ہم نے موسیٰؑ پر کتاب نازل کی جو مکمل حجت تھی۔ خوبصورت احکامات سے پُر تھی۔ ہر چیز کی تفصیل اس میں موجود تھی لہٰذا وہ رہنمائی کا حق بھی ادا کرتی تھی اور وہی اس بات کا سبب تھی کہ اللہ کریم کی رحمت نصیب ہو اور تاکہ لوگوں کو یوم آخرت پہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی پر یقین نصیب ہو۔

یاد رہے کہ تمام آسمانی کتابیں صرف انبیاءؑ پر نازل ہوتی ہیں۔ اللہ کے نبی علیہ السلام میں تین

خصوصیات ہوتی ہیں۔ پہلی طہارت، نفاست و پاکیزگی، کلام الٰہی کو سننے کے لئے اور وصول کرنے کے لئے پاکیزگی کا ایک خاص درجہ شرط ہے۔ پاکیزگی کا ایسا اعلیٰ مقام جو انسان ہوتے ہوئے فرشتوں سے برتر ہو وہ انبیاءؑ کو نصیب ہوتا ہے چنانچہ صرف نبیؑ ہی کلام الٰہی کو سن سکتے ہیں۔ نبیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں سن سکتا۔ انبیاءؑ میں دوسری صفت یہ ہوتی ہے کہ صرف وہی کلام الٰہی کو مخلوق تک پہنچاتے ہیں صرف الفاظ ہی نہیں معانی اور مفاہیم بھی انبیاءؑ ہی پہنچا سکتے ہیں۔ یعنی جو مخلوق کلام الٰہی کو براہ راست سن نہیں سکتی وہ اس کا معنی بھی متعین نہیں کر سکتی جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے۔ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ النحل:44 یہ آپ ﷺ کا منصب جلیلہ ہے کہ لوگوں کو بتائیں کہ ان پر کیا نازل کیا گیا ہے۔ نبیؑ کی تیسری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لاتا ہے اس کے دل میں خاص طرح کی پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے جو نبیؑ کے قلب اطہر سے نصیب ہوتی ہے اور اس کے لئے کتاب پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ آپ دلائل سے عقل انسانی کو لاجواب تو کر سکتے ہیں لیکن یہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دل من وعن آپ کی بات تسلیم کر کے اس پر عمل شروع کر دے۔ کسی موضوع پر کسی مخالف کو آپ دلائل دے کر لاجواب کر سکتے ہیں اس کے پاس دلائل ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ دلائل نہیں دے سکتا۔ وہ آپ کی بات سن لیتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس کا دل اس پر عمل کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمال ہوتا ہے جسے نبیؑ کی صحبت نصیب ہوتی ہے اس میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اسے کتاب پر عمل کرنے کی توفیق بھی ارزاں ہو جاتی ہے۔

یہ انبیاءؑ ہی کی برکات ہوتی ہیں جو انبیاءؑ کے وارث، ان کے جانشین، علمائے ربانیین کے پاس سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی ہیں اور اللہ کے طالبوں کے قلوب میں آکر انہیں یقین و ایمان کی گہرائی اور خلوص قلبی عطا کرتی ہیں۔ علمائے ربانیین وہ علماء ہیں جن کے پاس تعلیمات نبوت ہوتی ہیں اور برکات نبوت بھی ہوتی ہیں۔ برکات نبوت سے ان میں وہ خصوصیات آتی ہیں کہ ان کا اپنا کردار بھی صاف ہوتا ہے اور جو ان کے ساتھ منسلک ہوتا ہے ان کی صحبت اختیار کرتا ہے۔ اس کی عملی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔

برکات نبوت کا حاصل:

برکات کا نتیجہ اور حاصل یہ ہوتا ہے لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۴﴾ تاکہ لوگوں کو اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ ہمیں بالآخر اللہ کریم کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے جہاں محاسبہ ہوگا۔ نیکی، بدی کا حساب ہو گا۔ محاسبہ آخرت پر یقین ہی عملی زندگی کو صحیح کرنے کا سبب بنتا ہے۔ قومیں اس وقت گمراہ ہوتی ہیں، افراد اس

وقت راستے سے بھٹکتے ہیں جب انہیں آخرت کا یقین نہیں رہتا۔ جتنا کوئی گناہ میں ملوث ہوتا ہے اتنا اسے آخرت کا یقین بھولا ہوا ہوتا ہے۔ اور جسے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا یقین ہو وہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ دنیا کے وقتی مفاد یا دنیوی لذت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے یا اللہ کے قانون کو توڑے۔ یاد رہے جو کتابیں اللہ کریم کی طرف سے نازل ہوتی ہیں وہ مکمل ضابطہ حیات ہوتی ہیں۔ ہدایت کا باعث رضائے الٰہی پانے کا ذریعہ اور ہر طرح کی رحمت الٰہی کو پانے کا سبب ہوتی ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے پاس جب اللہ کریم کی کتابیں آئیں تو وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس میں تبدیلیاں شروع کر دیں۔ کیوں؟ انہیں آخرت کا یقین نہیں رہا تھا۔ احکام الٰہی کو تبدیل کر کے اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا۔ یہی وہ بدترین جرم تھا جس کے باعث قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کا ذکر عذاب الٰہی کے ساتھ ہوا ہے۔ قوموں کی قومیں تباہ ہوئیں۔ ان کی شکلیں مسخ ہوئیں، بندر اور خنزیر بن کر مرے۔ بستیاں ہلاک ہوئیں۔ ان پر جابر اور ظالم حکمران مسلط کئے گئے۔ ان حکمرانوں کے ہاتھوں ان کے لاکھوں افراد قتل ہوئے، لاکھوں غلام بنے۔ یہ ساری ذلتیں ان پر کیوں آئیں؟ اس لئے کہ انہوں نے احکام الٰہی کو بدل دیا۔ یہ تو مانتے رہے کہ یہ کتاب الٰہی ہے، اس کا انکار نہیں کیا اور یہ دعویٰ بھی کرتے رہے کہ وہ اس پر عمل کرتے ہیں لیکن اسے اس حد تک بدل ڈالا کہ اس میں شرک داخل کر دیا۔ ہر کتاب کی بنیاد اور ہر نبیؑ کے کلمے کی بنیاد توحید پر ہے لا الہ الا اللہ ہر نبی کے کلمے کا پہلا جزو رہا ہے لیکن انہوں نے اس میں تبدیلی کر دی اللہ کے لئے بیٹے تجویز کر دیئے اور انبیاءؑ کو اللہ کا بیٹا کہہ کر شرک میں مبتلا ہو گئے۔ **وقالت الیھود عزیزن ابن اللہ** یہودیوں نے کہا معاذ اللہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا اور تین معبود بنا لئے۔ تمام آسمانی کتابوں میں **عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** امور دنیا انجام دینے کے لئے دلائل کے ساتھ تفصیلات ہوتی ہیں **وَّهُدًى** اور آسمانی کتابیں ہدایت کا سبب ہوتی ہیں۔ کسی بھی کام کے کرنے کے صحیح طریقے کو ہدایت کہتے ہیں اور عرف عام میں ہدایت نیکی اور صحیح عقیدہ کے معنوں میں آتی ہے۔ ہدایت عملی زندگی پر محیط ہے۔ روزی کمانا، خرچ کرنا، رہن سہن، لین دین، صلح و جنگ، معمولات زندگی۔ غرض عبادات سے معاملات تک، معاشرت سے معیشت تک، ہر کام کے کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے وہ ہدایت کہلائے گا۔ یاد رہے کسی بھی کام کے کرنے کا صحیح طریقہ ہمیشہ آسان ہوتا ہے لہٰذا آسمانی دین میں زندگی گزارنے کے آسان ترین طریقے دیئے جاتے ہیں جو مشکلات سے بچاتے ہیں **وَّرَحْمَةً** اور حصول رحمت الٰہی کا سبب بنتے ہیں۔

رحمت الٰہی:

رحمت الٰہی دنیا میں یہ ہوتی ہے کہ بندے کے وقت میں برکت ہوتی ہے، کام میں برکت ہوتی ہے اور اسے تعلق مع اللہ نصیب ہوتا ہے۔ آخرت میں رحمت الٰہی یہ ہوگی کہ اسے نجات نصیب ہوگی اور اللہ کریم کا قرب نصیب ہوگا۔ یہ ساری رحمت اور ساری ہدایت ایک بات پر پرکھی جاسکتی ہے کہ بندے کو آخرت کا کتنا یقین ہے۔ کہنے کو تو ہم سب کہتے ہیں کہ ہم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن جب ہم دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے لے لیتے ہیں تو کیا ہمیں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ مال میرے لئے عذاب کا سبب بن جائے گا؟ اگر یقین ہو تو کیوں کوئی رشوت لے، کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالے تو یاد رکھیں ہر برائی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ بندے کو قیامت کے انصاف پر یقین نہیں رہتا۔ ایک سنی سنائی بات کو ذہن میں رکھنا اور بات ہے اور اس پر یقین کر کے عمل کرنا اور بات ہے۔ خطا کا ہو جانا ممکن ہے لیکن آخرت کا یقین ہو تو بندہ نادم ہو جاتا ہے، تائب ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے عہد بابرکات میں بعض صحابہ کرامؓ سے غلطی ہوئی لیکن ان کا یقین آخرت اس درجے کا تھا کہ باوجود اس کے کہ انہیں اس سزا کا علم تھا کہ اس کی سزا سنگسار ہے یعنی پتھر مار مار کر قتل کر دینا ہے وہ بارگاہ رسالت مآب میں پیش ہو گئے۔ کسی نے ان پر مقدمہ دائر نہیں کیا ان کے یقین آخرت نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ خود پیش ہو گئے، اقبال جرم کیا اور عرض کی کہ انہیں دنیا میں ہی سزا دے دی جائے تاکہ قیامت کی باز پرس سے بچ جائیں۔

یعنی غلطی کا ہو جانا تو ممکن ہے لیکن آخرت کا یقین فوراً رجوع الی اللہ اور توبہ پر مجبور کر دیتا ہے۔

سورۃ الانعام رکوع 20 آیات 155 تا 165

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے کہ جس کو ہم نے بھیجا ہے بڑی برکت والی تو اس کی پیروی کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ﴿۱۵۵﴾ کہ تم (یوں نہ) کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتابیں اتاری گئی تھیں اور ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر ہی رہے۔ ﴿۱۵۶﴾ یا (یہ نہ) کہو کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ سیدھے راستے پر ہوتے۔ سو یقیناً اب تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل (ایک واضح کتاب) اور راہنمائی (کا ذریعہ) اور رحمت آچکی ہے سو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ کی آیات (دلائل) کو جھوٹا کہے اور ان سے روکے سو ہم عنقریب ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے روکتے ہیں ان کے روکنے کی وجہ سے بڑا عذاب دیں گے۔ ﴿۱۵۷﴾ کیا یہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کا پروردگار آئے یا آپ کے پروردگار کی کوئی بڑی نشانی آئے جس دن آپ کے پروردگار کی بڑی نشانی آپہنچے گی کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا یا اس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیک عمل نہ کئے ہوں فرما دیجئے انتظار کرو یقیناً ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ ﴿۱۵۸﴾ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو الگ الگ کر دیا اور گروہ، گروہ بن گئے ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔ بے شک ان کا کام اللہ کے حوالے ہے پھر جو وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو بتائیں گے۔ ﴿۱۵۹﴾ جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لائے گا تو اس کو ایسی دس نیکیاں ملیں گی اور جو کوئی برائی لائے گا تو اس کو ویسی ہی سزا ملے گی اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ ﴿۱۶۰﴾ فرما دیجئے کہ بے شک مجھے

میرے پروردگار نے ایک سیدھا راستہ بتادیا ہے وہ ایک مستحکم دین ہے جو ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ ہے جس میں ذرا ٹیڑھا پن نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ ﴿۱۶۱﴾ فرمادیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ﴿۱۶۲﴾ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔ ﴿۱۶۳﴾ فرمادیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں؟ اور وہی تو ہر چیز کا پروردگار ہے اور جو کام کوئی کرتا ہے اس کا اثر اسی پر جاتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم سب کو اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانا ہے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔ ﴿۱۶۴﴾ وہی (اللہ) تو ہے جس نے تم کو زمین میں (اپنا) نائب بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ ان چیزوں میں جو تم کو عطا کی ہیں تمہیں آزمائے بے شک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ﴿۱۶۵﴾

خلاصۂ رکوع

یہ کتاب قرآن حکیم ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ بہت خیر و برکت والی ہے اس کا اتباع کرو اور اللہ جل شانہ، کی عظمت کا احساس رکھو کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ ایسا نہ ہو کہ تم یہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر تو کتابیں اتریں لیکن ہم نہ ان کی زبان سمجھتے ہیں نہ ان تک ہماری رسائی ہے یا یہ کہنے لگو کہ ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ اس کا اتباع کرتے۔ اب تمہارے پاس بھی تمہارے پروردگار کی طرف سے دلائل آچکے۔ اس واضح کتاب میں ہدایت بھی ہے اور سامانِ رحمت بھی۔ اب اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات کا انکار کرے اور لوگوں کو اس سے روکے۔ جو لوگ ہماری آیات سے روکنے کا سبب بنتے ہیں انہیں ہم بڑا سخت عذاب دیں گے اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے احکام سے روکنے کا باعث بنتے تھے۔ لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا اللہ کریم کی بعض دوسری نشانیاں آجائیں تو جس دن یہ نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو پھر کسی کو ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ اس لئے کہ

اس نے پہلے ایمان بالغیب تو قبول نہیں کیا اور نہ ایمان پر عمل کر کے کوئی نیکی کمائی تو میرے حبیب ﷺ! انہیں بتا دیں کہ اگر یہی بات ہے تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے دین میں تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے یقینا آپ ﷺ کا ان سے کوئی ناتا رشتہ نہیں ہے۔ ان کے امور اللہ کی طرف ہیں اور وہ انہیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے۔ جو کوئی ایک نیکی کما کر لائے گا اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا اور جو اپنے ساتھ برائی لے کر آئے گا اسے اس کے برابر ہی سزا دی جائے گی اور کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ یقینا مجھے میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے اور یہ ایک مستحکم دین ہے ابراہیمؑ کی ملت پر جو سیدھا اور کھرا ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہے اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ آپ ﷺ فرما دیجئے میری عبادت، میری صلوٰۃ، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے ماننے والوں میں سے ہوں۔ اور آپ ﷺ فرما دیجئے کہ کیا اس کے باوجود میں اللہ کریم کے علاوہ کسی اور کو اپنا رب تسلیم کروں حالانکہ اللہ ہر شئے کا رب ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ انسان جو عمل کرتا ہے اس کا نتیجہ اس کے اپنے لئے ہے کوئی دوسرا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ بالآخر تمہیں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں واپس جانا ہے اور وہ تمہیں تمہارے سارے اختلافات کے بارے حقائق سے مطلع فرما دے گا۔ وہی ہستی ہے جس نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر بلند درجات عطا کئے تاکہ تمہیں آزما سکے کہ جو کچھ اس نے تمہیں عطا کیا اس میں کس طرح تم اس کا حق ادا کرتے ہو۔ یاد رکھو! اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر ومعارف

فرمایا: پہلی قوموں پر کتابیں نازل ہوئیں۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ پر نازل ہوئیں تو تم لوگ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے مخاطب ہو، کہہ سکتے ہو کہ ہمارے زمانے میں تو کتاب آئی نہیں۔ پہلے جو کتابیں آئی تھیں ان کتابوں کی زبان قدیم تھی۔ جن قبیلوں پر اتریں ان کا آج کوئی نشان نہیں ملتا۔ تم یہ بھی سوچ سکتے ہو کہ کاش ہم پر یہ کتابیں نازل ہوتیں جو پہلی قوموں پر نازل ہوئیں، ان کی زبان میں نازل ہوئیں۔ وہ اصل نسخہ تو آج دستیاب نہیں، ان قوموں نے احکام الٰہی بدل دیئے۔ آیات کے معنی ومفاہیم تبدیل کر دیئے۔ بے شمار تبدیلیاں کر دیں اور حقیقی کتاب تو ہم تک پہنچی ہی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے وَهٰذَا كِتٰبٌ یہ ہے وہ کتاب اَنْزَلْنٰهُ ہم تم پر کتاب

نازل کر رہے ہیں۔اس کتاب کی حیثیت یہ ہے کہ تمام پہلی کتابوں پر یہ ایمان تو رہے گا کہ وہ اللہ کریم کی نازل کردہ تھیں، حق تھیں لیکن اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔ان پر عمل نہیں ہوگا۔اب عمل ہوگا اس کا کتاب پر جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی۔یہ کتاب ایسی ہے اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ یہ اللہ کی برکات کا مجموعہ ہے۔ہم نے اسے برکات سے بھرپور نازل فرمایا ہے۔اس کے ایک ایک حکم میں برکت ہے۔اس کے ایک ایک عمل میں برکت ہے۔یہ مجموعہ برکاتِ الٰہی ہے۔فَاتَّبِعُوْهُ اس کا اتباع کرو۔میں نے یہ ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔اس کو مان لو، اس کی پیروی کرلو اس کا اتباع کرلو وَاتَّقُوْا اس کی پیروی سے تمہیں تقویٰ نصیب ہوگا۔اس کی پیروی کرنے سے تم متقی بن جاؤ گے لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۵۵﴾ تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔

تقویٰ کا مفہوم:

تقویٰ ایک کیفیت کا نام ہے۔اللہ کریم کی ناپسندیدگی کے ڈر کا نام تقویٰ ہے۔دراصل کسی بھی زبان کے الفاظ کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے تو اس کا ماضی الضمیر یعنی کہنے والا جو کہنا چاہتا ہے وہ بات ہو بہو ترجمے میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔اس بات کا اصل مزہ اس کی اپنی زبان میں ہوتا ہے جس زبان میں بات کہی گئی ہوتی ہے۔لفظ تقویٰ کا اردو ترجمہ ڈر لکھا جاتا ہے جو ایک حد تک مقصد پورا کرتا ہے لیکن اس کا حقیقی مفہوم ادا نہیں کرتا۔اس لئے کہ ڈر کی کئی اقسام ہیں، دشمن کا ڈر، چوڑ کا ڈر یا کسی موذی جانور کا ڈر بھی ڈر کہلاتا ہے یا پیسے کے نقصان کا ڈر، بے عزتی کا ڈر وغیرہ۔تو تقویٰ سے کون سا ڈر مراد ہے؟ تقویٰ سے ایک خاص ڈر مراد ہے جیسے کسی شخص سے کسی کا ایسا قریبی تعلق ہو کہ اس کی خلافِ مرضی کام کرنے سے ڈر آئے یا یہ سوچا جائے کہ اس کے مشورے کے بغیر کام کیا تو کہیں وہ خفا نہ ہو جائے۔جب ایسی محبت ہو کہ اس کی ناراضگی برداشت نہ ہوتی ہو۔ایسا رشتہ اگر اللہ کریم سے بن جائے کہ بندہ بات کرتے وقت سوچے کہ اس بات سے اللہ کریم کہیں ناراض تو نہ ہو جائیں گے۔کام کرتے وقت سوچ آ جائے کہ اس کام سے اللہ کریم خفا تو نہ ہو جائیں گے۔ایسا رشتہ جب اللہ تعالیٰ سے بن جائے تو اس رشتے میں بال آنے کے ڈر کو تقویٰ کہتے ہیں اور جسے یہ نعمت نصیب ہو جائے قرآن اسے متقی کہتا ہے۔

فرمایا: قرآن حکیم بہت مبارک اور انتہائی بابرکت ہے۔تم اس کا اتباع کرلو تمہیں تقویٰ نصیب ہو جائے گا۔تمہارا اللہ کریم سے ایسا تعلق بن جائے گا کہ اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے بات کہتے، کام کرتے ہوئے

تمہاری نظر اس بات پر رہے گی کہ میں جو کر رہا ہوں کیا یہ اللہ کریم کو پسند ہے؟ اللہ کے نبی کریم ﷺ نے کیا اس کی اجازت دی ہے؟ اگر نہیں دی تو میں یہ کام نہیں کرتا۔ میں ایسا کام نہیں کرتا جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں، جس سے میرے نبی کریم ﷺ خفا ہو جائیں، جس سے تعلقات میں بال آجائے۔ یہ وہ عظیم مرتبہ ہے جسے قرآن حکیم نے تقویٰ کہا ہے۔

بندہ اپنی حیثیت دیکھے اور رب کریم کا کرم دیکھے ایک خاکی انسان کو جو اپنے وجود کے اندر غلاظت لئے پھرتا ہے، جس پر دو پھوڑے نکل آئیں اور خراب ہو جائیں تو بدبو اٹھتی ہے، لوگ پاس بیٹھنے سے کتراتے ہیں، اس ساری غلاظت اور بدبو کو اللہ کریم نے انسان کی جلد کی تہوں سے ڈھانپ دیا ہے۔ اس معاملے میں عام آدمی اور بہت بڑا آدمی سب برابر ہیں۔ وزیر اعظم کا بھی وہی وجود ہے جیسا عام شہری کا اور پیر صاحب کا بھی ویسا ہے جو مریدوں کا ہے۔ اس پیکر خاکی کو رب کریم فرمار ہے ہیں کہ تو میرے قرآن پر عمل کرلے میں تجھے متقی بنا دوں گا۔ میں تیرے ساتھ دوستی کرلوں گا۔ تیرے ساتھ اپنا ایسا رشتہ استوار کرلوں گا کہ تیرا اٹھنا بیٹھنا میری پسند کا ہو جائے گا۔ میرے قرآن پر عمل کرتے جاؤ اور متقی بنتے جاؤ۔ جتنا قرآن کریم پر عمل کرتے جاؤ گے اتنا تعلق باللہ نصیب ہوتا چلا جائے گا۔

غور طلب نکتہ:

تمام وعظ ونصیحت، ذکر اذکار، مراقبات، صلوٰۃ اور روزے، زکوٰۃ و حج اور نوافل یہ سارے حیلے اس لئے کئے جاتے ہیں کہ اللہ کریم سے تعلق نصیب ہو جائے۔ سب کا حاصل تقویٰ ہے لہٰذا ایک بات یاد رکھ لیں کوئی شخص اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ اس کے اتنے مراقبات ہیں اس نے شریعت پر عمل نہ بھی کیا تو خیر ہے۔ خیر نہیں ہے۔ اس لئے کہ شریعت بنیاد ہے، مراقبات شریعت پر عمل کرنے کا ثمر ہیں۔ پھل ہمیشہ درخت کی چوٹی پر ہوتا ہے۔ اگر درخت کی جڑیں زمین سے کاٹ دی جائیں تو پھل حاصل ہونا تو دور کی بات ہے۔ درخت ہی سوکھ کر گر جاتا ہے۔ شریعت پر عمل چھوٹ جائے تو نہ مراقبات کی کوئی حیثیت ہے نہ حج و زکوٰۃ کی۔ بنیاد ختم ہو جائے تو پورا درخت چولھے کا ایندھن بن جاتا ہے۔ آگ کی نذر ہو جاتا ہے یا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرنیچر بن جاتا ہے۔ لہٰذا کوئی یہ دیکھنا چاہے کہ اس کے مراقبات کتنے ہیں تو وہ یہ دیکھے کہ اسے شریعت پر کتنا عمل کرنا نصیب ہے۔

فرمایا: یہی وہ کتاب ہے جس نے تمام کتابوں سے مستغنی کر دیا ہے۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام

میں کچھ لوگوں کے پاس تورات کا ایک ورق تھا، پرانا، فرسودہ اور پھٹا ہوا، اس کا کچھ حصہ سالم تھا، کہیں کہیں سے عبارت پڑھی جا سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے لے لیا۔ مسجد نبوی میں آئے اسے پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ آفتاب نبوت حجرہ مبارک سے طلوع ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے مسجد میں قدم مبارک رکھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا تورات کا ایک ورق ہے۔ قدیم ہے، اصلی ہوگا، ہم اسے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کا رخ انور متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ جب خفا ہوتے تھے تو رخ انور پر سرخی چھا جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا آج اگر موسیٰؑ اس دنیا میں دنیاوی زندگی کے ساتھ موجود ہوتے تو میرے اتباع کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ ہوتا تو آپ لوگ کہاں تورات پڑھنے چلے ہو؟ موسیٰؑ جن پر کتاب نازل ہوئی۔ جنہیں کلیم اللہ کا درجہ حاصل ہے۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ النسآء:164 ان سے خود اللہ تعالیٰ کلام فرماتے تھے۔ آج اگر آپؑ بھی طور پر جا کر پوچھتے یا اللہ کیا کروں؟ تو جواب ملتا وہ کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں۔ آج تورات کو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی ضرورت نہیں اس پر ایمان رکھو کہ وہ اللہ کی کتاب تھی آج پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے قرآن حکیم ہے۔ اس کا اتباع کرو اور متقی بنتے جاؤ۔ قرب الٰہی پاتے جاؤ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ تم پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوں۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ فرمایا: اب یہ نہ کہنا کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ پر کتابیں اُتریں تھیں۔ ہم تک تو وہ کتابیں نہیں پہنچیں اور یہود و نصاریٰ نے تو ان میں تغیر و تبدل کر دیا، حقائق بدل دیئے تو ہم کیا کرتے، ہم کس پر عمل کرتے؟

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ یا یہ کہنے لگ جاؤ کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ اس کتاب پر عمل کر کے دکھاتے۔ فرمایا: آج تمہارے پاس روشن دلائل اور مجسم رحمت، اللہ تعالیٰ کی کتاب موجود ہے فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ اب یہ بتاؤ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی کتاب کا انکار کر دے یا کلام الٰہی کو ماننے سے انکار کر دے یا پھر اس سے لوگوں کو روکے، اس پر عمل نہ کرنے دے اور اپنی رائے پر عمل کرائے۔ فرمایا: کوئی دور کی بات نہیں سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ عنقریب ہم ایسے لوگوں کو سخت عذاب دیں گے جو ہماری کتاب کا انکار کرتے ہیں یا اس کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

خلاصۂ آیات:

الحمد للہ، اللہ کریم نے قرآن حکیم نازل فرمایا، اس سے ایک بات ثابت ہوگئی کہ قیامت تک کے لئے یہی کتاب ہے۔ سب لوگ اسی پر ایمان لائیں گے تو ایمان والے ٹھہریں گے۔ اسی سے ثابت ہوگیا کہ آخری کتاب کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تو اب کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔ نزول قرآن کے ساتھ نبوت کی تکمیل ہوگئی اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جب یہی کتاب قیامت تک مانی جائے گی تو قیامت تک زندگی کے ہر مسئلے کا حل بھی اسی کتاب میں موجود ہے۔ یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قرآن حکیم کا انکار کرنے والا عذاب کا مستحق ہے تو وہ جو زبانی کہے کہ وہ قرآن کو مانتا ہے لیکن دوسروں سے کہے کہ وہ اس کی بات مانیں قرآن کی نہ مانیں تو وہ قرآن سے روکنے والا ہے وَصَدَفَ عَنْهَا ط اور اللہ کریم فرماتے ہیں قرآن کریم سے روکنے والے لوگوں پر میں شدید عذاب نازل کروں گا۔

آیئے ہم دیکھیں کہ ہم قرآن حکیم کو کتنا مانتے ہیں؟ اللہ کریم نے مسلمانوں کو ایک مسلمان ریاست دی ہے۔ اس میں اوّل و آخر وہ نظام نافذ ہونا چاہئے جو اللہ تعالیٰ کا ہے، قرآن کریم کا ہے، جو ہر ایک کے لئے باعثِ برکت اور باعثِ ہدایت ہے جو ہر ایک کے لئے انصاف کا ضامن ہے لیکن اسی مملکت خداداد پر چند جعلی ڈگریوں والے جھوٹے، بد اخلاق جمع ہیں۔ ان کی علمی قابلیت یہ ہے کہ انہوں نے دنیاوی علم بھی نہیں پڑھا دین کو کیا سمجھیں گے۔ ایسے لوگوں پر مشتمل اسمبلی کیا کرے گی؟ کہا جا رہا ہے کہ اسمبلی اکثریت سے فیصلہ کرے تو تب قانون بنتا ہے۔ اگر ان انپڑھوں اور اخلاق سے عاری لوگوں کی اکثریت جمع ہوکر قانون بنائے تو اس پر عمل کرنا انصاف ہے یا اس پر عمل کرنا حق ہے جو اللہ کا حکم ہے۔

یہی بات یہاں بیان ہورہی ہے کہ جو لوگ قرآن حکیم کے مقابلے میں اپنی طرف سے قوانین بنا کر جاری کر کے ان پر عمل کرواتے ہیں۔ یہ قرآن کو روکنے والے ہیں وَصَدَفَ عَنْهَا ط ایسے لوگوں کا تذکرہ اللہ کریم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے جو قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ فرمایا ایسے لوگوں سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیات سے روکے۔ اس میں دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔ ایک وہ جو صاف انکار کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو انکار نہیں کرتے زبانی کہتے ہیں کہ قرآن حق ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پر عمل مشکل ہے۔ وہ پرانے زمانے کی باتیں ہیں۔ اب نیا زمانہ ہے اس لئے نئے دور کی نئی بات ہے پھر وہ اپنی طرف سے قوانین بناتے اور عمل کرواتے ہیں اس طرح وہ قرآن پر عمل کو روکنے کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں گروہ قرآن

کا انکار کرنے والے اور قرآن پر عمل سے روکنے والے ایک جیسے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سُوْٓءَ الْعَذَابِ کی وعید ہے۔ عذاب تو ویسے ہی سخت تکلیف دہ چیز ہے اس پر سوٗ کا اضافہ اس کی شدت کی وضاحت کر رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ نے بھی یہی جرأت کی تھی ان پر عذاب شدید کی وعید آئی۔ اگر یہی روش خود کو مسلمان کہنے والے اپنائیں گے تو ان پر ویسا ہی عذاب الٰہی ہوگا۔

آج وطن عزیز کی اکثریت اللہ تعالیٰ سے ناراض ہے۔ کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ہم پر ہی ساری مصیبتیں آ رہی ہیں جبکہ کافر عیش کر رہے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ کیا وطن عزیز کے مسلمان قرآنی احکامات کو روک کر ان پڑھوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق زندگی بسر نہیں کر رہے؟ کیا ہم نے کبھی اس کے خلاف سوچا ہے، آواز بلند کی ہے؟ اگر نہیں کر سکتے تو اپنی زندگی تو قرآن کے مطابق کر لیں اس پر تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ اپنا لین دین، معاملات، حصول رزق، اخراجات، اپنی دوستی دشمنی قرآن کے مطابق کر لیں۔ اور اگر یہ نہیں بھی کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ سے کس بات پر خفا ہیں؟ یہ تو اللہ کا کرم ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نام کی برکت ہے کہ زمین پھٹ کر ہمیں نگل نہیں رہی، ہماری صورتیں مسخ نہیں ہوتیں لیکن دنیا و آخرت کا عذاب تو بھگتنا پڑے گا۔ دنیا میں تو بھگت رہے ہیں۔ ہر بندہ پریشان ہے۔ ہر شخص مسائل میں گرفتار ہے۔ قرآن حکیم پریشانی کا علاج بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لو۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کا دامن تھام لو۔ اللہ کے قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ پریشانی تمہارے قریب نہیں آئے گی۔ ورنہ یہی حال ہوگا اور یہ حال ہوا تو رحمت تو در کنار نزول عذاب کا سبب بن جائے گا۔

تکمیل نبوت کی دلیل:

بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام عظمت باری کی ایسی بڑی دلیل ہے کہ نہ اس سے پہلے اتنی بڑی دلیل نازل ہوئی اور نہ اس کے بعد قیامت تک کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہی۔ یہ اتنی بڑی رحمت الٰہی ہے، اتنی عظیم دعوت ہے اور اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اپنی مثال آپ ہے۔ پہلے تمام انبیاءؑ جو دنیا پر تشریف لائے ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں وہ سب بھی توحید باری اور اطاعتِ الٰہی کی عظیم دلیلیں تھیں لیکن ان کا حلقۂ اثر اور ان کا زمانہ محدود تھا۔ اس لئے کہ انبیاءؑ خاص علاقوں اور خاص زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے۔ جب کسی نبیؑ کا عہد پورا ہوتا تو کوئی دوسرا نبیؑ مبعوث ہو [illegible] مختلف کتابیں نازل ہو جاتیں لیکن جب حضرت محمد رسول ا[illegible] ﷺ مبعوث ہوئے تو آپ پوری روئے زمین کی ساری انسانیت کے لئے مبعوث ہوئے اور قیامت تک کے لئے

مبعوث ہوئے اب کسی اور کی ضرورت باقی نہ رہی ۔ یہ آیہ کریمہ تکمیل نبوت کی دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِيَهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ کہ جب اتنی بڑی دلیل نازل ہو گئی۔ اتنا عظیم واقعہ رونما ہو گیا۔ اللہ کریم کی طرف سے یقینی ہدایت آ گئی تو اب لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟

موت یا قیامت کی نشانیوں کا انتظار کیوں؟

فرمایا: لوگ کیا قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت آئے گی تو توبہ کریں گے؟ جبکہ حضور اکرم ﷺ کے بعد تو قیامت ہی آئے گی ۔ آج کی جوان نسل کیوں ایکٹروں اور ایکٹریسوں جیسے لباس اور حلیہ بنانا پسند کرتے ہیں؟ ویسے کیوں نہیں بنتے جیسا حضور اکرم ﷺ بنانا چاہتے ہیں ۔ کیا ان کا اپنے نبی کریم ﷺ سے اتنا تعلق بھی نہیں؟ قرآن حکیم میں اسی بات کو واضح کیا جا رہا ہے کہ یہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ فرشتے زمین پر نازل ہو کر قیامت برپا کر دیں یا ان کے پاس موت کے فرشتے آ جائیں اَوۡ يَاۡتِىَ رَبُّكَ اَوۡ يَاۡتِىَ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یا اللہ جل شانہٗ کا دربار لگ جائے اور قیامت قائم ہو جائے یہ جنت و دوزخ دیکھ لیں تو توبہ کریں یا ان کے پاس اللہ کی بعض نشانیاں آ جائیں، سورج مغرب سے طلوع ہو جائے تو پھر یہ توبہ کریں گے؟ فرمایا جس دن یہ نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی اس دن کسی کو ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا۔ پھر انکار بھی کون کرے گا جب ہر چیز سامنے آ جائے گی؟ فرشتے سامنے آ گئے، جنت و دوزخ سامنے آ گئے، عذاب و ثواب کی کیفیت بیتنے لگ گئی تو پھر کون انکار کرے گا؟ لیکن اس وقت کا ماننا فائدہ نہیں دے گا۔ اس وقت تو فرعون نے بھی مان لیا، جب سمندر میں غوطے آئے اور ملک الموت نظر آئے تو وہ کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں اور جسے بنی اسرائیلؑ مانتے ہیں، جسے موسیٰؑ رب منواتے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں تو ارشاد ہوا آٰلۡــٰٔنَ اب مانتے ہو وَقَدۡ عَصَيۡتَ قَبۡلُ یونس: 91 جب ماننے کا وقت تھا اس وقت تم اپنی خدائی کے دعوے کرتے رہے۔ اب مانتے ہو جب ماننے کا کوئی فائدہ نہیں ۔ اب تو برزخ سامنے ہے، اب ماننے کے سوا کیا چارہ ہے؟ جب میرا نبیؑ ماننے کو کہتا تھا تب کیوں نہیں مانا؟

دنیا میں اس حقیقت سے غافل ہو کر رہنے کی وجہ سے نیکی کے کام کو ٹالا جاتا ہے۔ دنیا کا کوئی کام ہو تو ہر بندہ کہتا ہے فوراً کرو، ابھی ہو جانا چاہیے۔ دین کی بات آئے تو کہتے ہیں بڑی زندگی پڑی ہے، کر لیں گے۔ ابھی نمازوں کی کون سی جلدی ہے، داڑھی رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی تو بڑی عمر پڑی ہے کر لیں گے۔ لیکن

انہیں کس نے بتایا کہ کتنی عمر باقی ہے؟ لوگ جب موت سے دو چار ہوتے ہیں، موت سارے حجابات اٹھا دیتی ہے، فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں، مومن تو مومن کفار کو بھی نظر آتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾ سورۃ محمد: 27 کافر کے چہرے اور پشت پر مارتے ہیں۔ ان سے بات کرتے ہیں، کہتے ہیں فیما کنتم تم نے عمر کہاں ضائع کر دی تم ایمان نہیں لائے۔ تم نے اتباع پیغمبر نہیں کیا۔ اللہ کی اطاعت نہیں کی تو کیا کرتے رہے؟ وہ لوگ کہتے ہیں کنا مستضعفین فی الارض ہم تو کمزور لوگ تھے۔ ہم معاشرے کے بڑے لوگوں کی پیروی کرتے رہے ہم جس معاشرے میں رہتے تھے وہاں کے بااثر لوگوں کے خلاف ہم نہیں چل سکتے تھے۔ جیسے وہ تھے ویسے ہی ہم بھی رہے۔ اس پر فرشتے کہتے ہیں الم تکن ارض اللہ واسعۃ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہیں تھی فتنھا جروا فیھا تم اس جگہ سے چلے جاتے جہاں برے لوگ برسر اقتدار تھے کہیں اور چلے جاتے جہاں تمہیں نیکی کرنے سے کوئی نہ روکتا۔ آج بھی دنیا چھوڑے جا رہے ہو تو اس سے پہلے نیکی کی خاطر وطن چھوڑ دیتے۔ یعنی موت کے وقت آخرت اور فرشتوں کا مشاہدہ ہو جاتا ہے لیکن اس وقت کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس لئے کہ ایمان، نبی کریم ﷺ کے پیغام کے ساتھ مشروط ہے۔

یقین کرنے کا نام ماننا ہے:

اللہ کے رسول ﷺ کے کہنے پر جو ایمان لائے، جو آخرت پر فرشتوں پر تمام ضروریات دین پر ایمان لائے وہی ایمان والا ہے اور ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے احکام پر دل و جان سے عمل کریں۔ یہ ماننا نہیں ہے کہ زبانی کہے کہ میں اللہ پر اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاتا ہوں لیکن کام کافروں جیسے کرے۔ گویا ہمارے اعمال، ہمارے دعویٰ ایمان کی دلیل ہیں کہ ہمیں عمل کرتا ہوا دیکھ کر کوئی سمجھے کہ یہ مسلمان ہے۔ ایسے کام کر رہا ہے جو صرف مسلمان کرتے ہیں۔ ماننے سے مراد ہے اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پر یقین کرنا، تہ دل سے یقین کرنا اور ایسا یقین کرنا کہ پھر وہ زندگی کا لائحہ عمل بن جائے ورنہ جب موت آجائے گی، آخرت واضح ہو جائے گی تو علماء کرام فرماتے ہیں کافر کی توبہ اس وقت قبول نہیں ہوگی لیکن مومن اس وقت بھی توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ یہ جو ہمارا کمزور سا ایمان ہے اس میں بھی اتنی طاقت ہے کہ توبہ کی توفیق مل جاتی ہے لیکن کلمہ پڑھ کر اللہ کے حرام کو حلال کرنے والے سے یہ توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

حرام کو حلال سمجھنے والے کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی:

بعض جرائم ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جاتی ہے۔ جیسے سود کو حلال یا جائز سمجھ لینا کفر ہے۔ اللہ نے جس چیز کو حرام کیا ہے اسے حلال سمجھنا کفر ہے۔ اور جسے اللہ نے حلال کیا ہے اسے حرام سمجھنا بھی کفر ہے۔ لہٰذا حلال کو حرام نہ مانا جائے اور اگر کوئی حرام کھاتا ہے تو مانے کہ وہ حرام کھا رہا ہے تو اُسے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے لیکن اسے جائز سمجھ لینا کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہیں یہ ایسا بڑا ظلم ہے کہ پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔

زندگی میں بڑے عجیب واقعات رونما ہوتے ہیں۔ ہمارے علاقے کا ایک شخص تھا اس نے ڈاک خانے میں سود پر پیسے جمع کروار کھے تھے۔ میں نے اسے کئی بار کہا کہ تم اچھے شریف آدمی ہو۔ اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ نماز، روزہ بھی کرتے ہو تو سود کیوں لیتے ہو؟ یہ تمہیں تباہ کر دے گا۔ کہنے لگا میں خود تو سود نہیں کھاتا۔ غریبوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ میں نے کہا اس کا مطلب ہے کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ بکرے کا گوشت گھر لے جاؤ اور غریب کو حرام جانور مار کر کھلا دو۔ یہ کون سی نیکی ہے؟ حرام تو حرام ہے خود کھانا بھی حرام ہے دوسروں کو کھلانا بھی حرام ہے لیکن وہ شخص نہ مانا۔ پھر وہ فوت ہو گیا۔ جس حکیم کے وہ زیرِ علاج تھا اس سے میں نے پوچھا تو حکیم صاحب نے کہا اسے پیٹ میں سخت تکلیف تھی۔ تکلیف کے باعث ہائے ہائے کرتا تھا۔ میں نے اسے کہا اب تمہارا آخری وقت ہے۔ ہائے ہائے نہ کرو اللہ سے توبہ مانگو تو بڑے دکھ سے کہنے لگا میرا جی تو چاہتا ہے کہ توبہ کروں لیکن میرے منہ سے یہ لفظ ادا نہیں ہوتا، توبہ کر نہیں سکتا۔ تو کسی کو اس انتظار میں نہ رہنا چاہئے کہ موت آئے گی تو توبہ کر لیں گے۔ موت کے آنے تک نجانے کس قسم کے گناہ کر چکے ہوں گے کہ توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جائے۔

فرمایا: لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں، کیوں میرے نبی کریم ﷺ کا دامن نہیں تھامتے، کیوں حضور اکرم ﷺ کا اتباع نہیں کرتے، کیوں میری بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوتے، کیوں حلال نہیں کھاتے، حرام کو کیوں چھوڑ نہیں دیتے؟ یہ کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں؟ وقتِ آخر نہ کسی کافر کو ایمان کی توفیق ہو گی نہ اس وقت کا ایمان قبول ہو گا اور اس وقت کہا جائے گا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ تم نے زندگی میں ایمان قبول کیوں نہیں کیا، كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ایمان کے مطابق نیک عمل کیوں نہیں کئے؟ یعنی ایمان صرف یہ کہنے کا نام نہیں ہے کہ میں نے مان لیا بلکہ وہ عمل کرنے کا نام ہے جس کا شریعت حکم دیتی ہے اور ان کاموں

سے بچنے کا نام ہے جن سے شریعت روکتی ہے۔ تو فرمایا، میرے حبیب ﷺ ان سے کہئے کہ اگر یہ بات ہے کہ تم نے میری بات پر یقین نہیں کرنا تو پھر انجام کا انتظار کرو قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴿۱۵۸﴾ ہم بھی اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت آئے گی۔ اللہ کریم ان شاء اللہ ہمیں اپنے انعامات سے نوازے گا اور تم جو ایمان نہیں لا رہے ہو تم بھی ان اعمال کا نتیجہ پا لو گے۔اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ فرمایا: ایسے لوگ جنہوں نے دین میں تفریق پیدا کر دی، لوگوں کو جدا جدا کر دیا كَانُوْا شِيَعًا لوگوں کو گروہ گروہ کر دیا۔ شیعہ کا لفظی معنی ہے گروہ، جتھہ، پارٹی۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ سات، آٹھ بار استعمال ہوا ہے۔ ہر آیت میں لفظی ترجمہ تو گروہ ہے لیکن قرآن حکیم نے اسے ان گروہوں کے لئے استعمال کیا ہے جو گمراہ ہیں لیکن خود کو حق پر سمجھتے ہیں یعنی حق سے دور ہیں لیکن ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ حق پر ہیں تو فرمایا: جن لوگوں نے دین میں تفریق پیدا کی، گروہ در گروہ ہو گئے لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ان لوگوں سے میرے نبی کریم ﷺ کا کوئی رشتہ نہیں۔

دنیا میں ملنے والی انتہائی سزا:

اس عالم آب وگل میں سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کا رشتہ محمد رسول اللہ ﷺ سے کٹ جائے۔ یہ وہ عذاب ہے جس کے بعد توفیق توبہ نہیں رہتی۔ نہ ایمان کا کوئی ذرہ باقی رہتا ہے نہ یقین نصیب ہوتا ہے نہ عمل شریعہ نصیب ہوتا ہے۔ نہ توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ توبہ کی توفیق بھی ان کے لئے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں۔ حق کو حق سمجھتے ہیں۔ بتقاضائے بشریت گناہ صادر ہو جاتا ہے، غلطی ہو جاتی ہے، سستی ہو جاتی ہے تو توبہ کر لیتے ہیں۔ لیکن جو باطل کو حق سمجھنے لگیں تو اللہ پناہ دے یہ اتنی بڑی سزا ہے کہ فرمایا: اے میرے حبیب ﷺ آپ کے ساتھ ان کا کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ان کا معاملہ اللہ کریم کے ہاتھ میں ہے۔ ان کا حساب کتاب اللہ کے ساتھ ہے ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴿۱۵۹﴾ فرمایا: اے میرے حبیب ﷺ جس نے آپ سے الگ راستہ اختیار کیا اور پھر اس کو دین کہا تو پھر اللہ انہیں خود سمجھ لے گا۔ جسے خالق و مالک کہے کہ میں اسے سمجھ لوں گا تو پھر اس کا کیا حشر ہو گا۔ لوگ تو غلطیاں کر کے بھول جائیں گے لیکن اللہ کریم انہیں ایک ایک غلطی یاد کرائے گا۔ ایک ایک بات بتائے گا۔ انہیں وہ سب کچھ یاد دلایا جائے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔

قرآن حکیم واضح کرتا ہے کہ جو دین حق کا انکار کر دیتا ہے وہ صریحاً کافر ہے۔ جو ظاہراً مانتے ہیں

باطن میں نہیں مانتے۔ وہ منافق ہیں اور جو الگ سے رسومات بنا کر انہیں دین سمجھتے ہیں ان پر عمل کرتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ یہی اسلام ہے ایسے گروہوں کو قرآن حکیم نے شیعہ کہا ہے۔ کافر کے توبہ کر لینے کی امید باقی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ کسی وقت توبہ کرلے لیکن جو اپنی طرف سے کفر وضع کر کے اسے ایمان و اسلام کہنے پر مصر ہوا سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ دوسرے درجے میں وہ لوگ آتے ہیں جو ارکانِ اسلام میں اختلاف نہیں کرتے، ضروریات دین میں اختلاف نہیں کرتے لیکن بعض رسوم کو عبادت کا درجہ دے دیتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ اور سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ اس کو کہتے ہیں بدعت۔ آج کل ایسی بدعات رواج پا گئی ہیں اور لوگ ان پر کاربند ہیں۔ یہ بھی اتنا بڑا جرم ہے کہ جہاں کوئی بدعت شروع کی جاتی ہے وہاں سے سنت کی عمارت گر جاتی ہے۔ سنت مٹائی جاتی ہے تب بدعت پر عمل ہوتا ہے۔

بدعت میں دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ ظلم ہے۔ اس لئے کہ کسی کام کو عبادت قرار دینا، کسی عمل کو باعثِ ثواب بتانا یہ صرف نبیؑ کا منصب ہے۔ اگر کوئی اپنی طرف سے کسی عمل کو باعث ثواب بتاتا ہے۔ دین کا حصہ بتاتا ہے تو اس کا معنی ہے کہ وہ شخص اپنی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ تیسری مصیبت یہ ہے کہ بدعتی جس عمل کو نیکی سمجھتا ہے اسے کبھی ترک کرنا گوارا نہیں کرتا لہٰذا اسے توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اگر بدعت کو گناہ سمجھے گا تو چھوڑے گا؟ جب وہ بدعت کو نیکی سمجھتا ہے تو نیکی سے توبہ کیسے کرے گا؟

اللہ کریم نے زندگی ایک بار دی ہے اور اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہئے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور خالص دین کو اپنائیں جو نبی کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا جس کی بنیاد قرآن حکیم ہے، نبی کریم ﷺ کی حدیث اور سنت مبارکہ ہے، تعامل صحابہ کرامؓ ہے۔ اس دین کو مضبوطی سے تھامے اور پورے خلوص سے اس پر عمل کی کوشش کرے۔ اللہ قبول فرمائے۔ اس انتظار میں نہ رہے کہ خیر ہے ابھی جوانی ہے۔ نمازیں بعد میں پڑھ لیں گے۔ داڑھی بعد میں رکھ لیں گے۔

نور پور کا ایک آدمی تھا کراچی میں رہتا تھا۔ یہاں آیا تو اس کی سنت کے مطابق داڑھی تھی۔ جوان آدمی تھا۔ لوگوں نے بہکایا۔ صبح نظر آیا تو داڑھی صاف تھی۔ کسی نے پوچھا تو کہنے لگا خیر ہے پھر رکھ لیں گے۔ شام ہوئی، اسے دل کی تکلیف ہوئی اور مر گیا۔ پھر داڑھی رکھنے کی نوبت نہ آئی تو بندے کے پاس کیا ضمانت ہے کہ پھر کر لے گا۔ پہلی فرصت میں حضور اکرم ﷺ کی غلامی کا حق ادا کر لیں۔ ایمان میں، عقیدے میں، سوچ میں، عمل میں اور کردار میں۔ اللہ سب کو توفیق ارزاں کرے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ اللہ کریم نے اپنے کرم کا ایک کریمانہ اصول ارشاد فرمایا کہ جو نیکی کر کے لائے گا اسے اس کا کم از کم اجر جو ملے گا وہ اس سے دس گناء زیادہ ہو گا۔ یہ کم از کم ہے۔ زیادہ کا شمار نہیں۔ وہ اس کی اپنی عطا ہے۔ اس کی اپنی شان ہے۔ وہ جس طرح چاہے عطا کرے۔

حضرت مالک بن دینار ایک ولی اللہ تھے اور رئیس آدمی تھے۔ ایک دن ایک بوڑھی، غریب خاتون ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پیالہ تھا۔ اس نے عرض کی حضرت میرا بیٹا بیمار ہے اس کے لئے شہد چاہئے۔ آپ نے اپنے توشۂ خانے کے انچارج کو بلا کر کہا کہ اسے ایک مشکیزہ شہد دے دو۔ ان کے مصاحبین نے عرض کی کہ اس خاتون نے تو پیالہ بھر شہد مانگا تھا آپ نے اسے پورا مشکیزہ دے دیا؟ انہوں نے فرمایا اگر چہ اس نے پیالہ بھر مانگا تھا لیکن مجھے تو اللہ کریم نے بہت نوازا ہے۔ میرے توشۂ خانے میں ایسے کتنے ہی مشکیزے لٹک رہے ہیں۔ مجھے اللہ کریم سے حیاء آگئی کہ میرا رب فرمائے گا اس نے تو اپنی حیثیت کے مطابق مانگا تھا تم تو اپنی حیثیت کے مطابق دیتے۔ یہ تمہارا مال تو نہیں ہے میں نے تمہیں دے رکھا ہے۔ سو میں نے اللہ سے حیا کر کے اسے مشکیزہ دے دیا۔

اگر اللہ کے بندوں کی عطا کا یہ عالم ہے تو خود اس کی عطا کا کیا عالم ہوگا؟ پھر فرمایا: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اللہ ایسا کریم ہے کہ اگر کوئی برائی کر کے لے آیا تو اس میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ صرف اتنی ہی سزا ملے گی جتنا جرم کیا ہے۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی کہ اس کا جرم کم ہو اور سزا زیادہ دی جائے۔ لیکن یاد رہے کہ آخرت کی سزائیں بہت تکلیف دہ ہیں۔ اس دنیا میں بندہ ان سزاؤں کا تصور نہیں کر سکتا۔ دنیا کی تکلیفیں کتنا بے چین کر دیتی ہیں خواہ محض دانت کا درد ہو یا کہیں چوٹ لگنے کا درد، کتنا بے حال کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے آخرت کی سزائیں بڑی دردناک ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

ایک انتہائی ضروری بات ہمیں جان لینی چاہئے کہ لوگوں میں یہ خیال جڑ پکڑ گیا ہے کہ وہ عبادت گزار ہیں، تہجد سے تلاوت تک سب کرتے ہیں لیکن ان کے گھر میں ہر طرح کے مسائل ڈیرہ ڈالے بیٹھے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ نماز روزہ کرنے سے دنیاوی مسائل حل ہو جانے چاہئیں۔ یہ ایک غلط سوچ ہے۔

اصولی بات قرآن حکیم میں بتا دی گئی ہے کہ انسان جو عبادت کرتا ہے اس کا اَجر وہ پیشگی وصول کر چکا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ البقرہ:21 لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور اپنی بے پناہ نعمتیں دیں۔ بینائی دی، شنوائی دی، قوت گویائی دی، علم کی استعداد دی، حیران کن صلاحیتوں کا حامل دماغ دیا۔ خوب صورت چہرہ دیا، جسم اور توانائیاں دیں، دنیا کی نعمتوں سے استفادہ کرنے کی توفیق دی۔ اس نے تمہیں اتنا کچھ دیا کہ تم ساری زندگی سجدے ہی کرتے رہو تو کسی ایک نعمت کا بدلہ ادا نہیں کر سکتے۔ عبادت کا اجر یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ کہ تمہارا اللہ کریم سے ایسا قریبی تعلق پیدا ہو جائے جو تمہیں اطاعت پہ استقامت عطا فرمائے اور نافرمانی سے روک دے۔ فرمایا: عبادت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کریم کے سامنے حاضر ہونے کا احساس زندہ رہے اور تم اس کی نافرمانی کا سوچنا بھی چھوڑ دو اور سراپا اطاعت بن جاؤ۔

آخرت میں جو اجر ملے گا وہ اس عبادت کی اجرت نہیں ہے۔ وہ انعام باری تعالیٰ ہے وہ جسے چاہے دے اور جتنا چاہے دے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ فرمایا، میرے حبیب ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے یقیناً میرے پروردگار نے مجھے سیدھے راستے کی رہنمائی کر دی ہے۔ اللہ نے مجھ پر وحی نازل کی ہے، احکام نازل فرمائے ہیں اور مجھے صحیح راستہ بتا دیا ہے۔

آج کل اس بات میں بھی اختلاف پیدا کیا جا رہا ہے جو جس عمل کو چاہے نیکی قرار دے دیتا ہے حالانکہ نیکی کا ایک ہی اصول ہے۔

نیکی کیا ہے؟

نیکی صرف وہ ہے جسے محمد رسول اللہ ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہر وہ کام جو نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ہے وہ نیکی ہے اور جو حکم کے خلاف ہے وہ نیکی نہیں ہے۔ خواہ اس پر دسیوں دانشور اکٹھے ہو جائیں، بیسیوں پڑھے لکھے جمع ہو جائیں۔ فقر کا دعویٰ کرنے والے ہزاروں جمع ہو جائیں۔ لاکھوں علماء جمع ہو جائیں نیکی صرف وہی ہے جو نبی کریم ﷺ نے بتائی ہے۔ ایجادِ بندہ نیکی نہیں ہے۔

مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ یہ چاہتے تھے کہ سب لوگ اپنی پوجا پاٹ اپنے اپنے طریقے کے مطابق کرتے رہیں اور معاشرت چونکہ سب کی ایک ہے اس لئے وہاں سب مل جل کر گزارہ کرتے رہیں۔ یہی بات انہوں نے آپ ﷺ سے کہی کہ آپ بھی اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں لیکن ہمارے مل جل کر رہنے کے طریق کار میں اختلاف نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ بزبانِ رسول اللہ ﷺ کہلوا رہے ہیں کہ آپ ﷺ فرما دیجئے میرے رب نے مجھے صراطِ مستقیم کی رہنمائی کر دی ہے۔

سیدھا راستہ کیا ہے؟

چونکہ انسان بدن اور روح سے مرکب ہے اس لئے بدن اور روح کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا جو نظام اللہ کریم نے عطا کیا اور محمد رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا جس پر جماعت صحابہ کرام نے عمل کیا وہی سیدھا راستہ ہے۔ اللہ کریم نے روح کو وہ مقام دیا ہے کہ بدن میں روح ہو تو وہ انسان کہلاتا ہے اور روح نکل جائے تو اسے میّت کہا جاتا ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ انسان کا اطلاق ہوتا ہی روح پر ہے۔ وہ روح جو بدن میں موجود ہے وہ انسان ہے۔ روح الگ ہوگئی تو میّت ہے۔ جسمِ انسانی جو غذا کھاتا ہے اس سے بدن کی نشونما ہوتی ہے۔ انسانی عقل جسم کے فائدے کی چیزیں سوچ سکتا ہے اور جسم کو توانا رکھنے کے ذریعے تلاش کر سکتا ہے لیکن انسان صرف جسم کا نام تو نہیں ہے۔ اصل انسان روح ہے۔ اگر کوئی ناجائز طریقے سے کماتا ہے تو حرام کھاتا ہے۔ حرام کھانے سے اس کی صحت خراب نہیں ہوگی لیکن حرام کھانے سے اس کی روح مرنا شروع ہو جائے گے۔

اللہ کریم روحوں کا بھی پروردگار ہے اور وجود کا بھی۔ اس لئے فرمایا اے میرے حبیب ﷺ انہیں فرما دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کردی ہے۔ دنیا میں رہنے کا وہ سلیقہ سکھا دیا ہے کہ جس سے بدن بھی تر و تازہ رہے اور اسے لطف بھی آئے۔ اس کی دنیاوی زندگی خوبصورت ہو اور ساتھ ساتھ ازخود روح کی بالیدگی کا سبب بنتا جائے۔ لہٰذا میرا کمانا، خرچ کرنے کا معاشرت کا، لین دین، کاروبار، نکاح، طلاق، دوستی، دشمنی کا طریقہ وہ ہوگا جو میرا پروردگار بتا رہا ہے۔ چونکہ مجھے صرف بدن کی حفاظت نہیں چاہیئے، بدن کے ساتھ ساتھ روح کی حیات بھی چاہیئے۔ روح زندہ رہے، تر و تازہ رہے اسے بشاشت نصیب ہو۔ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ جس میں کسی کا نقصان نہیں۔ جسم کو بھی فائدہ ہے روح کو بھی فائدہ ہے۔ میرے پروردگار کے عطا کردہ سیدھے راستے میں خاندان کا بھی فائدہ ہے، معاشرے کا بھی، قوم کا بھی اور ملک کا بھی تو میں تمہارے ساتھ مل جل کر کیسے رہ سکتا ہوں؟

آج کل وطن عزیز میں پھر تحریک چل رہی ہے کہ ہندوستان سے صلح کی جائے اور ممالک دوستی کے رشتے میں بندھ جائیں۔ اس کی بنیاد فلموں میں کام کرنے والوں کے تبادلے پر رکی گئی ہے۔ کیا یہ قوموں کے رشتوں کا سبب ہے یا اللہ کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال، رشتوں کا سبب ہیں؟ آج پھر مکالمہ بین المذاہب کا شور ہے۔ کافر پہلے بھی یہی چاہتے تھے آج بھی یہی چاہتے ہیں کہ لوگ نام کے مسلمان رہیں اور عملی زندگی

میں معیشت سے معاشرت اور تہذیب واخلاق تک سب کا فرانہ ہوں۔آج ان بنیادوں پر کافرانہ ممالک سے صلح چاہتے ہیں جبکہ اسلام جو اصول دیتا ہے اس میں ہر شخص کو زندہ رہنے کا حق دیتا ہے۔ وہ عیسائی ہے یا بت پرست ہر شخص کی زندگی اللہ کی دی ہوئی ہے اس کے حکم پر لی جاسکتی ہے۔کوئی کسی کی جان نہیں لے سکتا۔عقیدہ رکھنے کا حق ہر شخص کو ہے۔ وہ کافر ہے مشرک ہے، کوئی بھی ہے اس سے اس کا عقیدہ زبردستی چھڑانے کا کسی کو حق نہیں۔ اسلام ہرایک کو اس کے انسانی حقوق دیتا ہے۔اسے زندہ رہنے کا حق اس کی جان و مال کا تحفظ، روزگار کے وسائل، علاج معالجہ اور تعلیم کی سہولت ہرایک کو مہیا کرنا مسلمان حکومت کا فریضہ ہے۔

اسلام کے عطا کردہ ان حقوق کے بعد کون سی صلح ہے جس کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ ایسی صلح کا مطالبہ نبی کریم ﷺ سے بھی کیا گیا تھا۔مشرکین نے کہا تھا کہ آپ اپنے رب کی پوجا کرتے رہیں لیکن ہمارے بتوں کو کچھ کہنا چھوڑ دیں۔ جسے آپ اللہ سمجھتے ہیں اس کی عبادت کریں لیکن جنہیں ہم معبود سمجھتے ہیں انہیں غلط کہنا چھوڑ دیں۔عملی زندگی میں ہم اور آپ مل جل کر رہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں نہ اپنی مرضی سے کچھ کہتا ہوں نہ کرتا ہوں۔ میرے پروردگار نے جو رب العالمین ہے مجھے سیدھا راستہ بتادیا ہے۔جس میں کوئی کجی نہیں۔تم بھی اپنالو تمہیں بھی فائدہ ہوگا۔ جو بھی قبول کرے گا اسے فائدہ ہی فائدہ ہوگا دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ یہ دین قیم ہے یعنی مستحکم دین ہے جس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ جو اپنے وجود میں مکمل بھی ہے مضبوط بھی ہے۔ جسے توڑا نہیں جاسکتا۔کوئی اس سے ہٹے گا تو وہ بے دین کہلائے گا یعنی دین میں تبدیلی کرنے والا بے دین ہوجائے گا۔ دین اپنی جگہ قائم رہے گا۔اور یہی ابراہیمؑ کا طریقہ ہے جو ہر طرح کی کجی سے پاک ہے۔وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

ملت ابراہیمی کا مفہوم:

ملت ابراہیمی سے یہ مراد نہیں ہے کہ شریعت محمد رسول اللہ ﷺ شریعت ابراہیمی کے تابع ہے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ جو خلوص وللّٰہیت اور استقامت ابراہیمؑ نے دکھائی اسی پر میرا قدم مبارک ہے۔

چونکہ یہودی کہتے تھے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار ہیں اور نصاریٰ کہتے تھے وہ عیسیٰؑ کے پیروکار ہیں۔مشرکین کہتے تھے ہمارے پاس دین ابراہیمؑ ہے تو قرآن حکیم نے سادہ سا جواب دیا کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ حضرت ابراہیمؑ تو شرک نہیں کرتے تھے اور تم سب کے سب شرک میں مبتلا ہو اور آپ ﷺ انہیں یہ بھی بتادیجئے کہ دین کاروبار نہیں ہے جس میں نفع ونقصان کو سوچا جائے یا حق، باطل سے سمجھوتہ کرے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ ان سے کہہ دیجئے: میری تمام نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ غرض ہر طرح کی عبادت جس میں فرض ہے، واجب ہے، سنت ہے، نفل ہے اور میری عبادت خواہ وہ مالی ہے یا بدنی اور جانی ہے۔ یہ سب عبادتیں اور میری زندگی، اور میری موت، میرا زندہ رہنا اور میرا دنیا سے چلا جانا میرا سب کچھ اللہ کے لئے ہے۔ میں اپنے لئے کچھ نہیں کرتا۔ سمجھوتے تو تب ہوں کہ میں اس میں اپنا منافع ڈھونڈ رہا ہوں۔ یہاں کچھ لو اور کچھ دو نہیں ہے۔ میرا سب کچھ اللہ ربّ العالمین کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کا ہی حکم ہے اور میں نے اس کی اطاعت کرنی ہے خواہ میرے پر کوئی مصیبت آجائے یا کوئی ناراض ہو جائے یا میرا مالی نقصان ہو جائے۔ جو ہوتا ہے ہو جائے۔ مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سب کچھ کرنا ہے۔ اپنی منفعت کے لئے نہیں۔ لہٰذا جو اس کا حکم ہے اسی کے مطابق عمل ہوگا۔ اس میں سمجھوتوں کی گنجائش نہیں۔ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور تم جانتے ہو وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جو ماننے والا ہے۔

دین کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ذاتِ باری کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ انسان کی ابتداء اور انتہا کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ حقائقِ آخرت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ میں ہی وہ ہستی ہوں جس پر وحی آئی۔ سب سے پہلا مسلمان میں ہی ہوں۔ ازل میں بھی میں ہی پہلا مسلمان تھا جب اللہ کریم نے سب روحوں سے عہد لیا الست بربکم تو میں ہی پہلا مسلمان تھا۔ دنیا میں جب جلوہ افروز ہوا، وحی الٰہی آئی تو اس کا پہلا پہلا ماننے والا میں تھا تو تم کیا سمجھتے ہو کہ مجھے اس کام سے ہٹا لو گے۔ یہ ممکن نہیں۔ ہرگز نہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ اس سب کے باوجود تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی مصیبتوں کا حل کسی اور سے تلاش کروں گا یا تم سب سے سمجھوتہ کر لوں گا۔ یہ تمہاری بے وقوفی ہے۔ میں ان چیزوں کے لئے اللہ کی اطاعت نہیں کر رہا کہ میری مشکلات دور ہو جائیں۔ میرے صحابہؓ حق کے لئے ایذائیں سہہ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو پیٹا جا رہا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے سمجھوتہ کر لوں گا تو مسلمانوں کی مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ نہیں۔ میں تو اللہ کی رضا کے لئے اس کی اطاعت کر رہا ہوں خواہ کوئی مجھے تکلیف دے میرے اصحابؓ پر تیغ چلائے، گرم لوہے سے داغے، جو کچھ ہوتا ہے ہوتا رہے۔ ہمیں وہی کرنا ہے جو ربّ العالمین نے حکم دیا ہے۔ اس میں سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔

آج ہم کیا اور ہماری نمازیں کیا، ہماری حیثیت کیا ہے، ہمارے نظریات کیا ہیں، ہم میں کتنا خلوص ہے

اورہم کیا عبادتیں کرتے ہیں؟ پھر بھی یہی کہتے رہتے ہیں کہ میں تو نمازیں پڑھتا ہوں پھر بھی میرا نقصان ہو گیا۔

صحابہ کرامؓ نے تو نہیں پوچھا جنہیں گرم سلاخوں سے داغا گیا۔ گرم ریت پر لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیئے گئے۔ کون سی ایذا ہے جو مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو نہیں دی گئی۔ شعبِ ابی طالب میں مقاطعہ ہوا۔ فاقے کئے، تکلیفیں اٹھائیں لیکن دین پر سمجھوتے کی بات کسی کی زبان پر نہیں آئی۔

رسول اللہ ﷺ کی تو اپنی شان ہے۔ ہر لمحہ اللہ کریم کے روبرو تھے لیکن تاریخِ اسلام چھانٹ لیجئے صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک فرد نے تین سال مقاطعے کے دوران یہ نہیں کہا کہ یا رسول اللہ ! ﷺ ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ ان سے کچھ سمجھوتہ کر لیجئے۔ اس کے علاوہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں کسی ایک صحابیؓ کا یہ مطالبہ نظر نہیں آتا۔ وہ ایسے لوگ تھے کہ جس نے لا الہ الا اللہ پڑھا وہ اس پر ڈٹ گیا۔

آج ہم ہیں جنہیں اپنی نمازوں پر بڑا ناز ہے جبکہ ہماری تو نمازوں میں بھی بدعات آ گئی ہیں۔ نکاح کی رسوم میں بھی بدعات در آئی ہیں۔ جنازہ تک مسنون طریقے سے نہیں ہوتا۔ آج ہر مسجد کا الگ اسلام ہے۔ ہر محلے، ہر قریے کا الگ ہے۔ جہاں چند لوگ جمع ہو جائیں اسلام کی نئی تعبیر کر لیتے ہیں۔

صحابہ کرامؓ وہ لوگ تھے جو صرف وہ بات کہتے تھے جو حضور اکرم ﷺ سے سنتے تھے۔ صرف وہ کام کرتے تھے جس کے کرنے کا حضور اکرم ﷺ حکم دیتے تھے اور جہاں سے حضور اکرم ﷺ روک دیتے تھے وہاں سے رک جاتے تھے۔

فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا روزی دینے والا، مجھے پالنے والا، مجھے تمام نعمتیں دینے والا، میری فریاد سننے والا میرا ربّ موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے میں کسی اور سے امیدیں باندھ لوں حالانکہ وہ ہر چیز کا ربّ ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو کوئی دوسرا کسی کی مدد نہیں کر سکتا تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے اپنی اُمیدیں باندھ لوں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایسا سوچنا بھی غلط ہے۔

اور یاد رکھو! وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ جو کرے گا وہی بھرے گا۔ یہ جو تمہارے مذہبی پیشوا تمہیں کہتے ہیں کہ ہمیں پیسے دے دو ہم تمہاری خطائیں معاف کرا دیں گے۔ یہ سب فضول ہے۔ یہ تم سے دھوکہ کر رہے ہیں۔

آج تو مسلمانوں میں بھی ایسے پیر خانے بن گئے ہیں جن کا کام نذرانے لینا ہے۔ جواء کھیلو تو اس میں پیسے دے آؤ۔ چوری کرو تو بھی حصہ دے آؤ۔ یہی حال پہلی قوموں کا بھی تھا۔ لہٰذا اس دھوکے میں نہ رہو کہ پیر صاحب یا علامہ صاحب تمہیں بخشوا دیں گے۔ ہرگز نہیں۔ ہر شخص جو عمل کرے گا وہ اسے دیکھنا ہوگا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ اٹھانا ہوگا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ اور پھر اسی پروردگار کی بارگاہ میں جانا ہوگا جس نے تمہیں اس دنیا میں پیدا کیا۔ تم تو جرائم کر کے بھول چکے ہوگے لیکن وہ ہر چیز بتائے گا جو کچھ تم کرتے رہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر چیز حاضر ہے۔ فرمایا: عقائد و اعمال میں تم میری مخالفت کر رہے ہو تو اس دن اس اختلاف کی بھی قلعی کھل جائے گی۔ سچ سچ ہو جائے گا۔ ہر چیز سامنے آ جائے گی۔

تم پہلے انسان نہیں ہو جنہوں نے اس زمین کو آباد کیا یہ تو اللہ کریم کی حکمت ہے کہ پہلے لوگ چلے گئے اور تم ان کی جگہ آ گئے وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اس نے تمہیں پہلوں کا وارث بنا دیا۔ یہ گاؤں، زمینیں، کھیتیاں تم نے تو نہیں بنائیں۔ تم سے پہلے کسی کے پاس تھیں پتہ نہیں کون کون ان کی ملکیت پر اتراتا تھا؟ کون خود کو بڑا کہلواتا تھا لیکن وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے اور اللہ نے تمہیں ان کی جگہ دے دی وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ اور تمہارے درجات مختلف کر دیئے لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ تاکہ میں آزماؤں کہ کون میرے احکامات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ کون میری نعمتوں کا حق ادا کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ یہی زندگی کی آزمائش ہے کہ اگر مزدور ہے تو مزدوری کرتے وقت دیانت داری کرتا ہے یا نہیں۔ مالک ہے تو کیا وہ مزدوروں کی اجرت پوری دیتا ہے یا اس میں ڈنڈی مار جاتا ہے۔ یہی آزمائش ہے کہ جو جہاں ہے وہاں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر پوری دیانتداری سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے یا نہیں اور یاد رکھو! اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ دنیا میں تو تم سوئے ہوئے شخص کی مانند ہو جو اپنے اردگرد سے بے خبر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ سوئے ہوئے شخص کو گرمی، سردی، بھوک، پیاس، نیکی، بدی کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ جس دن آنکھ کھلتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ میں کہاں ہوں، کتنی دیر گزر گئی ہے؟ مجھے کھانا پینا ہے، کسی سے ملنا ہے، فلاں کام رہتا ہے۔

ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اسی طرح جب موت آتی ہے تو ان کی آنکھ کھل جاتی ہے لیکن اس وقت کام کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔

یہ آیہ کریمہ بتا رہی ہے کہ یہ زندگی بہت تیزی سے گزر رہی ہے، بہت جلد ختم ہو جائے گی۔ ہم دنیا کی زندگی کو بہت طویل سمجھتے ہیں کہ ہماری اتنی عمر ہوگئی، اتنا تجربہ ہو گیا لیکن ہم جب آخرت میں قدم رکھیں گے تو وہاں کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ سورۃ الحج: 47 ترجمہ: اور بے شک آپ کے پروردگار کے نزدیک ایک دن تم لوگوں کے شمار کے مطابق

کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کا ہے۔اس حساب سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آخرت کے حساب سے دنیا میں گزاری جانے والی عمر کتنی کم ہے اور یہی مراد ہے اس آیت کریمہ کی اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ فرمایا: یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے کہ آخرت میں جب لوگ اٹھیں گے تو اللہ کریم پوچھے گا كَمْ لَبِثْتُمْ سورۃ المومنین :112 تم کتنے عرصے دنیا میں رہے؟ تو وہ کہیں گے يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے۔فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ○ المومنون :113 تو آپ گنتی جاننے والوں سے پوچھ لیں۔ہمیں تو شمار کرنا نہیں آتا۔وہاں جا کر سمجھ آئے گی کہ ہمارے پاس تو تھوڑی سی فرصت تھی۔ہم نے ضائع کر دی۔

بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے لیکن یہ بھی یاد رکھو! وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔جو کچھ بھی کر چکے ہو، جہاں بھی پہنچ چکے ہو، وہیں توبہ کر لو۔کہو یا اللہ! جو کچھ ہوا مجھے معاف کر دے آئندہ میں تیرے نبی کریم ﷺ کی اطاعت کروں گا۔وہ بخشنے والا ہے۔وہ سب کچھ بخش دے گا۔اس کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ کسی پر واپسی کا دروازہ بند نہیں ہے۔جب تک کوئی دنیا میں ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔اللہ کریم کی رحمت تمہارے گناہوں سے بہت بڑی ہے۔لہٰذا برائی کو عادت بنانے اور ناحق سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے غلط عقیدوں، اپنی برائیوں اور فاسد خیالات سے توبہ کرو۔رجوع الی اللہ کر لو۔اس کی بخشش کو تھام لو اس سے پہلے کہ وقت گزر جائے۔

سورۃ الاعراف رکوع 1 آیات 1 تا 10

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ یہ کتاب جو آپ پر نازل فرمائی گئی ہے سو اس کے سبب آپ کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے یہ اس لئے ہے کہ آپ اس کے ذریعے (انجام بد سے) ڈرائیں اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ ﴿۲﴾ لوگو! اس کی پیروی کرو جو چیز تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آئی ہے اور اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ ﴿۳﴾ اور کتنی بستیاں ہیں جو ہم نے تباہ کر دیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو سوتے میں آیا یا جب وہ دوپہر کو

سوتے تھے۔ ﴿۴﴾ پس جب ان پر ہمارا عذاب آتا تھا تو ان کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ ﴿۵﴾ سو جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔ ﴿۶﴾ پھر ہم اپنے علم سے ضرور ان کو حالات بیان فرمائیں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔ ﴿۷﴾ اور اس روز حق (انصاف) کے ساتھ وزن کیا جائے گا پھر جن کا پلڑا بھاری ہوگا سو وہ لوگ کامیاب ہوں گے۔ ﴿۸﴾ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنا (بہت) نقصان کرلیا اس لئے کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے۔ ﴿۹﴾ اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین میں بسنے کو جگہ دی اور تمہارے لئے اس میں سامان معیشت پیدا فرمائے۔ تم کم ہی شکر کرتے ہو۔ ﴿۱۰﴾

سورہ الاعراف شروع ہوتی ہے۔ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو کہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ مکی سورتوں میں عموماً عقائد پر زیادہ بحث ہے۔ ضمناً کچھ احکام بھی ہیں۔ اس سورہ میں بنیادی بحث توحید باری، عظمت کتاب اور ایمان بالرسالت پر ہے۔ چونکہ توحید باری اور کتاب اللہ کا کتاب الٰہی نازل ہونا تب ہی سمجھ آتا ہے جب کسی کا ایمان رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہو۔ ایمان بالرسالت نہ ہو تو نہ توحید باری سمجھ آتی ہے نہ عظمت کتاب۔

خلاصۂ رکوع

الٓمّٓصٓ ① یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معنی و مفاہیم اللہ کریم ہی بہتر جانتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ جانتے ہیں یا پھر کچھ ایسے لوگ جن کے قلوب، قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے برکات حاصل کرتے رہتے ہیں وہ اپنی حیثیت، اپنی استعداد اور اپنے مقام کے مطابق سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے، ہر ایک کے لئے اس کا سمجھنا ضروری نہیں ہے۔ ان کا پڑھنا ضروری ہے اور جو فائدہ ان کی تلاوت سے مقصود ہے، پڑھنے والے کو وہ فائدہ مفہوم نہ جاننے کے باوجود نصیب ہوتا ہے۔

فرمایا: یہ کتاب ہے جو آپ ﷺ پر نازل کی گئی ہے لہٰذا آپ ﷺ اس بات سے غمگین نہ ہوں۔

کہ یہ نصیحت ہے ایمان والوں کے لئے۔ آخرت کے احوال کی خبر دیتی اور ڈراتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں جو نازل کیا گیا ہے، تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے اس کا اتباع کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا مددگار و معاون سمجھ کر اس کا اتباع نہ کرو لیکن بہت کم لوگ ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ اور بے شمار ایسے شہر ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا اور ان پر اس طرح عذاب آیا کہ وہ کبھی رات کے وقت سو رہے تھے یا کبھی دن کو قیلولہ کر رہے تھے۔ جب عذاب آیا تو وہ بھی اس کے سوا کچھ نہ کہتے تھے کہ یہ ہمارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔

جن لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھیجے گئے ان سے پُرسش ہوگئی اور رسولوںؑ سے بھی پوچھا جائے گا اور پھر ہم تمام لوگوں کو اپنے علم سے بتائیں گے کہ جو کچھ انہوں نے کیا اس لئے کہ ہم غیر حاضر نہیں تھے اور اس دن حق و انصاف کے ساتھ وزن کیا جائے گا۔ جن کا پلڑا بھاری ہوگا وہ لوگ کامیاب ہوں گے اور جن کا پلڑا ہلکا ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات کے ساتھ ظلم کرتے تھے، ان کی حق تلفی کرتے تھے۔ ہم نے تم لوگوں کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور تمہارے لئے سامانِ زندگی پیدا فرمایا لیکن بہت کم لوگ ہیں جو شکر کرتے ہیں۔

تفسیر و معارف

قرآن حکیم تو مختصر اور جامع ترین کلام ہے۔ بظاہر یہ ایک سادہ جملہ نظر آتا ہے کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ یہ کتاب ہے جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی ہے لیکن یہ بات سمجھنے کے لئے، یہ جاننا ضروری ہے کہ کتاب کی تعریف کیا ہے؟ کتاب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی موضوع پر ہوتی ہے۔ طب ہو، تاریخ جغرافیہ ہو، سائنس ہو یا کسی بھی طرح کا علم ہو۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس موضوع کا حق ادا کر دیتی ہے۔ موضوع سے متعلق تمام معلومات کا احاطہ کرتی ہے۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی بتائی ہوئی باتیں غلط نہیں ہوتیں۔

اگر اس نظر سے دیکھا جائے تو آسمانی کتابوں کے سوا دنیا میں کتاب ہے ہی نہیں۔ اس لئے کہ محض کاغذ پر تحریر کرنا اور اس کی جلد بندی کر دینے سے کتاب نہیں بنتی۔ کتاب کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں جس موضوع پر بات ہو وہ اس کا حق ادا کر دے۔ اس کی ہر بات ناقابلِ تنسیخ ہو۔ حتمی اور یقینی ہو۔ اگر یہ معیار ہے تو قرآن حکیم ہی کتاب ہے اس لئے کہ پہلی تمام آسمانی کتابیں نازل ہوئیں پھر ان میں تحریف ہوگئی اور ان کی وہ صورت باقی نہ رہی۔ اپنے اپنے وقت میں وہ واقعی کتاب کہلانے کی حق دار تھیں لیکن ان کا موضوع محدود تھا۔

مخصوص قوموں کے لئے تھیں۔ آج بھی ہمارا ایمان ہے کہ ساری آسمانی کتابیں حق تھیں لیکن وہ وقت اور زمانہ گزر گیا۔ وہ لوگ گزر گئے۔ ان کتابوں پر ایمان تو رہے گا لیکن عمل صرف قرآن حکیم پر ہوگا۔

قرآن حکیم کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے نزول سے لے کر قیامت تک یہی کتاب ہے کوئی دوسری کتاب نازل نہیں ہوگی۔ اس کا موضوع اللہ کی معرفت ہے۔ حصول معرفت الٰہی اور اللہ کریم سے تعلق کی بات جب آتی ہے تو بڑی طویل ہو جاتی ہے کہ قدرت نے انسانی زندگی ایسی بنائی ہے کہ اس کی ضروریات کی ترجیحات بدلتی رہتی ہیں اور ان کی تکمیل کے ذرائع بھی بدلتے رہتے ہیں۔ انسان کو پیاس لگتی ہے اور بھوک لگتی ہے لیکن ان چیزوں میں اس کی پسند بدلتی رہتی ہے۔ کسی کو کوئی غذا پسند ہے تو کسی کو دوسری۔ پھر ان کے حصول کے طریقے بھی بے شمار ہیں، کوئی جائز طریقے سے لیتا ہے کوئی ناجائز ذرائع سے حاصل کرتا ہے۔ پھر ان میں کتنا کھانا پینا پاک ہے اور کتنا ناپاک۔ پھر اس کھانے پینے کے بدن پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں مل جل کر انسانی وجود میں جو تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں اس سے انسان کی شخصیت اجاگر ہوتی ہے۔ انسان کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ضروریات اس طرح پوری ہوں کہ نہ صرف وجود کی زندگی اور صحت ہو بلکہ روح بھی مضبوط ہوتی چلی جائے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں کہ نزول قرآن سے لے کر قیام قیامت تک جتنی انسانیت نے دنیا میں آنا ہے اور آکر موت کی آغوش میں چلے جانا ہے سب انسانوں کے لئے ایک مربوط نظام مرتب کیا جائے جس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہو۔ کمانے کے ذرائع مقرر ہوں۔ جائز و ناجائز متعین ہوں۔ خرچ کرنے کی ہدایات مکمل ہوں۔ باہمی تعلقات کے انداز واضح ہوں۔ حقوق و فرائض کا نظام ہو۔ ملک و قوم کی ذمہ داریاں متعین ہوں۔ عدل و انصاف کا نظام ہو۔ غرض انسانی زندگی کا ایسا لائحہ عمل ہو جو آسان، حسین اور سب کی خیر خواہی کا ضامن ہو۔ جسے تغیرات زمانہ متاثر نہ کر سکیں۔ ہر عہد میں لباس سے سواری تک اور اسلحے سے ایمونیشن تک بے شمار تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ پہلے لوگ گندم کی روٹی کھاتے تھے اب برگر اور ڈبل روٹی کھاتے ہیں۔ پہلے موٹر کا تصور دور دور تک نہیں تھا، اب گھر کے دروازے پر کھڑی نہ ہو تو مشکل ہوتی ہے۔ پہلے لوگ بندوقوں، تلواروں سے دو بدو لڑتے تھے پھر بندوقوں میں کتنی تبدیلیاں کر کے بہتر سے بہترین بنائی گئیں۔ پھر راکٹ آ گئے۔ یہ تبدیلیاں زندگی کے ہر شعبے میں روز بروز رونما ہو رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی تو ایسی کتاب جو کسی تبدیلی سے متاثر نہ ہو۔ کسی بھی وجہ سے کتاب میں تبدیلی کی ضرورت پیش نہ آئے اور کوئی ایسا سوال کسی زمانے میں نہ ہو جس کا وہ کتاب جواب نہ دے سکے۔ اور اس کا عطا کردہ جواب

حتمی اور یقینی ہو۔

اگر یہ سارے امور دیکھے جائیں تو دنیا بھر میں صرف ایک ہی کتاب ہے جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: هٰذَا كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ہم نے آپ ﷺ پر کتاب نازل کی ہے جو کتاب کے سارے مفاہیم کو کماحقہ ادا کرتی ہے فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ اے میرے حبیب! ﷺ آپ ان کی باتوں سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں۔ دکھی نہ ہوں۔ آپ اپنا فرض کماحقہٗ انجام دے رہے ہیں اگر یہ نہیں مانتے تو یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے آپ دکھی نہ ہوں۔

آپ ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی کا ایک پہلو:

جب اتنی عظیم الشان کتاب آئی اور سننے والوں میں اکثریت ان بدبختوں کی تھی جنہوں نے مختلف اعتراضات کئے تو حضور اکرم ﷺ کو ان کی بدبختی پر بہت دکھ ہوا کہ کتاب الٰہی کے ہوتے ہوئے لوگ اس کا انکار کر کے جہنم جا رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی رحمۃ اللعالمینی کا یہ ایک پہلو تھا کہ آپ ﷺ کو دشمنوں کا بھی دکھ ہوتا تھا کہ میں تو ان کو جہنم سے بچانے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ میں تو ان کو اللہ کریم کی بارگاہ میں کامیاب و کامران لے جانا چاہتا ہوں لیکن یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ قرآن کریم نے نزول کے بعد بھی جہنم جانے کو تیار ہیں۔ آپ ﷺ کو یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے انکار اور مخالفتِ کتاب الٰہی سے اتنا دکھ ہوتا تھا کہ اللہ کریم نے تشفی فرمائی۔ کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ ان کی باتوں سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں ان کا معاملہ میرے ساتھ ہے۔

اگر مشرکین کے نہ ماننے پر اور قرآن حکیم کی مخالفت پر نبی کریم ﷺ کو دکھ ہوتا ہے تو ہم جو کلمہ پڑھنے کے بعد قرآن حکیم کی مخالفت کرتے ہیں اس کا انہیں دکھ نہیں ہوتا ہوگا؟ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ کلمہ گو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی رسالت کے بھی قائل ہیں لیکن قرآن پر عمل کے قریب نہیں جاتے۔ یہ تضاد کھلا نظر آ رہا ہے۔ کیا ہمارے ملک کا آئین و دستور قرآن کا ہے؟ کیا ہماری اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے لوگ اللہ کریم کے عطا کردہ قانون کے خلاف قانون سازی نہیں کر رہے؟ جب مشرک اس نظامِ حیات پر اعتراض کرتے تھے جو قرآنِ حکیم لے کر آیا تو حضورِ اکرم ﷺ کو دکھ ہوتا تھا تو آج مسلمان کہلانے والے جب دین کے خلاف عمل کرتے ہیں اور اپنی طرف سے قانون بنا کر نافذ کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی پرواہ نہیں کرتے تو کیا نبی کریم ﷺ کو دکھ نہیں ہوتا؟ یہ تو دہرے دکھ کی بات ہے۔ دہرا جرم ہے کہ

ایک قرآن حکیم پر عمل نہیں کیا دوسرے اللہ کے حبیب ﷺ کو دکھ دیا۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ احساس ضرور ہونا چاہئے کہ اپنے کم از کم وجود کو تو قرآن حکیم کے مطابق ڈھال لیں۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝ تا کہ آپ ﷺ اس کے ذریعے لوگوں کو اعمال بد کے نتائج سے متنبہ کریں۔ انذار کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیزیں موت کے آنے پر منکشف ہوتی ہیں وہ تمام باتیں لوگوں کو دنیا میں ہی بتادی جائیں۔ موت کے وقت تو حقائق اخروی عیاں ہو جاتے ہیں۔ ثواب، عذاب، فرشتے، جنت و دوزخ جیسے حقائق سامنے آجاتے ہیں لیکن اس وقت توبہ کا اور عمل کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ تو یہ انجام، اعمال کی شکلیں ان کی کیفیات اور واردات، برائی کا انجام اور نیکی کا صلہ یہ تمام باتیں آپ ﷺ اسی دنیا میں، موت کے آنے سے پہلے بتادیتے ہیں اور خبردار کردیتے ہیں۔ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝ اس کتاب کا کمال یہ ہے کہ جو اس کو خلوص دل سے تھام لیتا ہے اسے پوری پوری رہنمائی اور مدد دیتی ہے۔ صحیح کام کرنے کا سلیقہ بتاتی ہے۔ ہر موقع پر اسے نصیحت کرتی ہے۔ نصیحت سے کیا مراد ہے؟ نصیحت یہ ہے کہ کسی کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتادیا جائے اور سمجھا دیا جائے کہ غلط کرو گے تو یہ نقصان ہوگا۔ صحیح کرو گے تو یہ فائدہ ہوگا۔ شرک کرو گے یا ظلم کرو گے، قتل کرو گے، دوسروں کا مال لوٹ لو گے غرض ہر گناہ کی تفصیل، اس جرم کی نوعیت اس پر مرتب والی سزا سے خبردار کرتی ہے تا کہ لوگ زندگی میں دیکھ بھال کر فیصلے کریں، درست عمل کریں اور خطرات سے بچ کر چلیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے سفر کرنے والوں کے لئے جگہ جگہ بورڈ لگا دیئے جاتے ہیں جو سڑک پر پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کرتے ہیں تا کہ مسافر بحفاظت منزل پر پہنچ جائیں۔ کہیں اچانک موڑ آتا ہو تو پہلے سے بورڈ لگا دیا جاتا ہے کہ آگے ایک خطرناک موڑ ہے۔ یہ اس لئے لگایا جاتا ہے کہ گاڑی تیز رفتاری سے گزرتی ہوئی کسی کھائی میں نہ جا گرے۔ کہیں جنگلی جانوروں کے گزرنے کی پیشگی اطلاع دینے والے بورڈ لگائے جاتے ہیں تا کہ سفر کرنے والے اپنی حفاظت کا سامان کر کے گزریں۔ قرآن حکیم بھی وہ حقائق وقت پر بتادیتا ہے جنہیں آخرت میں پہنچ کر دیکھنا ہے۔

بندہ غور کرے، اپنے آپ کو دیکھے، ہر ایک کی طرف سے توجہ ہٹا کر یہ سوچے کہ فقط میں ہی زمین پر بیٹھا ہوں اور کوئی نہیں ہے تو اسے سمجھ آئے گی کہ میرے اللہ کریم کا مجھ پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے میرے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ میرے لئے اپنا کلام نازل کیا۔ یہ بھی غور کرے کہ میں اس کتاب

الٰہی پر کتنا عمل کر رہا ہوں۔ پھر اسے سمجھ آ جائے گی کہ اس کے ساتھ آخرت میں کیا ہونا چاہئے۔ اس تجزیے سے بندے کو سمجھ آ جاتی ہے۔

بدن اور روح کی تربیت:

اللہ کریم فرما رہے ہیں اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس کا اتباع کرو جو تمہارے ربّ نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ ربّ وہ ہے جو پروردگار ہے، پالن ہار ہے، ہر مخلوق کی ہر ضرورت کو ہر وقت جانتا ہے اور اسے پورا کرتا ہے۔ وہ وجودوں کا بھی ربّ ہے اور ارواح کا بھی ربّ ہے۔ تم شاید لذت کام و دہن کو سمجھ سکو۔ تم شاید مال اکٹھا کر سکو، تم شاید وجود کی ضروریات اور مادی علوم کو سمجھ سکو تم صحت مند رہ سکو لیکن روح نہ تمہاری سمجھ میں آئے گی نہ تم اسے دیکھ پاؤ گے۔ ہو سکتا ہے تم بدن کو صحت مند کر و اور روح مر جائے۔ ایسی صورت میں چلنا پھرنا وجود تو ہوگا اس کی روح مر چکی ہوگی۔ روح کی حیات ایمان سے ہے اور اس کی پرورش نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے قرآن اور آپ ﷺ کے اتباع میں ہے۔

اللہ کریم نے جو طریقِ حیات دیا ہے وہ ایسا ہے کہ تم روزی کماؤ، کھانا کھاؤ، لباس پہنو، مقام و مرتبہ پاؤ تو یہ سب مادی وجود کے لئے ہی نہیں ہوگا اس کے ساتھ روح از خود صحت مند اور باہمت ہوتی چلی جائے گی۔ قرآن کے بتائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر جب کام کرو گے تو شاید تم زیادہ کما لو، عہدہ بڑا لے لو لیکن یہ یقینی بات ہے کہ قرآن سے ہٹ کر کام کرنے سے روح مر جائے گی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ بدنوں کا بھی ربّ ہے اور ارواح کا بھی ربّ ہے۔ اس نے قرآن حکیم پر عمل کو ہی کامیابی کا زینہ بنایا ہے۔ یوں تو انسانی زندگی کے امور سب کے یکساں ہیں جو کام ایک بے دین اور بدکار کرتا ہے وہی کام ایک نیک شخص بھی کرتا ہے۔ کارِ زندگانی وہی ہیں۔ کمانا، خرچ کرنا، خاندان، بیوی بچوں کی دیکھ بھال، کام سارے وہی ہیں ان کے کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک شخص خواہش نفس کا غلام ہے وہ یہی کام شیطان کے پیچھے چل کر کرتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے جو قرآن حکیم کا اتباع کرتا ہے اس کے مادی کاموں کے ساتھ ساتھ اس کی روح جواں ہمت اور تروتازہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

فرمایا یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو انسان کے بدن اور روح دونوں کا ربّ ہے۔ وہ یہ ہدایت فرما رہا ہے کہ قرآن حکیم کا اتباع کرو اور وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا کارساز سمجھ کر اس کی بات نہ مانو کہ اللہ کے حکم کے خلاف کسی کی بات اس امید پر ماننا کہ یہ

میری مدد کرے گا یا یہ ماننا کہ اگر میں اس کی بات نہیں مانوں گا تو مجھے فلاں نقصان پہنچے گا۔ یہ قطعی شرک ہے۔ یہ عقیدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رکھنا جائز ہے کہ اس کے احکام مانوں گا تو فائدے میں رہوں گا۔نہیں مانوں گا تو نقصان ہوگا اور یہ کہ کارساز صرف اللہ ہے۔یہی عقیدہ کسی حکمران، کسی طاقتور، کسی بااثر شخصیت سے وابستہ کرلیا۔اور اللہ کی بات چھوڑ کر اس کی بات مانی تو پھر اس نے اسی شخص کو معبود مان لیا۔

• آج ہم اغیار سے اتنے متاثر ہو چکے ہیں کہ میڈیا جب اقوال زریں پیش کرتا ہے تو کافر معاشرے کی اور کفار کی مثالیں دیتا ہے۔کیا تاریخ اسلام اتنی بانجھ ہے کہ کچھ پیش نہیں کرسکتی، کیا نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارک نہیں سنائی جاسکتی، کیا خلفائے راشدین کے ارشادات، صحابہ کرام کی مثالیں نہیں دی جاسکتیں، کیا اولیاء اللہ کے اقوال نہیں بتائے جاسکتے؟ ایک ایک ولی مینارۂ نور ہے۔کیا عمر فاروقؓ کے دور کی مثالیں نہیں دی جاسکتیں جب ان کے عدل سے پورا عہد متاثر تھا۔کوئی جانور بھی کسی دوسرے کے کھیت میں نہیں گھستا تھا۔لیکن ہمیں مغرب کے ان دانشوروں کی باتیں سنائی جاتی ہیں جو خود اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔جو اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو نہ پہچان سکے۔یہ ہمیں جاہلوں کی باتیں سنا کر جہالت میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔لیکن فرمایا حق یہ ہے کہ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو مادی وجود سے آشنا ہوتا ہے۔مادی لذات سے لطف اندوز ہوتا ہے اس کی مادی نظر پر مادی چیزوں کا حسن منکشف ہوتا ہے تو وہ مادی چیزوں کی چکاچوند میں اتنا کھو جاتا ہے کہ نصیحت حاصل نہیں کرتا قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝ بڑے کم ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کی باتیں سنتے ہیں، خوش ہوتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ دنیاوی لذات کو نہیں بھولتے۔بڑے کم خوش نصیب ہیں جو ان باتوں کو دل میں جگہ دیتے ہیں انہیں اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنالیتے ہیں۔آخرت میں پیش آنے والی باتیں تو بتادی گئیں۔اب ان دلائل پر غور کرو جو تمہارے سامنے ہیں۔دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے سبق حاصل کرو۔فرمایا وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ۝ کتنے ہی شہر ایسے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کردیا۔جن میں سے کسی میں طوفان آیا، کہیں آگ برسی، کوئی زمین میں دھنسا دیئے گئے۔کوئی نالے میں غرق ہو گئے۔کبھی راتوں کو اپنے آرام دہ بستروں میں نیند کے مزے لوٹ رہے تھے کہ طوفان نے آلیا۔زلزلہ آیا، زمین پھٹ گئی، اس میں دب گئے اور کبھی ایسا ہوا کہ کھا پی کر دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ کوئی مصیبت آگئی۔آگ برس گئی، پتھر برسے، زمین شق ہوگئی، طوفان آگیا اور تباہ ہوگئے۔تمام تباہ ہونے والے افراد اور اقوام کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۝ کہ ہم نے بڑے ظلم کئے۔ کاش! ہم نے گناہ نہ کئے ہوتے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ ہم نے اللہ کے نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو یہ سزا ہم پر آ گئی۔ پھر یہ اپنے کردار کے خود گواہ بن جاتے ہیں۔ فرمایا: فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ اولاد آدم کے ایک ایک فرد سے پرسش ہوگی کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا رسولؐ تشریف لایا۔ اللہ کا کلامِ کتاب الٰہی لایا۔ اللہ تعالیٰ کے احکام لایا توتم نے کس حد تک ان کی پیروی کی۔ عالم دنیا میں تو کوئی حاکم ہے، کوئی محکوم، کوئی دولت مند ہے تو کوئی غریب اور دنیا میں اسی کے مطابق سلوک بھی روا رکھا جاتا ہے لیکن آخرت کا معیار دنیاوی عہدے، خاندان، نسل وغیرہ سے نہیں ہوگا کہ کون امیر خاندان سے تھا اور کون غریب خاندان سے تھا بلکہ سیدھا سیدھا سوال ہوگا کہ تمہارے پاس میرے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے توتم نے ان کو کیا جواب دیا تھا، انؐ کی کتنی بات قبول کی تھی اور کتنی کو نظر انداز کر دیا تھا؟ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ۝ اور انبیاءؑ ورسلؑ سے بھی پوچھا جائے گا کہ آپؐ ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ آپؐ نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا تو اس کا کیا ہوا؟ میری مخلوق جنہیں میں نے پیدا کیا استعداد اور قابلیتوں سے نوازا۔ جو ہر لحہ میری بے پناہ نعمتیں استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے میرے پیغام کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یعنی آخرت کا معیار یہ ہوگا کہ کتنے لوگوں نے انبیاءؑ کی اطاعت کی اور احکام الٰہی کو کس خوش دلی سے، کس خلوص سے مانا یا ان کا انکار کر کے کافر ہو گئے یا اقرار تو کیا لیکن عمل نہیں کیا اور فاسق وفاجر ہو گئے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ ہم اپنے علم سے ان تمام لوگوں کو ان کے اعمال سے باخبر کریں گے۔ بتائیں گے کہ تم دنیا میں کیا اعمال کرتے رہے وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ۝ اور ہم کبھی غیر حاضر نہ تھے یعنی اللہ کریم کے فرشتے کراماً کاتبین بھی لکھ رہے ہیں۔ ان سب کے باوجود اللہ کریم ذاتی طور پر بھی جانتا ہے۔ انسان کے اعمال پر یہ تین قسم کی شہادتیں جمع ہو رہی ہیں۔ ایک ہر انسان پر مقرر کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں دوسرے یہ کہ انسان کی زبان سے نکلا ہر لفظ محفوظ رہتا ہے۔ فضا میں موجود رہتا ہے۔ سائنس یہ دعویٰ کرتی ہے کہ کسی بھی زمانے میں کسی نے کوئی بات کہی ہو وہ فضاء میں موجود ہوتی ہے اسے واپس لایا جا سکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اللہ کریم خود سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔

ان دلائل کے بعد آدمی اپنی حیثیت کو دیکھے۔ کتنا بھی کوئی بڑا ہو جائے لیکن اللہ کریم کی ادنیٰ سے مخلوق ہے۔ آگ، مٹی، ہوا اور پانی کے اجزاء سے اللہ نے اسے صورت عطا کر دی۔ شعور دیا۔ زندہ رہنے والا دل دیا۔ پیدا ہونے سے مرنے تک تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا کیں۔ ان تمام نعمتوں

سے فائدہ حاصل کرنے کے بعد انسان کے پاس کوئی رسولؐ نہ بھی آئے تو عظمت الٰہی کا اقرار اس کے لئے ضروری تھا۔ اسے اللہ نے اتنا شعور دیا ہے کہ شواہد و حالات، نظام کائنات کو دیکھ کر خالق کی عظمت کا اندازہ لگائے۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے اپنے انبیاءؑ و رسلؑ بھیجے۔

ہم وہ خوش نصیب ہیں جن کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جو انبیاءؑ کے بھی امام ہیں رسولوںؑ کے بھی امام ہیں ﷺ۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو پھر کسی کے آنے کی حاجت باقی نہ رہی۔ اب قیامت تک کوئی نئی نبوت نہیں آئے گی نہ نئی کتاب آئے گی۔ اللہ کریم نے اس کتاب کی حفاظت کا اہتمام فرما دیا۔

اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔ جب کتاب محفوظ رہے گی تو اس کا مطلب ہے اس کتاب کو لکھنے والے بھی موجود رہیں گے۔ اس کو پڑھنے والے اور سمجھنے والے بھی ہوں گے۔ کتاب الٰہی کو سمجھانے والے بھی ہوں گے۔ ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جو اس کتاب پر عمل کریں گے۔ کتاب باقی رہے گی تو جس ہستی پر کتاب نازل ہوئی ہے۔ اس کی زندگی کا لمحہ لمحہ بھی سیرۃ پاک کی صورت میں باقی رہے گی اور حضور اکرم ﷺ کا پیغام افراد تک پہنچتا رہے گا۔

اس سارے پس منظر میں دیکھنا یہ ہے کہ کس نے دین قبول کیا، کس نے من مانی کی؟ ہر دنیاوی حکومت جو قانون بناتی ہے وہ چاہتی ہے کہ پورے ملک کے شہری اسے قبول کریں اور اس کے مطابق اس پر عمل کریں حالانکہ حاکم بھی ہم ہی میں سے ہیں۔ ہمارے جیسے محتاج انسان ہیں۔ آج ہیں، کل نہیں ہوں گے۔ حکومتیں بھی عارضی ہیں۔ دنیا میں کتنے ہی بڑے بڑے حکمران آئے اور چلے گئے سب کا ہی اقتدار وقتی رہا۔ اگر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی اتنی لازمی ہے تو اللہ جل شانہٗ کے دیئے ہوئے قوانین کی پابندی کتنی اہم ہے اور نہ کرنے والے کا کیا حشر ہوگا؟ اس دن اعمال کو تولا جائے گا۔ عدل و انصاف کے ساتھ تولا جائے گا۔

یوم حشر اعمال کا وزن کس حساب سے؟

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ بندے کے خلوص کے حساب سے اعمال کا وزن ہوگا۔ ایک بندہ سجدہ کرتا ہے لیکن اس کا دل اس میں نہیں لگتا۔ اس کا وزن ہلکا ہوگا۔ جو پورے خشوع و خضوع سے سجدہ کرتا ہے اس کا دل سجدے میں لگتا ہے اس کا وزن زیادہ ہوگا۔ ہر شخص کا خشوع و خضوع کا اپنا درجہ ہے جس کا جتنا زیادہ ہوگا اتنا وزن ہوگا اور پھر عبادات ہی نہیں ہر عمل، ہر اطاعت، ہر کام کو تولا جائے گا۔ جو عمل اطاعت کے زمرے میں آتے ہیں وہ نیکیوں کے پلڑے میں ہوں گے۔ وہ قادر ہے ہر عمل کو شکل دے دے اور اگر کسی عمل کو متشکل نہ کرے اور اس کی صرف کیفیت کا وزن کر لے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ نیکیوں کو بھی

پلڑے میں رکھا جائے گا اور ان برائیوں کو بھی رکھا جائے گا جن سے توبہ نہیں کی تھی اور گناہ کر کے بھول بھی چکے ہوں گے۔ بڑے حساب سے وزن کیا جائے گا۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۞ وہ کامیاب ہوں گے وہ جیت جائیں گے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ اور جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا پڑ گیا، گناہ کا پلڑا بھاری ہو گیا فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۞ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ نبیؐ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا اپنا نقصان ہو جاتا ہے۔ خطا کار اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہا ہے دوسرے کا کچھ نہیں بگاڑ رہا تو جن کی نیکیاں کم اور گناہ کا وزن زیادہ ہو گیا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ۞ فرمایا: یہ میری آیات کے ساتھ ظلم کرتے رہے۔ ظلم ہوتا ہے، وضع الشیء فی غیر محلہٖ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا مقام نہیں، کوئی ایسی بات کرنا جو بے محل ہو۔ یا ایسا کام کرنا جو بے محل ہو۔ آیات الٰہی کی عظمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ کا کلام ہے اس کے مطابق اس کی عزت و توقیر کی جائے۔ اس کی شان کے مطابق توجہ سے سنا جائے اور پھر پورے خلوص سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر کسی نے سننا ہی گوارا نہ کیا، سنی ان سنی کر دیا اور اعمال کتاب اللہ کے خلاف کئے تو فرمایا اس نے میری آیات کے ساتھ ظلم کیا۔ ان کی حق تلفی کی۔ ان کی قدر نہ پہچانی۔ اس کی عظمت اور اہمیت کو نہ پہچانا اور اپنی ہی مرضی کر کے زندگی گزار دی۔

یاد رکھیں! وزنِ اعمال بھی انہی کا ہو گا جن میں نورِ ایمان ہے۔ اللہ کی وحدانیت، حضور اکرم ﷺ کی رسالت اور ضروریات دین پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن عمل درست نہیں ہے۔ لیکن جس شخص کا ایمان ہی نہیں اس سے کسی نیکی کا ظہور اور شہود ممکن ہی نہیں۔ جیسے بعض کافر بھی بڑے اچھے کام کر جاتے ہیں۔ ہسپتال بنوا دیتے ہیں، سڑکیں تعمیر کر دیتے ہیں، غریبوں کی مدد کے کام کر جاتے ہیں تو اللہ کریم اس کا اجر انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ کافر کا چونکہ نہ اللہ پر ایمان ہے نہ آخرت پر لہٰذا وہ جو اچھا کام کرتا ہے دنیاوی فائدے کے لئے کرتا ہے۔ اس کی نیت یا تو اپنی کسی تکلیف کا مداوا کرنا ہوتی ہے یا شہرت کا حصول یا کوئی مالی فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے آخرت میں اس کی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس کی اچھائی اسے دنیا میں ہی لوٹا دی جاتی ہے۔ اگر کسی نے شہرت کے لئے کی ہو تو اس کی شہرت ہو جاتی ہے۔ کوئی دکھ تکلیف سے بچنے کے لئے کرے تو اللہ کریم اسے سہولت عطا کر دیتے ہیں۔ اللہ کریم کی شان ہے کہ وہ کافر کے اچھے کام کو بھی ضائع نہیں کرتا لیکن

کافر آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو آخرت میں اس کے اعمال کا وزن کیا ہوگا؟ کافر کے پاس صرف برائیاں ہی ہوں گی اسے تو جہنم ہی جانا ہوگا۔ وزن کا کم پڑ جانا یا بھاری ہو جانا تو مومن کے لئے ہے۔ ہمیں اس کی فکر کرنی چاہئے۔ ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے کہ ہمیں اس آزمائش سے گزرنا ہے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ کسی نے ایک تسبیح پورے خلوص سے پڑھی۔ اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ یہ سب تسبیحات ہیں۔ صحیح عقیدے سے، خلوص نیت سے کسی کے دل سے ایک تسبیح نکلی تو اس کا وزن اتنا ہوگا کہ اس کے زندگی بھر کے گناہوں سے زیادہ ہوگا۔ اس کی بخشش کے لئے یہ ایک تسبیح کافی ہوگی لیکن شرط یہی ہے کہ خلوص دل ہو۔ جن کو خلوص دل سے تسبیح نصیب ہوتی ہے ان کی زندگیاں بدل جاتی ہیں۔ اللہ کریم انہیں ضائع نہیں فرماتے۔

نبی کریم ﷺ نے اصحاب بدر کے بارے فرمایا کہ جو بدر میں شریک تھے وہ سب جنتی ہیں۔ جنت ان پر واجب ہو چکی خواہ وہ کچھ بھی کریں۔ یہ اس حدیث مبارک کا مفہوم ہے۔ شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ جن کے لئے اللہ نے جنت واجب کر دی یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن کے جنتی ہونے کی خبر دے دی انہیں اللہ کریم جنتیوں جیسے اعمال کرنے کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام کرتے ہی نہیں جو اہل جنت کے عمل کے خلاف ہو۔ یہی بات یہاں بھی منطبق ہوتی ہے کہ اگر کسی کی ایک بھی تسبیح قبول ہو جائے تو اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ اللہ کریم اسے توفیق دے دیتا ہے۔ اس کا عقیدہ، اس کا ایمان، اس کی سوچ و عمل اور کردار جنتیوں جیسا ہو جاتا ہے۔

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے۔ ہمارے کان میں پہلی آواز اذان کی آئی۔ والدین نے ہمیں نیکی بدی کی تمیز سکھائی۔ عبادات، نماز، روزہ سکھایا۔ قرآن حکیم پڑھایا۔ دنیاوی اور دینی تعلیم دی۔ یہ اللہ کریم کا کتنا بڑا احسان ہے۔ پھر ہم زندگی بھر ٹوٹی پھوٹی نمازیں پڑھتے رہے۔ روزے رکھتے رہے لیکن جب موت کا نام آتا ہے تو ہم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے حالانکہ دنیا کی زندگی تو عارضی ہے۔ آخرت مستقل گھر ہے تو بندہ کچے جھونپڑے سے ہمیشہ کے پکے گھر میں منتقل ہونے سے کیوں ڈرتا ہے؟ اسے تو خوش ہونا چاہئے۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب

آ میں تجھے مومن کی نشانی بتاؤں! جب موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھل جاتی ہے۔

اس لئے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس عارضی دنیا کی عارضی جھونپڑی کو چھوڑ کر محلات میں رہنے پر خوش ہو لیکن ہم موت سے ڈرتے ہیں۔ ہم اس لئے ڈرتے ہیں کہ ہم نے اللہ کریم اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات نہیں مانی۔ ہمارے اندر یہ ڈر ہوتا ہے کہ جو میں کرتا رہتا ہوں اس کے باعث میں شاید گھر نہ پہنچ سکوں گا۔ شاید مجھے کسی ویرانے میں نہ پھینک دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے کچھ صحابہ کرامؓ کو ایک مہم پر بھیجا۔ انہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ ایک کافر نے ایک صحابیؓ کو نیزہ مارا جوان کے سینۂ مبارک سے پار ہو گیا۔ آخری لفظ جو ان کے منہ سے نکلے وہ یہ تھے "فزت برب الکعبه" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ نیزہ مارنے والا یہ سن کر مبہوت رہ گیا کہ اسے تو میں نے مار دیا ہے تو یہ کیسے کامیاب ہو گیا؟ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ مرتے ہوئے کوئی بھی کعبہ کی جھوٹی قسم نہیں کھاتا تو یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ اس مخمصے سے نکلنے کے لئے مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ صحابہؓ نے بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کیا کہ فلاں قاتل آ رہا ہے اجازت ہو تو اسے راستے میں ہی قتل کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب وہ یہاں آ رہا ہے تو اسے آنے دو۔ وہ بارگاہ رسالت میں پہنچا اور اپنا سوال پیش کیا کہ میں نے اسے خود مارا ہے پھر وہ کیسے کامیاب ہو گیا؟ آپ ﷺ کے ارشاد کا مفہوم یہی تھا کہ مومن جیتا بھی اللہ کے لئے ہے اور جان بھی اللہ کے لئے ہی دیتا ہے۔ وہ دنیا کے عارضی گھر سے جنت کے پائیدار گھر میں چلا گیا۔ راستے میں اس کا کوئی بھی کچھ نہ بگاڑ سکا۔ یہ سن کر اس نے بھی کلمہ پڑھ لیا اور سلامتی کے راستے کا مسافر بن گیا۔ یعنی صحابیؓ کی شہادت اس مشرک کے ایمان لانے کا سبب بن گئی۔

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ بندے کی زندگی بھی دوسروں کی اصلاح کا سبب بن جائے اور اس کی موت بھی دوسروں کے لئے بھلائی کا سبب بنے۔ کسی کی اصلاح کا سبب بنے۔ **وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ** ط فرمایا: یہ تمہارا کمال نہیں ہے کہ تم زمین پر قابض ہو کہ جو چاہو کرو۔ بلکہ یہ میں ہوں۔ اللہ جس نے تمہیں زمین پر رہنے کی جگہ دی، جس نے تمہیں یہاں بسایا، اختیار و شعور دیا، نعمتیں استعمال کرنے کی استعداد دی پھر یہ توفیق دی کہ میری طرح طرح کی نعمتیں استعمال کر رہے ہو۔ سارے اسباب زندگی میں نے پیدا کئے ہیں۔ یہ میری تقسیم ہے کہ کسی کو غربت و افلاس دے دی، کسی کو امارت دے دی، غریب اپنی غربت میں آزمایا جاتا ہے کہ اس حال میں اللہ ہی کے سامنے اپنے مسائل پیش کرتا ہے یا دولت مندوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ امیر اپنی امارت میں آزمایا جاتا ہے کہ اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہے یا خود فرعون بن کر متکبر ہو کر اکڑ کر رہتا ہے۔

فرمایا: زندگی کے نشیب و فراز ہماری طرف سے ہیں کسی کو حکومت، اقتدار ملتا ہے تو ہم ہی دیتے

ہیں، کوئی غریب رہتا ہے تو ہم ہی رکھتے ہیں لیکن سب کو اپنی اپنی جگہ پر کھا جا رہا ہے۔ مصیبت ہم ہی بھیجتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارے دروازے پہ آتا ہے یا ہمیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس اپنی مصیبتوں کو حل کرانے جاتا ہے۔ خوشی ہم ہی دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہمارا شکر کرتا ہے یا اپنی دانش کے قصے بیان کرتا ہے۔

جس کے پاس چار ٹکے آ جائیں وہ خود کو بڑا عقلمند اور دانشور سمجھنے لگ جاتا ہے حالانکہ یہ تو اللہ کی تقسیم ہے۔ دانشور تو وہ ہے جس نے عظمت الٰہی کو پالیا خواہ وہ مالی طور پر مفلس ہو یا تونگر۔

ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں حاضر تھے۔ ایک بزرگ ساتھی اللہ ان کے درجات بلند فرمائے، بیٹھے تھے۔ کسی نے ہندوستان کے مشہور لیڈر کی موت کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ تو بڑا دانشور شخص تھا۔ ان بزرگ ساتھی نے فرمایا: بھائی اگر وہ دانشور ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو پہچانتا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو پہچانتا۔ جو شخص ساری عمر کافر رہا اور کفر پر مرگیا وہ دانشور کیسے ہو گیا؟

دانش اللہ کا شکر کرنے میں ہے قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۝۱۰ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم میں سے بہت کم لوگ میرا شکر ادا کرتے ہیں۔ بڑے تھوڑے لوگ ہیں جنہیں یہ احساس ہے کہ یہ ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔

اللہ کریم ہمیں اپنی پہچان عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ کے اتباع اور غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمای زندگی میں ہماری اصلاح فرمائے اور نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ نصیب فرمائے۔ نیک لوگوں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے۔

سورۃ الاعراف رکوع 2 آیات 11 تا 25

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۙ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور بے شک ہم نے تم کو پیدا فرمایا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ تھا۔ ﴿١١﴾ (اللہ نے) فرمایا جب میں نے تجھے حکم دیا تو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روکا۔ کہنے لگا میں ان سے (آدم علیہ السلام) سے افضل ہوں آپ نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ ﴿١٢﴾ فرمایا تو یہاں سے نکل (اتر) جا تجھے زیب نہیں دیتا کہ تو اس جگہ تکبر کرے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ ﴿١٣﴾ کہنے لگا کہ مجھ کو اس دن تک مہلت دیجئے جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ ﴿١٤﴾ فرمایا یقیناً تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ ﴿١٥﴾ کہنے لگا کہ مجھے آپ نے گمراہ کیا اس کے سبب (قسم کھاتا ہوں کہ) میں ان کی تاک میں آپ کی سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا۔ ﴿١٦﴾ پھر ان پر ان کے آگے سے آؤں گا اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کے پیچھے سے آؤں گا اور ان کے دائیں سے آؤں گا اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائیں گے۔ ﴿١٧﴾ ارشاد ہوا یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔ ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ ﴿١٨﴾ اے آدم (علیہ السلام)! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیں پھر جہاں سے چاہیں، کھائیں اور اس درخت کے قریب بھی مت جائیں ورنہ آپ غلط کام کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ ﴿١٩﴾ پھر شیطان نے ان کو وسوسہ ڈالا کہ ان کے ستر کی جگہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں ان پر ظاہر کر دے اور

ان سے کہنے لگا کہ آپ کو آپ کے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لئے روکا ہے کہ کہیں آپ فرشتے نہ بن جائیں یا کہیں ہمیشہ رہنے والے نہ ہوجائیں۔﴿۲۰﴾اور دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ بے شک میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔﴿۲۱﴾پس دھوکہ دیکر ان کو (خطا کی طرف) کھینچ لیا پس جب ان دونوں نے درخت (کا پھل) چکھا تو دونوں کے پردہ کا بدن ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہوگیا اور وہ بہشت (کے درختوں) کے پتے (توڑ توڑ) کر اپنے اوپر چپکانے لگے اور (تب) ان کے پروردگار نے ان کو پکار کر فرمایا کیا ہم نے آپ کو اس درخت سے روکا نہ تھا اور آپ کو بتا نہ دیا تھا بے شک شیطان آپ کا کھلا دشمن ہے۔﴿۲۲﴾ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی اور اگر آپ ہماری بخشش نہ فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو واقعی ہم بہت بڑا نقصان پانے والوں میں ہوجائیں گے۔﴿۲۳﴾فرمایا یہاں سے نیچے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک خاص وقت تک (زندگی) کا سامان ہے۔﴿۲۴﴾فرمایا اسی میں آپ کا جینا ہوگا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کے روز) نکالے جاؤ گے۔﴿۲۵﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ ارشاد ہوا تجھے سجدہ کرنے سے کسی چیز نے روکا؟ جبکہ ہم نے تمہیں حکم دیا تھا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ ارشاد ہوا۔ یہاں سے نکل جاؤ کہ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ آسمانوں میں رہ کر تکبر کرو۔ نکل جاؤ۔ تم ہمیشہ ذلیلوں میں شمار ہوگے۔ شیطان نے کہا مجھے اس وقت تک مہلت دے دیجئے جب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے مہلت دی گئی۔ شیطان نے کہا جس

طرح آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا اور میں اُن پر اُن کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے آؤں گا اور اکثر لوگوں کو آپ شکر گزار نہ پائیں گے۔ ارشاد ہوا: تُو یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر نکل جا۔ جو بھی تیری بات مانے گا میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اللہ جل شانہٗ نے آدمؑ سے فرمایا کہ آپ اور آپ کی اہلیہ جنت میں رہیں اور جو چاہیں کھائیں پئیں لیکن اس درخت کے قریب مت جائیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یہ ایک نامناسب کام ہوگا۔ شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا اس لئے کہ ان کے ستر جو ان سے پوشیدہ تھے وہ ظاہر ہو جائیں۔ اس نے کہا کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت کے کھانے سے اس لئے روکا ہے کہ اگر تم یہ کھاؤ گے تو تم فرشتوں کی طرح ہو جاؤ گے اور فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ اس نے انہیں اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم بھی دی کہ میں سچ کہہ رہا ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہوں۔ چنانچہ اس نے انہیں دھوکہ دیا۔ جب انہوں نے اس درخت کا پھل چکھا تو ان کے آلاتِ توالد وتناسل اُن پر ظاہر ہو گئے اور وہ جنت کے پتوں سے انہیں ڈھانپنے لگے۔ اللہ کریم نے انہیں فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اور تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تو دونوں نے عرض کیا: یا اللہ! ہم سے غلطی ہو گئی۔ اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو پھر ہمارا بہت زیادہ نقصان ہوگا۔ ارشاد ہوا، اب جنت سے چلے جاؤ اور ایک دوسرے کے (شیطان اور تم) دشمن ہو۔ تمہارے لئے اب زمین میں رہنا ہے ایک خاص مدت تک۔ تم زمین پر ہی زندگی گزارو گے وہیں تمہیں موت آئے گی اور پھر حشر کو زمین سے ہی نکالے جاؤ گے۔

تفسیر ومعارف

اللہ جل شانہٗ نے انسان کو متنبہ کرتے ہوئے ابلیسی رویے اور طرزِ عمل کی نشاندہی فرمائی اور انسان کو اس کے مقام ارفع پر متمکن ہونے کے لئے رہنمائی فرمائی۔ ان آیات مبارکہ میں جو واقعہ بیان ہو رہا ہے وہ یوں ہے کہ جنات کی تخلیق انسانوں سے پہلے ہوئی اور وہ پہلے سے ہی دنیا پر آباد تھے۔ ان ہی میں سے ایک جن عبادات اور مجاہدے کرتا ہوا اس مقام پر پہنچا کہ اسے فرشتوں میں رہنے کی اجازت ملی۔ فرشتوں میں بھی وہ اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز تھا۔ مولانا محمد خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے واقعات اپنی کتاب میں جمع فرمائے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ زمین پر جب جنات آباد تھے تو ان کے اکثر افراد سرکشی کرتے، قتل وغارت گری اور دیگر برائیوں میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ کریم ان کی تادیب کے لئے فرشتوں کی فوج بھیج دیا کرتے جو سرکشوں کو

سزا دیتے اور بعض کو قتل کر دیتے ۔ان پر کسی نیک شریف کو حکمران بنادیتے ۔ کچھ عرصہ امن سے گزرتا لیکن پھر سرکشی پر اتر آتے تو اسی طرح ان کا سدباب کیا جاتا ۔فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی جوفوج زمین پر آیا کرتی تھی ابلیس ان کا سربراہ ہوا کرتا تھا

زراہ تفاخر بفوج ملک

گہے برزمین بودگاہ برفلک

یعنی وہ بڑے فخر کے ساتھ فرشتوں کی فوج لئے کبھی زمین پر نظر آتا تو کبھی آسمانوں پر چلا جاتا ۔اللہ کریم انسان کو وہ وقت یاد دلاتے ہیں کہ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ اور ہم نے تم سب کو پیدا فرمایا ۔تم تھے ہی نہیں ۔ تمہارا کوئی نشان بھی نہیں تھا ۔تمہارے بارے کوئی جانتا نہیں تھا ،سوچتا بھی نہیں تھا بلکہ جب اللہ کریم نے تخلیق آدم کا ارادہ فرشتوں پر ظاہر فرمایا جیسا کہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ تو فرشتوں نے کہا زمین پر جو مخلوق (جنات) ہے وہ غارت گری کرتے اور تباہیاں پھیلاتے ہیں ۔اگر زمین پر اور مخلوق پیدا ہوگی تو وہ بھی وہی کچھ کرے گی ۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ تسبیح و تحمید کے لئے تو ہم ہی کافی ہیں ۔ارشاد ہوا: قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۳۰ (البقرہ:30) جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ۔

ان آیات میں ارشاد ہو رہا ہے کہ لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ پھر تمہاری صورت بنائی ۔انسان کو بہترین صورت پر انتہائی موزوں ،متوازن تخلیق فرمایا ۔جسمانی اعتبار سے بہترین اور روحانی استعداد میں بے مثال بنایا ۔وجود انسانی کو بہترین اعضاء و جوارح اور حواس عطا فرمائے ۔دماغ دیا ،ذہنی استعداد دی جس کے بارے آج کی انتہائی جدید سائنسی ریسرچ کہتی ہے کہ انسانی دماغ کا دس فیصد سے بھی کم استعمال ہوا ہے ۔گویا جتنی ایجادات ظہور پذیر ہوئی ہیں یہ سب صرف دس فیصد کے استعمال کا نتیجہ ہیں ۔اتنی اعلیٰ استعداد عطا فرمائی اور ظاہری وجود کو بھی ایسا متوازن بنایا کہ ہر عضو جچا تلا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہئے تھا ۔فرمایا: پھر تمہیں ایک عظمت عطا کی ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو ۔سب نے سجدہ کیا ۔گویا ساری اولاد آدم کو سجدہ ہو گیا ۔

سجدہ سے مراد:

سجدہ سے مراد ہے کسی کی برتری کو ماننا ۔اس کی عظمت کو تسلیم کر لینا ۔یہ حکم جب اللہ کریم دے رہے

ہیں تو یہ سجدہ عبادت نہیں سجدہ تعظیم ہے۔ اسے اصطلاح میں سجدہ تعظیمی کہتے ہیں کہ کسی کی عظمت کو تسلیم کر لینا۔ فرمایا: فَسَجَدُوْٓا تو تمام فرشتوں نے آدمؑ کی عظمت کو قبول کر لیا۔

فرشتہ ایک نوری مخلوق ہے۔ سراپا خیر اور سراسر نیکی ہے۔ ہمیشہ اطاعت کرنا اس کی سرشت میں ہے۔ اس کا گزارہ صرف اللہ کے ذکر پر ہے۔ اس کے کوئی موانعات نہیں۔ کوئی چیز اسے اللہ کی یاد سے روکنے والی نہیں۔ اسے نہ نیند آتی ہے نہ بھوک لگتی ہے نہ کوئی شہوانی خیال آتا ہے نہ ہی اس کے بیوی بچے، گھر بار یا مال و دولت ہے کہ جن کی محبت اسے ستائے۔ کوئی ایسی بات نہیں جو اسے ذکر الٰہی یا اطاعت الٰہی سے روک سکے۔

انسان کو اللہ نے ایک ایسی مخلوق بنایا ہے کہ اُسے ایک طرف معرفت الٰہی کو پانے کا اور اللہ کریم کے ساتھ تعلق کا وہ درجہ عطا فرمایا ہے جو سوائے انسان کے کسی کے پاس نہیں۔ حتیٰ کہ فرشتے کو بھی حاصل نہیں۔ دوسری طرف اس کے ساتھ نفس لگا دیا۔ مادی وجود لگا دیا جس کی مادی ضروریات ہیں۔ مادی رشتے ہیں، مادی چیزوں کا حسن اور ان کی لذت محسوس کرنے کی استعداد ہے۔ یہ اوصاف عطا فرما کر اللہ کریم نے اسے بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ وہ ہر مادی آسائش کی رغبت رکھتا ہے۔ انہیں دیکھ سکتا ہے ان کی لذت محسوس کر سکتا ہے۔ حاصل کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں، زمین، جائیداد ہے اور بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کا حصول اس کے لئے ضروری ہے اور ان میں اس کی راحت کا سامان ہے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے حصول میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی شرط لگا کر اسے امتحان میں ڈال دیا ہے اور یہی اس کی عظمت کا سبب ہے۔ اس کی اسی عظمت کو اللہ کریم نے فرشتوں سے تسلیم کروایا کہ یہ ان تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے میری بندگی اور میری اطاعت کرتا ہے۔ اس سبب سے یہ میری باعظمت اور بہت اعلیٰ مخلوق ہے۔

فرشتوں نے تو یہ بات تسلیم کی اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ سوائے ابلیس کے لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۱۱﴾ وہ سجدہ کرنے والے میں شامل نہ تھا۔ جب سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو ابلیس بھی گروہ ملائکہ میں شامل تھا۔ فرشتوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ بھی اس حکم میں شامل تھا لیکن اس نے سجدہ نہیں کیا۔ ارشاد باری ہوا قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُکَ ؕ جب میں نے حکم دیا تو تمہیں اس حکم کی تعمیل میں کیا چیز آڑے آئی؟

جب اللہ کریم حکم دیتے ہیں تو پھر جواز عدم جواز کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ بندے کے پاس انتخاب کا موقعہ نہیں رہتا، اسے سوائے تعمیل ارشاد کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اللہ کریم کے ارشاد کے جواب میں اس نے کہا قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ میں اس سے بہتر ہوں۔ اپنے

سے برتر کی تعظیم کی جاتی ہے اپنے سے کم تر کی تعظیم کوئی بڑا نہیں کرتا۔ اپنے برتر ہونے کی دلیل بھی اس نے خود ہی دی خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴿۱۲﴾ اے مالک! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے تخلیق کیا۔ مٹی سے آگ بہتر ہے لہٰذا میں اس سے برتر ہوں۔ یعنی مٹی پر آگ کی برتری بھی اس کی اپنی رائے تھی۔

ایک انتہائی توجہ طلب نکتہ:

یہاں ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ ابلیس اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا انکار نہیں کر رہا۔ عظمت الٰہی کا انکار نہیں کر رہا۔ کہہ رہا ہے کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو خالق مان رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کا مطلب ہے کہ مخلوق خود کو اپنے خالق کے سامنے لاشئے مانے کہ خالق کے مقابلے پر مخلوق کی حیثیت تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ خالق تو پیدا کرنے والا ہے۔ اگر وہ پیدا نہ کرتا تو مخلوق کا وجود نہ ہوتا تو کہاں خالق اور کہاں مخلوق! غور طلب بات یہ ہے کہ ابلیس اللہ کے خالق ہونے کا، مالک الملک ہونے کا انکار نہیں کر رہا بلکہ اس کے حکم کا انکار کر رہا ہے۔ اللہ کی عظمت کا زبان سے اقرار تو کر رہا ہے لیکن جو حکم اللہ نے دیا اس کا انکار کر رہا ہے۔ ہم اپنے اندر جھانکیں، اپنے ماحول کو دیکھیں تو ہم بھی یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ اللہ خالق ہے۔ اللہ مالک ہے۔ اللہ حاکم ہے۔ اسی کی حکومت ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن جب ہم عمل کرتے ہیں تو ہمارے کتنے اعمال اللہ کی عظمت کی شہادت دیتے ہیں؟ اور کتنے کام اللہ تعالیٰ کی شہادت کا سبب بنتے ہیں۔ یعنی صرف یہ کہتے رہنا کہ اللہ خالق ہے، مالک ہے، کافی نہیں۔ عملاً خود کو اطاعت کے زمرے میں لانا بھی ضروری ہے۔

ابلیسی روّیہ:

شیطانی اندازِ زندگی یہ ہے کہ کہنا کچھ اور کرنا کچھ۔ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار بھی کر رہا ہے اور اس کے حکم کا انکار بھی کر رہا ہے۔ یہ طرزِ عمل ابلیسی طرزِ عمل ہے۔

بدر میں مشرکین مکہ کو تقویت دینے کے لئے ابلیس نے اس عرب قبیلے کے سردار کا روپ دھارا جو نہایت جنگجو مشہور تھا۔ اپنے ساتھ بہت سے مسلح افراد لئے سردارانِ مشرکین سے آملا اور کہنے لگا لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ تمہارا کون کچھ بگاڑتا ہے؟ لیکن جب میدان بدر میں صف بندی ہوئی، نبی کریم ﷺ صفیں بنوا رہے تھے اور مشرکین بھی اپنی صفیں بنا رہے تھے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ انہوں نے کہا تم تو بہت بہادر ہو، تلوار کے دھنی ہو تو ہمیں یہاں کھڑا کر کے

خود بھاگ رہے ہو؟ اس نے کہااِنِّیٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا۔ مومنین کے ہاں انسانوں کی صفیں نہیں بن رہیں؟ فرشتے اتر رہے ہیں؟ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آتا۔ مزید کہنے لگااِنِّیٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ بے شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں وَاللّٰهُ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ۝۴۸ سورۃ الانفال:48 اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

کتنی عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا اقرار بھی ہے۔ اللہ کے سخت عذاب کی گواہی بھی دے رہا ہے۔ خشیئتِ الٰہی کا اعلان کررہا ہے۔ کہہ رہا ہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں لیکن یہ سب زبانی اقرار تھا کیا اس نے عملاً اللہ کی اطاعت کی؟ نہیں۔ تو پھر کہنے کا کیا اعتبار؟ اگر وہ واقعی اللہ کریم سے ڈرتا تو آدمؑ کو سجدہ کرتا۔ غلطی ہوگئی تھی تو معافی مانگتا لیکن اس نے عملاً تو راستہ کفر کا اپنایا اور دعویٰ نیکی کا کرتا رہا۔ یہ ابلیسی روّیہ ہے۔ حق یہ ہے کہ دعوے کا اعتبار نہیں عمل کا اعتبار ہے۔ ایک شخص زہر کھائے اور اعلان کرتا رہے کہ وہ مٹھائی کھا رہا ہے تو نتیجتاً زہر اثر کرے گا اور وہ مرجائے گا۔ زہر کا نام بدلنے سے وہ مرنے سے نہیں بچ سکے گا۔

انہیں تو چھوڑیں جنہیں ایمان نصیب نہیں ہے لیکن جو خود کو مومن کہتے ہیں۔ ہم لوگ جو مسلمان ہیں۔ الحمدللہ۔ ہم جو امت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونے کے مدعی ہیں۔ ہماری اپنی عملی زندگی قابل توجہ ہے۔ ہم نے چیزوں کے نام بدل کر معاشرے کو برائیوں سے سجالیا ہے۔ تہذیب اور کلچر کا نام دے کر ہم نے بے حیائی کو گلے لگا لیا ہے۔ سود کا نام بدل کر منافع اور **Mark Up** رکھ لیا ہے۔ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی اور معاشرتی اقدار کو مغرب کی تباہ شدہ تہذیب سے بدل کر خود کو مہذب کہلوانا چاہتے ہیں۔ اب یہ ہورہا ہے کہ برائی کا نام بدل دو تو وہ نیکی کہلاتی ہے۔ دین میں اپنی رائے داخل کرکے متقدمین علماء کا تمسخر اڑایا جاتا ہے۔

ٹی وی پر طلاق کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہو رہا تھا جس میں خودساختہ علماء مرد وخواتین موجود تھے۔ جن کا نہ عقیدہ درست نہ عملی زندگی اسلامی لیکن وہ ہر بات پر فتویٰ دینے کو تیار تھے۔ ٹی وی والے عموماً ایسے ہی لوگوں کو بلانا پسند کرتے ہیں جو روشن خیالی کے نام پر بے حیائی کے علمبردر ہوں اور دین کا نام لے دین کو مشکوک بنانے میں سرگرم ہوں۔ ان میں سے ایک عمر رسیدہ خاتون لیکن ننگے سر، نیم برہنہ لباس، تراشیدہ بال، میک اپ میں لتھڑی ہوئی تھیں اور فرمارہی تھیں کہ فقہ حنفی قرآن حکیم کے سراسر خلاف ہے۔

گویا جن علماء کی عمریں دین پر کاربند رہنے اور دین کی اشاعت میں گزر گئیں، جن کی تمام کاوشیں قرآن وسنت کی وضاحت کرنے میں بسر ہوئیں۔ جنہوں نے علوم نبوت کے گلستان سے خوشہ چینی کرکے تمام مسائل یکجا کر دیئے جن پر پوری امت عمل پیرا رہی۔ تاریخ اسلام کی اعلیٰ ترین شخصیات عبدالقادر جیلانی رحمۃ

اللہ علیہ اور اولیاء اللہ کی جماعت اسی فقہ پر عمل پیرا رہی۔ معاذ اللہ وہ تو قرآن حکیم کے خلاف کرتے رہے اور آج کی نام کی مسلمان اور عملاً تہذیب مغرب کی دلدادہ خواتین جن کا نہ پردہ ہے نہ انہیں حیا ہے، نہ ان کا مطالعہ ہے اور وہ فتویٰ دے رہی ہیں کہ فقہ حنفی قرآن حکیم کے خلاف فتویٰ دیتا ہے۔ تو یہ وہی ابلیسی طرز عمل ہے جیسے ابلیس نے اپنی طرف سے فیصلہ کر لیا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے۔ اسی طرح ان کے فیصلے ذاتی ہوتے ہیں۔ آگ اور مٹی اللہ کی تخلیق ہے وہی جانتا ہے کہ کس کو کس پر برتری دینا ہے۔ ویسے بھی آگ جنات کا بنیادی عنصر ہے اور مٹی آدمیت کا لیکن آگ سے علیحدہ مخلوق بنائی گئی اور مٹی سے علیحدہ مخلوق بنائی گئی۔ مٹی آدمؑ کی اصل تو ہے لیکن اس سے جو مخلوق بنائی اس میں جو صفات رکھیں، اسے جو استعداد دی، اسے جو توفیق دی وہ اور کسی مخلوق کو نہیں دیں۔ لہٰذا خالق حقیقی جسے بہتر کہیں، جس کی عظمت تسلیم کروائیں، اس کو تسلیم کرنا ہی مخلوق ہونے کا حق ادا کرنا ہے۔

اصلاح کا طریقہ:

ہم یہ کہتے پھرتے ہیں کہ میں اللہ کا نام لیوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قائل ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کو ماننے والا ہوں۔ اس کے لئے ہم جلسے اور ریلیاں منعقد کرتے ہیں۔ اچھی بات ہے لیکن کیا ہم اپنے وجود کو حضور اکرم ﷺ کی اطاعت پر کاربند رکھے ہوئے ہیں۔ جب یہ سوال سامنے آتا ہے تو پھر اس کا جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے کہ ایک اپنے ساڑھے چار ہاتھ کے وجود پر تو اسلام نافذ نہیں کرتے اور پورے ملک کو حضور ﷺ کا غلام بنانا چاہتے ہیں۔ پورے ملک کے آئین و دستور کو قرآن وسنت کے مطابق کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے وجود کی خبر نہیں۔ ہر انسان خواہ وہ طویل القامت ہو یا چھوٹے قد والا، اپنے ہاتھ کے حساب سے ساڑھے چار ہاتھ کا وجود رکھتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس پر اسلام نافذ ہے، کیا یہ حلال کھاتا ہے، کیا اس کا شعور بھی مسلمان ہے؟ کیا یہ شعوری طور پر اسلام کو حق، نیکی کو نیکی اور گناہ کو گناہ سمجھتا ہے؟

اصلاح کی بنیاد فرد کی ذات کی اصلاح پر ہے۔ اصلاح کا یہی طریقہ فطری ہے اور کارگر بھی۔ جو لوگ خود کو سیدھا نہیں کر سکتے تو وہ کیا توقع رکھتے ہیں کہ ملک وقوم کو سیدھا کر دیں گے؟ اسی رویے پر شیطان مردود ہو گیا کہ خالق بھی مانتا رہا اور حکم کا انکار بھی کرتا رہا۔ زبانی اقرار کیا اور عملاً انکار کیا۔ اس پر ارشاد ہوا قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں کسی چون و چراں کی گنجائش نہیں۔ اللہ جل شانہٗ کسی کا محتاج نہیں کہ اس سے مذاکرات کرے اور کچھ لو اور کچھ دو کی بات کرے۔ وہ حاکم مطلق ہے، باقی سب اس کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہر کمی سے پاک حتمی اور ناقابل ترمیم ہیں۔ یہ انسانی قوانین کی طرح نہیں

کہ جن میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی سقم رہ جاتا ہے اوران کمیوں کو دور کرنے کے لئے ترامیم لائی جاتی ہیں ۔ اللہ کریم کا حکم مکمل اور اٹل ہوتا ہے جو ہر صورت پورا کرنا ہوتا ہے ۔ یہاں بھی ایسا ہی حکم آیا کہ یہاں سے نکل جاؤ یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا تمہیں یہ خیال نہ رہا کہ اللہ نے تمہیں زمین سے اٹھا کر آسمانوں پر جگہ دی اور تم آسمانی مخلوق میں کھڑے ہو کر تکبر کر رہے ہو۔ تم نے میرے احسان کو یاد نہ رکھا اور بجائے ممنون احسان ہونے کے اپنی بڑائی میں مبتلا ہو گئے لہٰذا یہاں سے نکل جاؤ۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ تب سے اب تک ہر کوئی اس پر لعنت ہی کرتا ہے ۔ جو ساری عمر شیطان کی پوجا کرتے ہیں ۔ اس کی بات مانتے ہیں وہ بھی شیطان پر لعنتیں ہی بھیجتے ہیں ۔ کوئی اسے اچھا نہیں سمجھتا ۔ جنہیں اللہ نے نور ایمان دیا ہے وہ تو اسے برا سمجھتے ہی ہیں لیکن اس کے پیروکار بھی اسے ہی برا ہی کہتے ہیں ۔ اس لئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت پڑ گئی ہے ۔ وہ مردود ہو چکا ہے ۔

انسانی کمزوریاں اوران کا علاج:

یہ قصہ بیان کر کے قرآن حکیم نے انسانیت کی نبض پر ہاتھ رکھا ہے اور انسان کو اس کمزوریوں سے نہ صرف آگاہ کیا ہے بلکہ ان پر قابو پانے کا سلیقہ بھی سکھایا ہے ۔ ان آیات میں انسان کی دو کمزوریوں کا ذکر آیا ہے ۔ ایک خود دائی دوسرا تکبر ۔ اول مثال ابلیس کے طرز عمل میں موجود ہے کہ اس نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر لیا کہ وہ برتر ہے اور تکبر میں مبتلا ہو گیا ۔ اسی طرح جب بندہ نیکی اختیار کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے تو شیطان کوشش کرتا ہے کہ اس کے دل میں بھی وہ خیال پیدا کر دوں جس نے اسے تباہ کیا تھا ۔ یوں بندہ بعض اوقات مجاہدہ کرتا ہے ۔ رات بھر عبادت کرتا ہے، نوافل پڑھتا ہے، دن بھر نیکی کے کام کرتا ہے تو شیطان اسے تکبر میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ تو اب بڑا پارسا ہو گیا ہے ۔ دوسرے لوگوں کی تو اس کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ۔ وہ لوگوں سے عجیب وغریب توقعات رکھتا ہے کہ وہ اس پر اپنا مال و دولت نچھاور کریں، اس کے سامنے عاجز ہو کر رہیں، یہی وہ زعم تھا یہی وہ خیال تھا جس نے ابلیس کو تباہ کیا ۔ اس کی صدیوں کی عبادت اور اس کی طویل العمری کے سجدے رائیگاں گئے ۔

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے سے
ہزاروں برس گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

یاد رہے شیطان نے کوئی چوری نہیں کی ۔ کوئی بدکاری نہیں کی، کسی کو قتل نہیں کیا ۔ شیطان کو یہ بات مار گئی کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں ۔ یہ بات اس کے ذہن میں کیوں آئی ؟ اس کا سبب کیا تھا ؟ یہی کہ میں ہزاروں

سال سے عبادت کر رہا ہوں۔ مجھے زمین سے بلند آسمانوں پر رہائش مل گئی ہے۔ میری تخلیق آگ سے ہوئی۔ آگ کا شعلہ صاف ستھرا ہوتا ہے۔ زمین اور مٹی تو کیچڑ ہے۔ مٹی سے تخلیق کی گئی مخلوق کی میرے سامنے کیا حیثیت ہے۔ یعنی اس میں اپنی بڑائی آ گئی اور اس نے تکبر میں آ کر اپنے خالق کے حکم کا انکار کر دیا۔ زبانی زبانی کہتا رہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں لیکن کون سا ڈر ہے کہ ڈرتا بھی ہے اور حکم بھی نہیں مانتا تو یہ ڈر دوستی والا نہیں یہ تو دشمنی والا ڈر ہے جیسے دشمن سے ڈرا جاتا ہے کہ یہ نقصان پہنچائے گا تو اس ڈر سے محبتیں تو پیدا نہیں ہوتیں۔ اللہ کا ڈر تقویٰ ہے۔ جب اللہ سے ایسا رشتہ استوار ہو جائے کہ خطرہ پیدا ہو جائے کہ کوئی ایسی بات اور حرکت نہ کروں جس سے اللہ کریم ناراض ہو جائیں تو ایسا ڈرنا تقویٰ کہلاتا ہے اور یہی ڈر مقصود ہے۔

شیطان کے تکبر، نافرمانی، اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کی اہمیت اور محض زبانی اقرار کر کے عملاً انکار پر ڈٹے رہنا جیسے اعمال کے باعث اسے حکم دیا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم ہمیشہ ذلیل رہو گے۔

آج عمومی گمراہی کا دور ہے۔ لوگ برائیوں کو مختلف ناموں سے سجا کر زندگی کا حصہ بنا رہے ہیں۔ اپنے خالق و مالک، اپنے پالنے والے کو رازق بھی مانتے ہیں اور عملاً ہر قدم پر اس کی نافرمانی پر بھی قائم رہتے ہیں۔ عاجز اتنے ہیں کہ جب موت آتی ہے تو خاموشی سے چل دیتے ہیں۔ کوئی اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتا۔

ایک حکایت ہے کہ کوئی درویش اپنے علاقے سے سفر کر کے کسی دوسرے علاقے میں گیا۔ بادشاہ نے اسے پہچان کر کہا کہ آپ یہاں کیسے؟ انہوں نے جواب دیا میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ لوگوں کی اپنے رب کریم کے ساتھ صلح کرادوں۔ بادشاہ نے پوچھا تو پھر آپ کو کوئی کامیابی ہوئی؟ انہوں نے فرمایا اللہ کریم تو مانتے ہیں۔ بندے صلح پر تیار نہیں۔ کچھ عرصہ بعد بادشاہ کا گزر بستی کے قبرستان سے ہوا تو انہی درویش کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ پوچھا کہ حضرت آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس بستی میں جو بندے پڑے ہیں اُن کی اور ربِّ کریم کی صلح کرا رہا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر آپ کو کوئی کامیابی ہوئی؟ انہوں نے فرمایا اب بندے تو مانتے ہیں۔ اللہ کریم نہیں مانتے۔

موت کے بعد تو سب کو سمجھ آ جاتی ہے۔ فرشتے نظر آتے ہیں۔ جنت دوزخ سامنے ہوتی ہے۔

انسان کو اپنی ان کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی تعلیمات اور برکات کو رہتی دنیا تک کے لئے دوام بخشا ہے۔ برکات رسول اللہ ﷺ ہی وہ دوا ہیں جو انسان کی سوچ کو مثبت تبدیلی عطا کرتی ہیں۔ دل اللہ کی یاد سے آباد ہو جائے تو بندہ تعلیمات محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنانا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات کے مطابق زندگی بسر کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اس طرز حیات کے باہر قدم رکھنا اس کے لئے محال ہو جاتا ہے اور غلطی سے ایسا کر بیٹھے تو دل بے چین ہو کر اصلاح احوال پر کار بند کر دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ کریم نے دل کی صفائی کو، تزکیہ کو مقدم رکھا ہے اور تاریخ اسلام کے تمام جید علماء کی سوانح دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کسی دارالعلوم سے فارغ ہو کر وہ کسی صوفی، کسی اہل اللہ کے ہاں حاضر ہوتے، تزکیہ و تربیت حاصل کرتے، خرقۂ خلافت یا اجازت حاصل کر کے میدان عمل میں قدم رکھتے۔ برصغیر کے ہی علماء کو دیکھ لیں ستر یا سو سال پہلے کے علماء کی سوانح میں یہ بات موجود ہے۔ آج ہم اس نعمت سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ اس کے قائل تو کیا ہونا اس کے خلاف ہو چکے ہیں۔ ایسے میں برکات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہمیت بتانا اس کی تلقین کرنا مشکل تو بہت ہے لیکن کرنے کا اصل کام یہی ہے۔

برکاتِ نبوت ہی وہ قوت بہم پہنچاتی ہیں کہ بندہ حق کو نہ صرف پہچان لیتا ہے اس پر کار بند ہوتا ہے بلکہ اسے سربلند کرتا ہے۔ قرآن حکیم پڑھتے ہوئے ایک ایک آیت پر غور فرمائیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن میں کفر کے خلاف کتنی سختی سے بات کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر غضب کا اظہار فرمایا ہے۔ بتوں اور کفار کے لئے کتنی سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں۔ اس معاشرے پر غور کریں جہاں کفار کا ہی تسلط تھا۔ روئے زمین پر کافر ہی مسلط تھے۔ حکومت، حکمرانی، اقتدار و اختیار کسی قانون کا پابند نہیں تھا۔ جو بات طاقتور کہہ دیتا وہی قانون بن جاتا۔ وہاں رہ کر نبی کریم ﷺ نے دعوت حق دی۔ حق کو سربلند فرمایا۔ غور کیجئے! مکہ مکرمہ میں مکہ کے رئیس کو **تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ** کہنا کیا آسان کام تھا۔ مکہ میں رہ کر بتوں کو باطل کہنا، بت پرستوں کو دوزخ کی وعیدیں سنانا، کیا یہ آسان کام تھا؟ حق ہمیشہ مجاہدہ چاہتا ہے۔ حق پر قائم رہنے کے لئے حق کو سربلند کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی برکات چاہئیں۔ جن لوگوں کو یہ نعمت نصیب ہے وہ یہ سوچیں کہ ہم بات کریں تو لوگ پتہ نہیں کیا کہیں گے۔ لوگوں کی بات کی اہمیت نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ اللہ کریم کو کیا پسند ہے، حضور اکرم ﷺ کو کیا پسند ہے؟ اگر کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے۔ دعوت حق دینے والے کا فرض تو ادا ہو جائے گا۔

تزکیہ و تصوف کے بارے ایک مغالطہ:

بعض علماء کو اس بات میں دھوکہ لگا۔ بعض متقدمین علماء نے لکھا کہ نبوت کا اظہار واجب ہے اور

ولایت کا استتار واجب ہے۔ یعنی ولایت کا مخفی رکھنا لازم ہے۔ اس قول سے لوگوں نے یہ سمجھا کہ کسی کو ذکر اللہ کی دعوت ہی نہیں دینی چاہئے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نبوت ایک ایسا عہدہ ہے کہ نبیؑ کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ نبیؑ کو اپنی ذات کو منوانا پڑتا ہے کہ مجھے نبیؑ مانو تو پھر بات آگے چلے گی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں لیکن اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں مانتا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ نبیؑ کو ماننا ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ اُمتی کا توحید باری پر ایمان بھی تب قبول ہوتا ہے جب وہ نبیؑ کی رسالت کو مانے لہٰذا دعوت الی اللہ دینے کے لئے نبیؑ کو اپنی نبوت کا اعلان کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ نبوت کا اظہار واجب ہے۔

ولایت ایک ایسا مقام ہے جس کی سند کسی کے پاس نہیں۔ صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کسی کا مقام و مرتبہ کیا ہے اور ولایت کے لئے یہ منوانا بھی شرط نہیں کہ مجھے ولی مانو پھر آگے چلو۔ یہ صرف نبیؑ کا مقام ہے کہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ وہ نبیؑ ہیں اور وہ اس کا اعلان بھی کرتے ہیں باقی سب کی حیثیت اس طرح ہے جس طرح باقی اللہ کی مخلوق ہے۔ جیسے سورج اللہ کی تخلیق ہے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو اسے کیا پتہ کہ اس کی روشنی اور گرمی سے کون فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یہ جاننا اس کے لئے ضروری نہیں۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس کے فوائد کہاں کہاں پہنچانے ہیں۔ چاند طلوع ہوتا ہے تو اس کی کرنیں زمین پر کیا کیا انقلابات لاتی ہیں یہ جاننا چاند کے لئے ضروری نہیں۔ اسی طرح اُولیاء اللہ کے لئے بھی یہ جاننا ضروری نہیں کہ ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ برزخ میں جائیں گے تو جان لیں گے۔

یہی مراد ہے اس قول کی ''ولایت کا استتار واجب ہے'' یعنی ولی کو اپنی ولایت منوانا واجب نہیں برکات نبوت کا پہنچانا ضروری ہے۔

برکات نبوی کے حامل اولیاء اللہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم بن کر اللہ کا نام پھیلاتے اور خلوص دل سے اتباع رسالت پر کاربند رہتے ہیں۔ لوگوں کو کاربند رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اللہ کے ان مقبول بندوں کے وجود سے جو چیزیں اور فوائد اللہ کریم نے وابستہ کر دیئے ہیں وہ از خود ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں تو یقیناً ان کی مخالفت بھی ہوگی۔ لوگ اسے عجیب وغریب کہیں گے کہ اس جدید دور میں آپ اللہ کا نام لینے کی بات کرتے ہیں۔ ۔ کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ذکر الٰہی کی بات کرتے ہیں حالانکہ اصل بات یہی ہے اور یہی کرنے کا کام ہے۔ ولایت کا استتار

سے یہ مراد نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لئے کہ تزکیہ اور ذکر الٰہی دین ہے اور دین کو چھپانا جائز نہیں۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہی سوال کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کیا تصوف دین ہے یا دین سے الگ کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا کہ دین ہے تو آپ نے فرمایا کہ پھر دین کا چھپانا تو جرم ہے۔ اگر یہ دین ہے تو اسے بیان کرنا لازم ہے اور اگر یہ دین نہیں ہے تو اسے چھوڑ دینا لازم ہے۔ لہٰذا ذکر الٰہی کی ترغیب دلانا، برکات نبوت رسول اللہ ﷺ حاصل کرنا استتار کے زمرے میں نہیں آتا۔

انسانی کمزوریوں کو رفع کرنے کا یہی نسخہ ہے اسے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ لوگوں کو بتایا جائے کہ اللہ اللہ کرنے سے ایمان نصیب ہوتا ہے۔ توفیق اطاعت نصیب ہوتی ہے اور اپنی کمزوریوں پر قابو پانے کی قوت نصیب ہوتی ہے۔

علمائے حق کا وطیرہ رہا ہے کہ جب کسی نے ان سے اپنی کمزوریوں کی اصلاح چاہی تو انہوں نے اسے تلقین کی کہ اس برائی کے خلاف وعظ کیا کرو۔ کوئی تمہاری بات مانے یا نہ مانے جب تم لوگوں کو اس سے روکو گے تو اللہ تمہیں خود اس سے بچنے کی توفیق دے دے گا۔ تمہارے اندر حیا پیدا ہو جائے گی۔ تبلیغ سے، دوسروں کو ذکر کی تلقین سے اپنے اندر یہ بات آجاتی ہے کہ میں دوسروں کو کہتا ہوں تو خود کیا کر رہا ہوں! تو تبلیغ کرنے سے کسی کو فائدہ ہو یا نہ ہو ایک حق ادا ہو جاتا ہے دوسرا بندے کو توفیق عمل نصیب ہو جاتی ہے۔

برکات نبوت اسلامی انقلاب کی بنیاد:

ہر دور میں اللہ کریم نے اپنی اس نعمت کو قائم رکھا ہے۔ لوگوں کی اصلاح کا حقیقی سبب بنایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت رہتی دنیا تک کے لئے ہے اور برکات نبوت بھی رہتی دنیا تک کے لئے رہیں گی۔ ہم سب پر بھی اللہ کریم نے بہت انعام فرمایا کہ اپنے ایک بندے کی معیت نصیب فرمائی تو ہمیں اس پر نہ صرف خود قائم رہنا ہے بلکہ اس کو پھیلانا ہے۔ یہ حقیقی انقلاب ہے۔ یہ روشنی دلوں میں آئے گی، خلوص دلوں میں آئے گا تو لوگ اسلام کا دامن تھامیں گے۔ اسلام پر عمل کریں گے ورنہ وہی قصہ ابلیس دہرایا جائے گا کہ زبانی زبانی کہیں گے اللہ ایک ہے، اللہ خالق ہے، اللہ مالک ہے اور عملی زندگی میں احکام الٰہی کی مخالفت کی جاتی رہے گی۔ یہ شیطانی زندگی اور ابلیسی طریقہ ہے۔ اسلامی طریقہ یہ ہے کہ زبان سے بھی عظمت الٰہی کا اقرار ہو۔ کردار سے بھی واضح ہو کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہی فرمایا کرتے تھے کہ میں سنگریزے اکٹھے کر رہا ہوں، اللہ کی مخلوق اکٹھی کر رہا ہوں ان میں سے کچھ تو ایسے نکل آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ ایسے ہوتے تھے مسلمان! آج

رہبراانِ قوم سے عوام الناس تک سب کا حلیہ، لباس، اطوار وانداز کفار ومشرکین کے مطابق ہوگیا ہے۔ عیسائی، ہندو، مسلمان اکھٹے ہوں تو حلیے سے پتہ نہیں چلتا۔ ان میں سے مسلمان کون سا ہے، سب کا یہی حال ہے کہ حلال وحرام کے قائل نہیں رہے ان حالات میں اللہ کے بندوں کو واپس لانا مشکل تو ہے لیکن بہت بڑا کام بھی ہے۔ ایک بندے کی اصلاح ہوجائے تو آدمی کی زندگی کامیاب ہوجاتی ہے اوراس کے نتیجے میں اپنی اصلاح کی بھی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

لائحہ عمل:

عبادات کو باقاعدہ اورخلوص سے ادا کریں، اذکار میں باقاعدگی رکھیں، عقائد کوصاف ستھرا رکھیں۔ اعمال کوحضوراکرم ﷺ کی سنت کے تابع کریں۔ غلطی ہوجائے تو فوراً رجوع الی اللہ کریں۔ اللہ کریم سے معافی مانگیں۔ کوشش کریں کہ اللہ کی یہ نعمت عام ہو۔ اللہ کے بندوں کی، ذاکرین کی کثرت ہو۔ جب ذاکر کثرت سے ہوجائیں گے تو اسلامی انقلاب بھی آجائے گا۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ شیطان کو جب رد کردیا گیا تو وہ کہنے لگا، اے اللہ! مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ شیطان نے روزحشر تک کی بات کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے وقت معلوم تک کی مہلت دی۔ دراصل وہ موت کی سختی سے بچنا چاہتا تھا اس لئے اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی جس دن مردے زندہ ہوں گے اوراس کے بعدموت نہیں ہے۔ لیکن ارشاد ہوا اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ○ الحجر:38 تمہیں اس دن تک کی مہلت دی گئی جب قیامت قائم ہوگی۔ اس لئے فرماتے ہیں سب سے آخر میں جس کی موت واقع ہوگی وہ شیطان ہوگا۔ اوراسے بھی موت کی سختیوں سے گزرنا پڑے گا۔

دعا:

علماءکرام فرماتے ہیں کہ کسی کی دعا کا قبول ہوجانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ بڑا مقبول بارگاہ ہے۔ وہ بے نیاز ہے جس کی چاہے بات قبول کرلے۔ آخر شیطان مردود ہو چکا تھا۔ ذلیل وخوار کرکے آسمانوں سے نکال دیا گیا تھا اور ہمیشہ کے لئے مردود ہوچکا تھا لیکن جب اس نے گزارش کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے۔ وہ اپنی مرضی مسلط کرسکتا ہے۔ جو چاہے کرے۔ جو چاہے نہ کرے۔ دعاایک درخواست ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کامفہوم ہے کہ مومن کی دعا کبھی ضائع نہیں

جاتی۔ اللہ تعالیٰ بے حد کریم ہے۔ اسے پسند ہے کہ اس کے بندے اس سے مانگیں۔ ہر چیز مانگیں، سب کچھ مانگیں، ہر وقت مانگیں، جتنا زیادہ کوئی مانگتا ہے اتنا ہی اللہ کریم اس سے خوش ہوتا ہے۔ اس حدیث کی شرح میں علماء فرماتے ہیں کہ دعا ایک بہت بڑا اعزاز ہے کہ بندہ مشت غبار ہوکر براہ راست اللہ کریم سے بات کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ جب بندہ ساری کائنات سے کٹ کر اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں عرض پیش کرتا ہے کہ اے اللہ! میری تکلیف دور فرما۔ آسانی فرمادے۔ مجھے فلاں چیز عطا کردے تو اللہ کریم سے بات کرنا بجائے خود بہت ہی بڑی خوش نصیبی ہے۔

اللہ کریم دعا رد نہیں فرماتے البتہ دعا پوری ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ دعا فوراً پوری ہو جاتی ہے اور بندے کو وہی چیز مل جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دعا خاص وقت تک روک لی جاتی ہے اور پھر پوری ہوتی ہے جیسے موسیٰ کئی سال تک دعا کرتے رہے کہ یا اللہ فرعونیوں کے دلوں پر مہر کردے۔ انہیں ان کے مال سے محروم کردے۔ انہیں تباہ کردے اور ارشاد ہوا کہ موسیٰ آپ کی دعا قبول ہوگئی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ دعا کے قبول ہونے کے چالیس سال بعد فرعون غرق ہوا۔ موسیٰ کو جو مجاہدہ کرنا تھا وہ چالیس برس چلتا رہا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بندہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اس کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ جیسے بچہ چمکتی ہوئی چھری دیکھ کر پکڑنا چاہتا ہے تو ماں چھپالیتی ہے، چمچ پکڑا دیتی ہے اسی طرح بعض اوقات ہم جو دعائیں مانگتے ہیں ان کے انجام کے بارے ہم نہیں جانتے۔ اللہ کریم بہتر جانتے ہیں تو وہ اس خواہش کا بہتر نعم البدل دے دیتے ہیں۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر بندے کی دعا دنیا میں پوری نہ ہو تو وہ دعا اس کی آخرت کی نیکیوں میں شمار کر دی جاتی ہے۔ جب بندوں کے اعمال تولے جائیں گے وہاں ان کی وہ دعائیں جو دنیا میں پوری نہ ہوئی تھیں ان کو نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ اور انہیں وہ اجر ملے گا، وہ انعامات ملیں گے کہ آپ ﷺ کے ارشاد پاک کے مطابق بڑے بڑے مستجاب الدعوات اور ایسے بزرگ جن کی ساری دعائیں قبول ہوا کرتی تھیں تمنا کریں گے کہ اے کاش! دنیا میں ہماری کوئی دعا قبول نہ ہوئی ہوتی تو آج ہمارے نیکیوں کے پلڑے کو بھر دیتیں۔ تو دعا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

دعا کو رسم نہیں بنانا چاہیے۔ دعا کا وہی طریقہ اور انداز اختیار کرنا چاہیے جو آپ ﷺ نے سکھایا ہے۔ جن مواقع پر آپ ﷺ نے دعا فرمائی ہے انہی مواقع پر ویسے ہی دعا کرنی چاہئے۔ لیکن ہمارے ہاں دعا بھی رسم بن گئی ہے۔ جیسے نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا کی جاتی ہے۔ مسنون طریقہ بتایا جائے تو کہتے ہیں دعا

کرنا کون سا جرم ہے۔ دعا کرنا تو کوئی جرم نہیں لیکن نبی کریم ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر اپنی مرضی کرنا جرم ضرور ہے۔ جنازہ مسلمان کا سفرِ آخرت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ نماز جنازہ پڑھ کر میت کو فوراً قبر پر لے جاؤ۔ قبر میں دفن کر کے مٹی ڈال کر دعا کرو۔ اس کی نجات کے لئے، بھلائی کے لئے، اپنے ایمان کے لئے بھی۔ یہ طریقہ سنت ہے۔

اگر کوئی حضور اکرم ﷺ کا طریقہ چھوڑ کر درمیان میں دعا کرنے کھڑا ہو جائے تو یہ بڑی گستاخی ہو گی۔ دعا کا جو طریقہ سنت کے خلاف ہو وہ اس لئے گستاخی بن جاتا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ کا اتباع نہیں ہوتا جبکہ دین کے ہر کام میں اتباع نبی ﷺ ضروری ہے۔

نماز جنازہ اور قبر پر دعا کا مسنون طریقہ:

نماز جنازہ خود دعا ہے۔ اس میں کوئی رکوع وسجود نہیں اللہ کریم سے دعا کی جاتی ہے۔ اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے، حاضر و غائب کو، چھوٹوں بڑوں کو، سب کو بخش دے، اس کے بعد سنت طریقہ یہ ہے کہ فوراً میت کو اٹھایا جائے۔ قبر میں دفن کیا جائے۔ قبر پر مٹی ڈالی جائے پھر قبر کے ایک طرف کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیات پڑھیں۔ دوسری طرف کھڑے ہو کر اس کی آخری آیات پڑھیں اور اللہ کریم سے اس کی مغفرت کی دعا کریں۔ اپنے لئے بھی کریں۔

یعنی جہاں حضور اکرم ﷺ نے دعا فرمائی ہے وہاں دعا کی جانی چاہئے۔ جہاں حضور اکرم ﷺ سے مخالفت آئے گی وہ دین نہیں رہے گا۔ جو اسے ثواب سمجھے گا وہ بدعت ہو جائے گی اور بدعت خود ایک جرم ہے۔

گمراہی کا الزام اللہ کریم کے ذمے لگانا ابلیسی روّیہ ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ پچھلی آیات سے بات چل رہی تھی کہ شیطان نے عرض کی اس کی دعا قبول کر لی گئی اسے مہلت دی گئی۔ اولادِ آدمؑ اور شیطان کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ حضرت آدمؑ کی عظمت قبول کرنے کو کہا گیا تو اس نے تسلیم نہ کیا اور مقابلے میں آ گیا۔ اور کہنے لگا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کر دیا اسی طرح میں انسانوں کو سیدھے راستے سے بھٹکاؤں گا۔ میں تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ جاؤں گا۔ انہیں تیری طرف آنے سے روکوں گا۔ تیرا شکر ادا کرنے سے روکوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ میں ان کے آگے سے آؤں گا وَمِنْ خَلْفِهِمْ ان کے پیچھے سے آؤں گا وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ ان کے دائیں سے آؤں گا وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ط ان کے بائیں سے آؤں گا۔ یعنی ہر طرح سے انہیں

تیری عبادت اور تیرا شکر کرنے سے روکوں گا۔ مختلف اوہام ان کے دلوں میں ڈالوں گا اور انہیں اس حد تک گمراہ کروں گا کہ وہ ناشکرے بن جائیں۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

جس طرح شیطان نے کہا کہ اللہ نے اسے گمراہ کیا اسی طرح ہمارے ہاں بھی رواج ہو چکا ہے کہ جب کوئی ظلم کرتا ہے تو کہتے ہیں، اللہ نے کر دیا۔ حالانکہ اللہ کریم تو ظلم سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ کے حبیب ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ظلم نہ کرو۔ پھر بھی برائی کو اللہ کے ذمے لگاتے ہیں۔ یہی تو ابلیس نے کیا تھا۔ ایسا کرنا گمراہی ہے۔ اللہ کریم نے انسان کے لئے دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور اختیار دے دیا ہے کہ وہ جو راستہ اپنانا چاہتے ہیں اپنا لیں۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ الدھر: 3 جو چاہئے شکر کا راستہ اختیار کر لے اور جو چاہئے ناشکری کا رویہ اپنا لے۔ لہٰذا اگر کوئی ظلم و زیادتی کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اسے اس کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے اور عرض کرنا چاہئیے کہ یا اللہ مجھ سے ظلم ہو گیا مجھے معاف کر دے۔ آئندہ نہیں کروں گا۔ اگر وہ ظلم کر کے یہ کہے گا کہ اللہ کو ایسا ہی منظور تھا تو اس کا مطلب ہے وہ اپنی غلطی کو مان نہیں رہا۔ اپنی غلطی اللہ تعالیٰ کے ذمے لگا رہا ہے۔ یہ بات سب سے پہلے ابلیس نے کہی تھی۔

شیطان ازلی دشمن ہے:

شیطان نے کہا، اے اللہ! انسانوں میں سے اکثریت کو تو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ وہ تجھ سے راضی نہیں رہیں گے وہ تجھ کو راضی نہیں کریں گے۔ وہ میری بات مانیں گے۔ میرے پیچھے چلیں گے جو میں کہوں گا وہ وہی کام کریں گے۔ جو آپ نے حکم دیا وہ نہیں کریں گے۔

اللہ کریم یہ حقائق اس لئے بیان فرما رہے ہیں کہ انسان کو کچھ تو حیا کرنی چاہئے کہ جس ابلیس نے آدمؑ کی تعظیم کرنے سے انکار کر دیا، اللہ کریم کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور پھر یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ انسان اللہ کی بات چھوڑ کر اس کی بات مانیں گے تو انسانوں میں اتنی غیرت تو ہونی چاہئے کہ اپنے اس ازلی دشمن کی بات نہ مانیں۔

یاد رکھیں! ہر قول ہر فعل یا نیکی ہے یا برائی ہے۔ درمیان میں کوئی راستہ نہیں یا تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہے یا اس کے خلاف ہے۔ اگر غلطی سے بتقاضائے بشریت کوئی نازیبا حرکت ہو جاتی ہے تو انسانیت یہ ہے کہ بندہ اپنے جرم کا اقرار کر لے۔ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور پھر اس گناہ سے باز آجائے توبہ یہی ہے کہ پھر بار بار وہی گناہ نہ کرے تو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں۔

رہا ابلیس کا جال تو اس نے کہا میں اسے ہر طرف سے گھیروں گا۔ کہیں اولاد کا غم، کہیں پیسے کے نقصان سے ڈراؤں گا، کہیں بھوک اور افلاس سے ڈراؤں گا کہ رشوت نہیں لو گے تو پھر بھوکے مرجاؤ گے۔ چوری نہیں کرو گے تو کیا کھاؤ گے؟ اس لئے لوگوں سے چھین لو۔ نہیں چھینو گے تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہوگا۔ یوں میں انہیں ہر طرف سے گھیروں گا اور اے اللہ! آدمؑ کی اولاد کی اکثریت تیری شکر گزار نہیں ہوگی۔

اللہ کریم کو اس بات سے کیا کہ کتنے لوگ کفر کرتے ہیں اور کتنے شکر کرتے ہیں۔ اگر ساری دنیا اس کا شکر کرتی ہے تو اس کی شان میں اضافہ نہیں ہوتا اور ساری دنیا خدانخواستہ کفر میں مبتلا ہوجائے تو اس کی عظمت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ جو شکر کرتا ہے اس کا اجر وہ خود پاتا ہے جو نیکی کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے تو اپنے لئے کرتا ہے اور جو برائی کرتا ہے وہ بھی اپنے لئے کرتا ہے۔ اس برائی کا نتیجہ اسے خود ہی بھگتنا پڑے گا۔ اللہ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ فرمایا: یہاں سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور یہ بات سن لو لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ انسانوں میں سے جتنے بھی تیری بات مانیں گے، تیرے پیچھے چلیں گے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ تیرے سمیت ان سب سے میں دوزخ کو بھردوں گا۔ جو تیری بات مانیں گے ان کا انجام تیرے ساتھ ہوگا۔ دوزخ تیرا مقدر ہے تو وہاں ہمیشہ رہے گا اور تیرے پیروکار بھی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اس لئے تو اپنے داؤ لگالے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ الحجر:42 جو میرے بندے ہوں گے ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ تیرے دام میں وہی آئیں گے جو میری عظمت سے ناآشنا ہوں گے۔ جو میری اطاعت نہیں کریں گے۔

شیطان نے خود بھی اعتراف کیا تھا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ص:83 جو تیرے خالص اور پرخلوص بندے ہوں گے ان پر میرا بس نہیں چلے گا۔ باقی سب کو میں اپنے پیچھے لگالوں گا۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان:

یہ سارا قصہ سنا کر اللہ کریم نے ہمیں یہ بات جتائی ہے اور اس بات کا احساس دلایا ہے کہ جب ہم حضور اکرم ﷺ کی اطاعت چھوڑ دیتے ہیں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ کام کرتے ہیں اس کا مطلب ہے ہم شیطان کے پیچھے جارہے ہیں۔ اس کی بات مان رہے ہیں۔ چونکہ دو ہی طبقے ہیں، مومن اور کافر۔ دو ہی فوجیں

ہیں۔ حزب اللہ اور حزب الشیطان، اللہ کا لشکر اور شیطان کا لشکر۔ دنیا میں دو ہی نظریئے ہیں اور دو ہی قومیں ہیں۔

اسی دو قومی نظریئے پر ہمارا ملک بنا تھا۔ ہندو الگ قوم ہے ان کا الگ نظریہ ہے مسلمان الگ قوم ہے ان کا نظریہ الگ ہے۔ یہی دو قومی نظریئے کی بنیاد تھی۔ اسی پر ملک تقسیم ہوا۔ اسلام کے نفاذ کے لئے، حضور اکرم ﷺ کے اتباع کے لئے، اللہ کریم نے ایک آزاد ملک، ایک خطۂ زمین مسلمانوں کو عطا فرمایا۔ وہ وقت جوش و جذبے کا تھا۔ لوگوں نے بے پناہ قربانیاں دیں۔ بے شمار لوگ شہید ہوئے۔ بے شمار عزتیں برباد ہوئیں۔ گھر بار، زمین، جائیدادیں گئیں، ہجرتیں کرنا پڑیں، مفلسی کی حالت میں کٹتے، مرتے، لڑتے ہوئے بچ بچا کر کوئی یہاں پہنچا۔ لاکھوں وہیں شہید ہو گئے، لاکھوں ہی راستے میں شہید کر دیئے گئے۔ اتنا کچھ ہوا کہ آج جتنا بھی بتاتے رہیں سمجھا نہیں جاسکتا۔ ان بے پناہ قربانیوں کے صدقے اللہ کریم نے یہ خطۂ زمین عطا فرمایا۔

پون صدی ہونے کو آئی ہے یہاں سب کی بالادستی رہی سوائے اللہ کے قانون اور اس کے نظام کے۔ آج اسمبلی جو قانون بناتی ہے وہ اسلام کے منافی اور اس کے خلاف ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں ملک بدحال ہے ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ممبران اسمبلی وہ ہیں جن کی نہ دینی تعلیم ہے نہ دنیاوی۔ لیکن ان لوگوں کو کون مسند اقتدار پر لایا؟ انہیں برسر اقتدار کرنے میں طبقہ شرفاء کا ہاتھ بھی ہے۔ یہ ایک غلط روش ہے کہ شرفاء کا طبقہ یہ کہہ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں کہ الیکشن میں حصہ لینے والے سارے ہی فریبی ہیں لہٰذا وہ ووٹ استعمال ہی نہیں کرتے اور فریبی اپنے جیسے اُچکوں، اُوباشوں سے ووٹ لے کر اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ کاش! قوم کو یہ احساس ہو جائے کہ یہ ان جیسے شرفاء کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ انہیں چاہئے کہ پڑھے لکھے، نیک لوگوں کو تحریک دیں۔ انہیں کھڑا کریں، جو اقتدار میں نہیں آنا چاہتے انہیں زبردستی لایا جائے۔ قوم کے اچھے نیک لوگ انہیں ووٹ دیں تب کسی تبدیلی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ ورنہ برائی سے سمجھوتہ ہوگا اور اللہ کریم اس کا حساب لیں گے کہ ملک پر ایسے لوگ مسلط تھے تم نے اپنی کوشش کیوں نہیں کی؟

ہر بندے کو سوچنا چاہئے کہ جہاں دین کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے۔ سنت پر حرف آ رہا ہے کہیں اس کی وجہ میں تو نہیں ہوں، میری کمزوری تو نہیں ہے؟ نیک لوگ ایسا نہیں سوچ رہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ خود تو صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں انہیں کیا؟ دوسرے جو کرتے ہیں کرتے رہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اسے سمجھنا چاہئے کہ وہ انسان ہے، انسانی معاشرے کا حصہ ہے۔ جتنے لوگوں سے اس کا تعلق واسطہ ہے ان سب کی فکر کرنی چاہئے۔ سوچنا چاہئے کہ وہ اہل خانہ، رشتہ دار، ملنے جلنے والوں تک نیکی پہنچانے کا مکلف ہے۔ اگر وہ اپنی یہ ذمہ داری پوری نہیں کر رہا تو جرم کر رہا ہے۔ ہمارے ہاں اکثریت ایسے نیک لوگوں کی ہے جن کی یہی

روش ہے کہ ہم حلال کماتے ہیں، نماز روزہ کرتے ہیں۔ کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ لوگ جانیں اور ان کا کام جانے۔ اس روّیے نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ کوئی چور بدمعاش پکڑا جائے تو پورے علاقے میں ہلچل مچ جاتی ہے۔ اس کے سفارشی سرگرم عمل ہو جاتے ہیں اور اسے چھڑا لیتے ہیں اور نیک شریف پر الزام لگا کر اسے تھانے پہنچا دیتے ہیں۔ اس کی حمایت میں کوئی شریف آدمی آگے نہیں آتا۔ کیا یہ انسانی معاشرہ ہے؟

غیرت ایمانی کا تقاضا:

شیطان نے رب العالمین کے سامنے بے باکی سے کہا کہ اکثریت میری پوجا کرے گی تیری نہیں مانے گی۔ وہ تو اپنی بے باکی کو بھگتے گا لیکن اس ایک جملے پر ہم تو غیرت کریں۔ غیرت ایمانی کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ ہم کبھی شیطان کی نہ مانیں لیکن یہ تب ہو جب ہمارا اس طرف رجحان ہو۔ ہم قرآن حکیم کو پڑھیں، سمجھیں اور خلوص دل سے عمل کریں۔ اول تو ہم قرآن کو پڑھتے نہیں۔ حتیٰ کہ والد فوت ہو جائیں تو کسی کو خود قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ دو چار مولوی پکڑ کر لے آتے ہیں انہیں حلوہ کھلا کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

جب اللہ کا کلام سمجھ آئے تو زندگیاں بدل جاتی ہیں لیکن ہم نے قرآن کو ہدایت کے بجائے وظیفوں کی کتاب سمجھ لیا ہے۔ اگر کوئی قرآن کریم پڑھتا بھی ہے تو بطور وظیفہ پڑھتا ہے کہ فلاں سورت اتنی بار پڑھنے سے کاروبار میں وسعت آئے گی۔ فلاں پڑھنے سے بیماری دور ہوگی حالانکہ قرآن حکیم نصاب زندگی ہے۔ اسے پورا پڑھنا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وظائف صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں وہ پڑھا کرتے تھے۔

یاد رکھیں! صحابہ کرامؓ کے اور دوسرے لوگوں کے پڑھنے میں دو بنیادی فرق ہیں۔ اول یہ کہ وہ صحابیؓ تھے ان کی عظمت و خلوص وللّٰہیت مُسلّم ہے اپنی مثال آپ ہے۔ دنیا کے تمام اولیاء اللہ کی عظمت جمع ہو جائے تو کسی صحابیؓ کی خاک پا کے برابر نہیں ہے۔ صحابیت وہ منصب جلیلہ ہے جو قیامت تک کسی غیر صحابی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ صحابہؓ جو مخصوص سورتیں پڑھتے تھے وہ سارا قرآن کریم تسلسل سے پڑھنے کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اگر کسی سورہ کو بطور وظیفہ پڑھتے تھے تو تیس پارے بھی پڑھتے تھے۔ لہٰذا صحابہؓ کے طریقے پر پڑھیں۔ یہ نہیں کہ ساری عمر چند مخصوص سورتیں ہی پڑھتے رہیں اور باقی قرآن نہ پڑھیں۔ صحابہ کرامؓ میں بعض ایسے بھی تھے جو وتر کی آخری رکعت میں تیس پارے ختم کر کے رکوع کرتے تھے۔ ان میں حضرت عثمانؓ کا نام سرفہرست ہے۔

قرآن حکیم پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ اور یہ چونکہ اللہ کریم کا کلام ہے اس لئے اس کی محض تلاوت سے بھی دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نیکی کو جی چاہتا ہے۔ برائی سے بچنے کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ اگر قرآن کے معنی آتے ہوں اور سمجھ آرہی ہو تو قرآن حکیم پڑھنے کا لطف آجاتا ہے۔ اس پر عمل نصیب ہوجائے تو یہ قرآن کا مقصد نزول ہے۔ جو سورتیں حدیث شریف میں وارد ہیں۔ کوئی پڑھنا چاہتا ہے تو ضرور پڑھے لیکن تیس پارے پڑھنے کے ساتھ سورتیں پڑھے۔ یہ نہ کرے کہ صرف چند سورتوں کو وظیفہ بنالیا اور باقی سارا قرآن چھوڑ دیا۔ قرآن حکیم لائحہ عمل ہے اور میدان حشر میں اس کے بارے پوچھا جائے گا۔

ہم قبر پر جا کر قرآن حکیم پڑھنا باعث برکت سمجھتے ہیں اور یہ باعث برکت ہے لیکن اس کے لئے جو ایمان پر دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ اگر کوئی دنیا سے عقیدہ ضائع کر کے جائے تو اس کے لئے قرآن پڑھنے کا الٹا اثر ہوتا ہے۔

حیاۃ الحیوان ایک مشہور کتاب ہے۔ الف سے یے تک حروف تہجی کے مطابق تمام حیوانات ان کی زندگی، خصوصیات، فوائد و نقصانات لکھے ہوئے ہیں۔ کافی مسبوط کتاب ہے۔ صاحب کتاب بات کرتے کرتے دور نکل جاتے ہیں۔ احادیث بیان کرتے ہیں، واقعات بیان کرتے ہیں۔ وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص فوت ہوگیا۔ اس کا دوست جو نیک آدمی تھا وہ روزانہ قرآن حکیم لے کر اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ جاتا اور کچھ نہ کچھ تلاوت کر کے آجاتا تاکہ اسے فائدہ ہو۔ ایک دن وہ مرنے والا اس دوست کے خواب میں آیا اور اسے کہنے لگا کہ خدا کے لئے تم میری قبر پر نہ آیا کرو۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ مرنے والے نے کہا تم جتنی آیات کی تلاوت میری قبر پر کرتے ہو اتنی ہی زیادہ مجھے سزا ملتی ہے کہ کیا تم نے یہ آیات دنیا میں نہیں سنی تھیں۔ ایک ایک آیت پر مجھے مار پڑتی ہے کہ زندگی میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟

برزخ ایک الگ عالم ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو بخشوالیں گے لیکن اپنی فکر نہیں کرتے۔ کیا ہم اپنی ذات سے بری الذمہ ہو چکے ہیں؟ جب ہم قرآن پر خود عمل نہیں کرتے، سنت پر عمل نہیں کرتے، خود نیکی نہیں کرتے تو پھر کسی اور کی سفارش کس منہ سے کرتے ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاتا ہے اس کا معاملہ اللہ کریم کے ساتھ ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کتنا رحم کرتا ہے، کتنا کرم کرتا ہے، کتنے گناہ بخشتا ہے، ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں، فیصلہ نہیں کر سکتے۔ دعا بھی وہی کرے جو پہلے اپنا دامن صاف کرے۔ اگر خود نافرمانی پر کمربستہ ہے تو چور، دوسرے چور کی سفارش کیا کرے گا، خود بھی پکڑا جائے گا۔ لہٰذا

اسلام اپنائیں، رسومات نہ اپنائیں۔ اسلام حقیقت ہے رسم اور رواج نہیں۔

اللہ کریم نے ابلیس کا واقعہ ہمیں اس لئے سنایا ہے کہ انسان اتنی غیرت تو کریں کہ ابلیس کے اس چیلنج کو جھوٹا ثابت کر دیں کہ ہم تیری بات نہیں مانیں گے۔ ہم اپنے اللہ کریم کی بات مانیں گے، اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کی بات مانیں گے۔ اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ آدمؑ اور اماں حواؑ کو حکم ہوا کہ آپ اس جنت میں رہیں۔ یاد رہے وہ جنت جس میں آدمؑ اور زوجہ محترمہ رہے وہ جنت برزخ میں ہے۔ اور یہ وہ جنت نہیں ہے جس میں لوگ آخرت کے بعد داخل ہوں گے۔ جس جنت و دوزخ کا تذکرہ آخرت کے ساتھ آیا ہے وہ علیحدہ ہے۔ یعنی جنتیں بھی دو ہیں اور جہنم بھی دو ہیں۔ ایک جنت و دوزخ برزخ میں بھی ہے جیسے فرعون اور اس کے متبعین غرق ہوئے جن کے بارے ارشاد باری ہے اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا نوح:25 کہ سمندر میں غرق ہوئے پھر آگ میں داخل ہو گئے۔ دوزخ میں داخل ہو گئے اور انہیں آخرت میں جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ وہ ہمیشہ رہیں گے۔ برزخ میں جو ثواب و عذاب ہے اس کی اپنی ایک علیحدہ حیثیت ہے لیکن اسے بھی جنت کہا جاتا ہے، دوزخ کہا جاتا ہے لیکن وہ دائمی ہیں۔ چونکہ جو جنت و دوزخ حقیقی ہیں اور ہمیشہ رہنے والی ہیں ان میں سے داخلہ قیامت کے بعد ہوگا۔ بہر حال قصہ آدمؑ یہ ہے کہ انہیں جنت میں رہنے کی اجازت دی گئی اور فرمایا فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا جو چاہیں کھائیں، جنت کی بے شمار نعمتیں ہیں، سب استعمال کریں وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ لیکن اس درخت کے قریب مت جایئے گا۔ چونکہ قرآن کریم میں لفظ شجرہ استعمال ہوا ہے۔ شجر درخت کو ہی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے جو لکھا ہے کہ وہ گندم کا دانہ تھا تو یہ لفظ شجرہ کے خلاف ہے کہ گندم درخت پر نہیں اُگتی۔ اس کی فصل ہوتی ہے۔ باقی واللہ عالم۔ قرآن حکیم نے اتنا ہی بتایا ہے کہ اگر آپ اس درخت سے کھائیں گے تو آپ غلط کام کرنے والوں میں شمار ہو جائیں گے۔ شیطان اپنی کوشش میں لگا رہا جب انہوں نے اس درخت سے کھا لیا تو ان کے پوشیدہ ستر ظاہر ہو گئے۔ آج تک شیطان یہ کوشش کر رہا ہے کہ انسانوں کو بے لباس کیا جائے۔

بے لباسی بے حیائی ہے:

حیا انسان کی فطرت میں ہے۔ بے لباسی بہت بڑی بے حیائی ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسانوں کو بے حیائی کی طرف لے جائے۔ حیا اتنی پسندیدہ صفت ہے کہ جانوروں، پرندوں کا اگرچہ کوئی لباس نہیں ہوتا

لیکن اللہ کریم نے ان کا جسم ایسا بنایا ہے کہ ان کے پوشیدہ اعضاء ان کی جسم کی بناوٹ میں ایک حد تک پوشیدہ رہتے ہیں۔انسان کے پوشیدہ اعضاء لباس کے بغیر برہنہ ہوتے ہیں اس لئے اللہ کریم نے ان کا ڈھانپنا فرض قرار دے دیا ہے۔اگر کوئی اپنے ان اعضاء کو ظاہر کر دیتا ہے جیسا کہ آج کا معاشرہ برہنگی کی طرف جا رہا ہے تو یہ بے حیائی ہے جو انسان کو حیوان کی سطح پر لے آتی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ جو بے لباسی سے شرمندہ نہیں ہوتا اسے پھر کسی گناہ سے بھی شرم نہیں آتی۔وہ ہر گناہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔آج معاشرے میں خرابیوں کی وجہ یہی ہے۔اس برہنگی کے طوفان کو اب روشن خیالی کا نام دے دیا گیا ہے۔روشن خیال عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کی بناوٹ اور نشیب وفراز ظاہر ہوتے ہیں۔یہ بے لباس ہونے کے برابر ہے۔جب انسان برہنہ ہو جائے تو اسے شرم نہیں آتی۔نہ اللہ کے فرشتوں سے نہ انسانوں سے حیاء آتی ہے اور جب کوئی اس بے حیائی کو پہنچ جائے تو پھر وہ شیطان کے لئے ایک تر نوالہ بن جاتا ہے۔ایسے شخص سے وہ ہر برائی کروا سکتا ہے۔شیطان جس کو گھیرے میں لینا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے بے حیائی کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے **اِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ** اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ جب تو حیا کو کھو دے تو جو مرضی میں آئے کر۔فارسی میں اس کا ترجمہ ہے: **بے حیاء باش چہ خواہی کن**۔بے حیاء بن جا اور شرم چھوڑ دے پھر جو مرضی کرتا رہ۔

اسی لئے حیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے مانع ہے اور جو بے حیا ہو جائے اسے پھر کسی چیز کا احساس نہیں رہتا۔دیکھا جا سکتا ہے کہ جہاں تک شیطان کا بس چلتا ہے، انسانوں کو بے حیائی کی طرف مائل کر رہا ہے۔بے لباسی پر لا رہا ہے۔بے حیائی تو فعل حرام ہے لیکن بے حیائی کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ان کے ہمراہ ان کے بڑے فاضل شاگرد تھے۔اس زمانے میں اکابر علماء جب فارغ التحصیل ہوتے تو آئمہ کرام کی خدمت میں رہ کر علم کی تکمیل کرواتے تھے۔وہ فاضل حضرات امام صاحب سے چند قدم آگے چل رہے تھے۔وہاں پانی کا جوہڑ تھا جہاں کچھ عورتیں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھیں جن کا ستر پورا نہ تھا اور کچھ برہنہ نہا رہی تھیں۔وہ حضرات جہاں تھے وہاں سے پیچھے جا کر رک گئے۔امام صاحب جب وہاں پہنچے تو رکنے کی وجہ پوچھی۔انہوں نے صورت حال بیان کر دی۔امام صاحب نے فرمایا آپ لوگ نظریں نیچی کر کے گزر جائیں اس لئے کہ **لا حرمة لهما** ان کی شرعی حرمت نہیں ہے۔جو عورت اپنا پردہ نہیں رکھتی اس کی شرعی حرمت نہیں۔جس طرح جانور پھرتے رہتے ہیں اسی طرح جو انسان حیا چھوڑ دے اور بے لباس ہو جائے تو وہ ان جانوروں میں شمار ہوتا ہے۔چونکہ بے

حیائی حرام ہے لہٰذا اسے دیکھنا بھی حرام ہے۔ بے حیائی دیکھنے سے بھی آدمی میں بے حیائی کا اثر پیدا ہوتا ہے۔ شروع شروع میں بے حیائی دیکھتا ہے پھر بے حیائی کرنے لگ جاتا ہے۔

حضرت آدمؑ کے قیام جنت کی حکمت:

چونکہ آدمؑ نے تو زمین پر آنا تھا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۝ البقرہ:30 آدمؑ کی تخلیق سے پہلے اللہ کریم نے جب اپنا ارادہ فرشتوں پر ظاہر فرمایا تو یہی فرمایا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنا رہا ہوں۔ پھر بنانے کے بعد انہیں جنت میں رہنے کا حکم فرمایا۔ اس قیام سے بے شمار حکمتیں وابستہ ہوں گی لیکن ایک حکمت یہ بھی تھی کہ شیطان کی انسان کے ساتھ جو دشمنی ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ تاکہ آدمؑ کو اس کی انسان دشمنی کا تجربہ ہو جائے۔ ان کی تربیت ہو جائے۔ چنانچہ شیطان نے انہیں کہنا شروع کیا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ انہیں وسوسے القاء کرنے لگا۔ وہ جنت اگرچہ برزخی تھی پھر بھی وہ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا باہر سے وسوسہ اندازی کرتا رہا۔ اس کا مقصد یہ تھا لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ کر دے۔ شیطان چونکہ پہلے سے آسمانوں میں رہتا تھا وہ جانتا تھا کہ اس درخت کا جو پھل کھائے گا اس کا ستر کھل جائے گا اس لئے اس نے ممنوعہ درخت سے کھانے کے لئے وسوسے ڈالے تاکہ وہ کھائیں اور ان کے پوشیدہ اعضاء ظاہر ہو جائیں۔ اس نے حضرت آدمؑ سے عرض کی کہ آپ کے ربّ نے اس درخت کا پھل کھانے سے آپ کو اس لئے روکا ہے کہ یہ پھل کھانے سے آپ بھی فرشتوں کی طرح ہو جائیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور زمین تو بڑی پر مشقت جگہ ہے آپ وہاں جانے سے بچ جائیں گے وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝۲۰ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ میں تو آپ کی بھلائی کی بات کر رہا ہوں وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۲۱ حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ کے قلوب اتنے روشن تھے کہ انہیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ کوئی جھوٹ پر بھی اللہ کی قسم کھا سکتا ہے لیکن شیطان تو مردود ہو چکا تھا اس نے جھوٹ پر اللہ کی قسمیں کھائیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جھوٹ پر قسم کھانا بڑی دیدہ دلیری اور شیطانی کام ہے۔ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ یوں وہ ان کو دھوکہ دے کر زمین پر لانے کا سبب بن گیا۔

اس سارے واقعہ میں آدمؑ کی معصومیت اور شیطان کا فریب، اس کی برائی اور جھوٹ پر قسمیں کھانے کا واقعہ بیان فرما کر قرآن حکیم کا مقصود یہ ہے کہ لوگ شیطان کے حربوں سے واقف ہو جائیں اور اس

کی بات نہ مانیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات مانیں۔

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا پھر جب انہوں نے وہ پھل کھا لیا تو دونوں کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ جنت کے بڑے بڑے پتے لے کر انہوں نے اپنے ستر ڈھانپے۔ یعنی فطری طور پر انسان میں یہ بات ہے کہ وہ باپردہ رہنا چاہتا ہے اسی لئے آدمؑ نے فوراً لپک کر جنت کے کسی درخت کے بڑے بڑے پتے توڑے اور اپنے ستر کو چھپایا۔ تب اللہ کریم نے انہیں فرمایا: وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ کیا ہم نے آپ کو اس درخت کے کھانے سے روکا نہیں تھا؟ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ اور یہ بات آپ کو بتائی نہ تھی کہ شیطان آپ کا کھلا دشمن ہے۔ اس کی بات نہ سنیے گا۔ یہ ہمیشہ برائی کی، گناہ کی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بات کرے گا۔ تو آدمؑ اور اماں حوا دونوں نے کہا قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا اے ہمارے رب ہم نے اپنے آپ پر بڑی زیادتی کر دی وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ آپ ہماری بخشش نہ فرمائیں گے، ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

دو فلسفے:

یہاں دونوں فلسفے سامنے آ گئے کہ جب شیطان اپنے نفس کی سرکشی سے مردود ہوا تو اس نے کہا ''جس طرح تو نے مجھے گمراہ کر دیا'' یعنی اس نے اپنی گمراہی کا الزام ذات باری کی طرف منسوب کیا لیکن جب آدمؑ سے غلطی ہوئی تو آپؑ نے عرض کی یا اللہ! ہم سے غلطی ہوگئی۔ آپ نے تو ہمیں روکا تھا ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن ہم غلطی کر گئے۔ اب اگر آپؐ ہمیں معاف نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں کریں گے تو پھر ہمارا بہت نقصان ہو جائے گا۔ حضرت آدمؑ کا رویہ پسندیدہ ہے اور گناہ کر کے یہ کہنا کہ تقدیر میں اللہ نے ایسا ہی لکھا تھا یہ ابلیسی رویہ ہے۔ شیطان جب گمراہ ہوا تو اس کا سبب بھی اس کا اپنا کردار تھا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اس کے دل میں پہلے سے اپنی بڑائی موجود تھی۔ وہ دل میں اپنی بڑائی رکھ کر عبادات کرتا رہا۔ فرشتوں کے ساتھ رہتا رہا۔ ترقی کرتا رہا۔ جب وہ برائی ظاہر ہوئی تو اس پر اسے سزا دی گئی۔ یہی قانون فطرت ہے۔ دنیاوی قانون میں بھی یہی ہوتا ہے۔ کسی کے دل میں چوری کا ارادہ ہو تو اسے چوری کی سزا کوئی نہیں دیتا لیکن جب وہ چوری کرتا ہے تو پھر سزا پاتا ہے۔ اللہ کریم تو پہلے سے جانتے تھے کہ اس کے دل میں اپنی بڑائی موجود ہے لیکن جب تک اس نے تکبر کا اظہار نہیں کیا تب تک اللہ کریم نے اس کا پردہ رکھا جب اس

نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تب ایک دم اس کے سارے درجات سلب ہو گئے اور وہ مردود ہو کر آسمانوں سے نکل گیا۔ اسے نکال دیا گیا۔

سلوک کا ایک مسئلہ:

تصوف و سلوک میں داخل ہو کر پھر چھوڑ جانے والوں کے روّیے کی شیطان سے مماثلت ہے۔ بعض اوقات ساتھی بھی یہ سوال پوچھتے ہیں کہ بعض لوگ مشائخ کے ساتھ دس پندرہ سال لگانے کے بعد سلسلہ چھوڑ کیوں جاتے رہے؟ تفسیر مظہری اور دیگر تفاسیر میں بھی مفسرین فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے اندر کوئی نہ کوئی خبث باطنی ہوتا ہے۔ جب وہ کسی عظیم شیخ کے ساتھ ہوتے ہیں تو انہیں مراقبات، مشاہدات ہوتے رہتے ہیں۔ جب کسی موقع پر ان کے خبثِ باطن کا اظہار ہوتا ہے اور کسی موقع پر شیخ کی نافرمانی کرتے ہیں یا احباب میں تفریق ڈالتے ہیں تو ایک دم وہ سب کچھ سلب ہو جاتا ہے اور وہ مردود ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جیسے شیطان عبادت کرتا رہا اس کی ترقی ہوتی رہی لیکن اس کے دل میں خباثت تھی۔ آدمؑ کی تخلیق کے بعد اس کا خبثِ باطن ظاہر ہو گیا۔ اس کی ساری عبادت رائیگاں گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے مردود قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح لوگ عظیم مشائخ کے ساتھ مل کر عبادات کرتے ہیں۔ انہیں مراقبات ہو جاتے ہیں لیکن جب کسی کے دل میں دنیا کی طلب آجاتی ہے تو وہ یہ جانتا ہے کہ لوگ اسے نذرانے دیں اس کے ہاتھ پاؤں چومیں۔ جب یہ ظاہر ہو جاتا ہے تو وہ بندہ ازخود سلسلے سے نکل جاتا ہے۔ من جانب اللہ رد کر دیا جاتا ہے اور رد شدہ لوگوں کو عموماً توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ جس طرح شیطان کو توبہ کی توفیق نہیں ملے گی اسی طرح ضائع ہونے والے لوگوں سے بھی توفیق توبہ سلب ہو جاتی ہے۔

جب حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ نے توبہ کی تو اللہ کریم نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور فرمایا قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ جنت میں رہ کر تمہیں تجربہ ہو گیا ہے۔ سمجھ آگئی ہے کہ شیطان کس حد تک جا سکتا ہے اور تمہاری تو تخلیق ہی زمین کے لئے ہوئی تھی اس لئے اب یہاں سے زمین پر تشریف لے جاؤ۔ شیطان کی اور تمہاری عداوت رہے گی اور یہ یاد رکھنا کہ وہ تمہارا دشمن ہے۔

یہاں ذکر تو آدمؑ کا ہے لیکن نصیحت ساری اولاد آدم کو فرمائی جارہی ہے کہ جب تک آدمؑ کی اولاد دنیا میں رہے گی شیطان سب سے دشمنی کرتا رہے گا۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ یہ تمہارے رہنے کی جگہ ہے۔ اس میں ایک

مہلت تک تم فائدہ حاصل کر سکتے ہو۔ زمین میں رہنے، بسنے کے تمام سامان موجود ہیں لہٰذا ہر انسان مقررہ وقت تک یعنی اپنی موت تک شرعی حدود کے اندر رہ کر ان نعمتوں سے استفادہ کر سکتا ہے قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴿٢٥﴾ زمین پر دنیاوی زندگی گزارنے کے بعد ساری اولادِ آدم مرنے کے بعد اسی زمین میں پیوند خاک ہوگی اور روزِ حشر کو اسی زمین سے سب کو اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔

واقعہ آدمؑ سے سبق:

اس سارے واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیطان بہر حال انسان کا دشمن ہے۔ شیطان بھی زمین پر رہے گا اور آدمؑ کی اولاد بھی زمین پر بسے گی لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سمجھنا چاہئے کہ شیطان تو دشمنی کرتا ہی ہے لیکن انسان اس کے ساتھ کیا دشمنی کرتا ہے؟ جو انسان شیطان کے کام میں رکاوٹ ڈالے اس کی نہ چلنے دے تو یہ شیطان کی دشمنی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بارے فرمایا کہ جہاں سے عمرؓ گزرتے ہیں وہاں شیطان راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ، شیطان کے اتنے طاقتور دشمن تھے کہ وہ اس راستے سے ہٹ جاتا تھا جہاں سے وہ گزرتے تھے۔ جب انسان اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تب وہ شیطان کی دشمنی کرتا ہے۔ شیطان سے حقیقی دشمنی یہ ہے کہ دینی تعلیم، درست عقیدے اور عمل کو پھیلایا جائے۔ جب کوئی دوسروں کو دعوت دیتا ہے تو شیطان سمجھتا ہے کہ یہ شخص اس کے لئے مصیبت کھڑی کر رہا ہے۔ جن لوگوں سے میں نے پوجا کروانی تھی یہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہے لہٰذا جو داعی الی اللہ ہوتے ہیں حقیقتاً شیطان کے وہی دشمن ہوتے ہیں جو دوسروں کو دعوت نہیں دیتے لیکن خود دین پر کاربند ہیں وہ بھی ایک حد تک شیطان دشمنی کر رہے ہیں۔ لیکن جنہوں نے شیطان کے آگے ہتھیار ڈال دیئے شیطان انہیں بھی اپنا دوست نہیں بناتا۔ ان کا بھی دشمن ہے۔ چونکہ کافر بھی آدمؑ کی اولاد ہیں اس لئے وہ کافروں کا بھی دشمن ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک دفعہ ایک ہندو جوگی آیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا تمہارا کیا کمال ہے؟ اس نے کہا جب میں توجہ مرکوز کر لیتا ہوں تو ایک شکل ظاہر ہو جاتی ہے۔ ہیولہ سا نظر آتا ہے میں اسے جہاں کہتا ہوں وہ مجھے وہاں لے جاتا ہے خواہ سینکڑوں میل کا فاصلہ ہو۔ آن واحد میں جسمانی طور پر میں وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا جب وہ ہیولہ سا نظر آتا ہے تو کیا تمہیں اس سے انس پیدا ہوتا ہے یا ڈر لگتا ہے؟ اس نے کہا ڈر لگتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا

مطلب ہے وہ شیطان ہے۔ شیطان چونکہ انسان کا ازلی دشمن ہے اور دشمن سے کبھی انس پیدا نہیں ہوتا اگر وہ شکل اللہ کی طرف سے ہوتی تو فرشتہ ہوتا اور تمہیں اس سے انس پیدا ہوتا۔ یہی تمہاری گمراہی کی دلیل ہے کہ وہ شکل شیطانی ہے۔

محض ارتکاز توجہ کے لئے بھوکا رہنا، جاگتے رہنا تا کہ گناہ اور گمراہی کے کام میں شیطان سے مدد لی جائے یہ بے دین لوگوں کا شیوہ ہے۔ شیطان بھی ان کی ہر ممکن مدد کرتا ہے۔ جادو کرنے والوں کا شیطان سے بہت قریبی تعلق ہوتا ہے۔ وہ ان عاملوں کو عملیات القاء کرتا ہے جن میں کفریہ کلمات ہوتے ہیں۔ نہایت غلیظ کام کرتے ہیں اور سخت گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شیطان اس میں ان کی مدد کرتا ہے تا کہ جس پر جادو کیا جا رہا ہے اس کا کچھ نہ کچھ نقصان ہو جائے لیکن جس کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے وہ اگر اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرنے والا ہو، اللہ کی عبادت کرنے والا ہو، حلال کھانے والا، پاک رہنے والا، نماز پڑھنے والا ہو تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ اس لئے کہ اللہ کریم نے فرما دیا ہے کہ جو میرے بندے ہوں گے اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ بنی اسرائیل: 65 ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا لیکن آج کی مصیبت یہ ہے کہ ہمارا معاشی نظام ایسا ہے کہ ہمارے کھانے میں سود شامل ہے۔ جو شخص خود حرام نہیں کماتا اس نظام کے باعث اس کے مال میں سود شامل ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی سود کھائے گا تو اسے حفاظت الٰہیہ کیسے حاصل ہوگی؟ حرام مال سے اس پر شیطانی اثرات آئیں گے۔ جو جھوٹ بولے گا، چوری کرے گا، اللہ کی عبادت نہیں کرے گا، اللہ پر یقین نہیں کرے گا، اللہ کے علاوہ اور ہستیوں کو پکارتا رہے گا تو اللہ کریم سے بیگانہ ہو جائے گا۔ اس لئے اس پر جادو کا اثر فوری ہوگا۔

جادو سے بچاؤ کا سادہ سا نسخہ:

یہ ہے کہ اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ یہ اللہ کریم کی اطاعت کرنے سے آتا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر شیطان کا فسوں نہیں چلتا لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی جادوگروں اور جادو سے ڈرتا ہے تو اس کا اللہ کریم سے تعلق کمزور ہے۔ علاج ایک ہی ہے۔ حلال کھائیں، اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کی اطاعت کریں اللہ پر بھروسہ نصیب ہو جائے گا۔

سورۃ الاعراف رکوع 3 آیات 26 تا 31

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

اے اولاد آدم! یقیناً ہم نے تم پر لباس اتارا (پہننے کی چیزیں عطا کیں) جو تمہارا ستر ڈھانکے اور تمہیں زینت دے اور جو پرہیز گاری کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ ﴿۲۶﴾ اے اولاد آدم (علیہ السلام)! کہیں شیطان تم کو بہکا نہ دے کہ جس طرح تمہارے ماں باپ کو

بہشت سے نکلوا دیا (اور) ان کا لباس ان سے اُتروا دیا تا کہ ان کا ستر اُن پر کھل جائے یقیناً وہ اور اس کا کنبہ تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہو یقیناً ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۲۷﴾ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے فرما دیجئے کہ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں فرماتے کیا تم اللہ کے ذمہ ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ ﴿۲۸﴾ فرما دیجئے میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا (قبلہ کی طرف) کرو اور خاص اسی کو پکارو (اسی کی عبادت کرو) فرماں بردار ہو کر جیسے تم کو پہلے پیدا فرمایا تھا (پھر) ویسے لوٹائے جاؤ گے۔ ﴿۲۹﴾ بعض لوگوں کو تو اللہ نے ہدایت دی ہے اور بعض پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے بے شک ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ (حق) پر ہیں۔ ﴿۳۰﴾ اے اولادِ آدم (علیہ السلام)! ہر نماز کے وقت اچھا لباس پہنا کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو بے شک وہ (اللہ) بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ ﴿۳۱﴾

خلاصۂ رکوع

اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا، تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری پردہ داری بھی کرتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے اور اصل لباس جو سب سے بڑھ کر ہے وہ تقویٰ ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے آباء کو، دادا، دادی کو جنت سے باہر نکلوا دیا تھا اور ان سے ان کا لباس بھی اتروا دیا اور ان

کے بدن کے پوشیدہ حصے ظاہر کرا دیئے۔ یقیناً شیطان اور اس کا لشکر تمہیں ایسے طور پر دیکھ رہا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے اور شیطان کو رسائی میں اس پر دیتا ہوں جس کا میرے ساتھ ایمان نہیں ہے جو کفر کرتا ہے۔ جب کوئی برائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو یہ کام کرتے پایا ہے اور اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے۔ فرما دیجئے یقیناً اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتے اور تم اللہ تعالیٰ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ فرما دیجئے اللہ نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے رخ کو ہر صلوٰۃ کے وقت بالکل سیدھا کرو، قبلہ کی طرف، اللہ کی طرف۔ اور اسے خلوص کے ساتھ پکارو۔ خاص اسی کی عبادت کرو اس لئے کہ جس طرح تمہیں پہلے پیدا کیا گیا ہے موت کے بعد تمہیں دوبارہ اسی طرح لوٹایا جائے گا۔ لیکن جماعتیں دو ہو جاتی ہیں ایک وہ جو ہدایت پر ہے اور دوسری وہ جس کے لئے گمراہی لکھی گئی ہے۔ وہ اس لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنایا اور پھر یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اے اولاد آدم تم مسجد میں حاضری کے وقت یا عبادت کے وقت اچھا لباس پہنا کرو۔ اچھا کھاؤ، پیئو لیکن حد سے مت نکلو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

تفسیر ومعارف

اللہ کریم نے جو نظام کائنات ترتیب دیا اس میں اعلیٰ ترین مخلوق پیدا کی۔ اسے اشرف المخلوقات بنایا جیسا کہ ارشاد باری ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ التین : 4 انسان کو بہترین اندازے پر پیدا کیا گیا ہے۔ انسانی جسم ہو، اعضاو جوارح ہوں، سوچ وفکر کے زاویے ہوں یا دماغی صلاحیتیں اور ذہنی کاوشیں ہر چیز نہایت موزوں، نہایت اعلیٰ اور متوازن بنائی گئی ہے لیکن سب سے بڑی خوبی جو انسان میں رکھی گئی جس نے اسے شرف بخشا وہ ہے معرفتِ الٰہی کی استعداد۔ یہ سوائے انسان کے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اسی لئے انسانوں کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کو نبوت بھی نہیں دی گئی۔ نبوت اللہ کریم کا وہ انعام ہے جو معرفت الٰہی اور اللہ کی ذات کو پہچاننے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبیؑ جب مبعوث ہوتے ہیں تو وہ پیغام لاتے ہیں جو اللہ کریم کی ذات وصفات سے آشنائی دیتا ہے۔ یاد رکھیں نبیؑ اور غیر نبی کی تعلیمات میں ایک بہت بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ غیر نبی کی تعلیمات کا اثر دماغ تک ہوتا ہے اور نبیؑ جو تعلیمات عطا فرماتے ہیں اس میں کیفیات ہوتی ہیں جو قلب میں وہ بات پیدا کر دیتی ہیں کہ نبیؑ جب کہتا ہے کہ اللہ ایک ہے تو بندہ دل سے

محسوس کرتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے یعنی انبیاءؑ جو حقائق ارشاد فرماتے ہیں ان کے ساتھ ان کی کیفیات بھی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا نظام ہی ایسا ہے کہ جب انسان کو اتنی بڑی نعمت دی گئی تو اتنا ہی بڑا اس پر امتحان بھی آیا کہ اس کے اردگرد ایک خوبصورت جہاں سجا دیا۔ اس میں بے شمار لذتیں رکھ دیں جو اتنی پرکشش ہیں کہ دل کو کھینچ لیتی ہیں۔ کہیں مال و دولت ہے، عہدے ہیں، عیش و عشرت کا سامان ہے۔ اس میں آزمائش یہ رکھی کہ انسان کو معرفت الٰہی کی جو قوت دی گئی ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے وہ قرب الٰہی کو تلاش کرتا ہے یا دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے اور عظمت الٰہی کو بھلا بیٹھتا ہے۔ اس آزمائش میں سے کامیاب و سرخرو ہو کر نکلنے کے لئے اللہ کریم نے بہت سی ہدایات عطا فرمائیں۔ اس میں سے ایک یہ ہے فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ اے اولاد آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا۔ جو تمہاری پردہ داری بھی کرتا ہے اور موجب زینت بھی ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ اور اصل اور حقیقی لباس جو سب سے اچھا لباس ہے وہ تقویٰ ہے۔ نیکی ہے۔ اللہ جل شانہٗ سے تعلق ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿26﴾ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

لباس میں تین چیزیں ہونا ضروری ہے:

ایک یہ کہ لباس جسم کو ڈھانپے، جسم کی پردہ داری کرے۔ دوسرے یہ کہ گرم اور سرد موسم میں جسم کی حفاظت کرے۔ تیسرے یہ کہ وہ مناسب، موزوں اور خوب صورت ہو۔ لیکن لباس جس میں سے جسم جھلکتا ہو وہ لباس نہ ہونے کے برابر ہے۔ یعنی لباس کی بنیادی صفت یہ ہے کہ بدن کو چھپائے پھر جسم کے لئے آرام دہ ہو۔ گرمی سردی سے بچائے اور اچھا بھی لگے۔

یہاں تک ظاہری لباس کے بارے ارشاد تھا۔ اس کے بعد لباس تقویٰ کا ذکر شروع ہوتا ہے کہ یہ سب سے بہتر لباس ہے۔

لباس تقویٰ:

انسان کا اصل لباس وہ ہے جو اس کی روح کو نصیب ہو۔ انسان دراصل بدن اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ بدن کو ڈھانپ لیں اور روح برہنہ ہو۔ بدن کو خوب صورت لباس سے سجا لیں اور روح کی شکل مسخ ہو کر وحشت ناک ہو جائے تو یہ مناسب بات نہ ہوگی۔ اس لئے فرمایا لباس وہ ہے جو بدن کو چھپائے، بدن کے لئے آرام دہ ہو، گرمی، سردی سے بچانے کا سبب بنے اور اچھا بھی لگے۔ لیکن حقیقی لباس تو تقویٰ ہے۔ تقویٰ یہ

ہے کہ اللہ کریم سے ایسا رشتہ استوار ہو جائے کہ بندہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے کا ڈر ہو۔ چونکہ اصل انسان روح ہے بدن اس کے تابع ہے تو جہاں بدن کے لباس کی بات کی وہاں فرمایا روح کا بھی خیال کرو۔ اسے بے لباس نہ ہونے دو۔ روح کا لباس کیا ہے؟ فرمایا: اس کا لباس خلوص دل سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ تقویٰ کے حصول کا سبب کیا ہے؟ اللہ کی اطاعت ہے۔ اللہ کریم کی اطاعت کیسے کی جائے؟ رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے کی جائے۔ فرمایا: اصل لباس تقویٰ ہے، نیکی ہے، خلوص ہے اور اللہ کریم کی اطاعت ہے جو خلوص سے کی جائے ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ یہ سب سے بڑھ کر ہے۔

ہوسکتا ہے ایک آدمی غریب ہو، اس کا لباس قیمتی نہ ہو لیکن اس کے سادہ سے لباس کے اندر اتنا خوب صورت انسان ہو کہ اللہ کریم کا محبوب بن جائے۔

صحابہ کرامؓ خدمت عالی میں بیٹھے تھے سامنے سے ایک اور صحابیؓ گزرے جو مفلس تھے۔ ان کو دیکھ کر آپ ﷺ نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے پوچھا۔ تم اسے کیسا دیکھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کی کہ معاشرے میں اس کی یہ حیثیت ہے کہ اسے شاید کوئی رشتہ بھی نہ دے۔ معاشی طور پر بھی کمزور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا عنداللہ اس کا ایسا مقام ہے کہ یہ اللہ کے بھروسے پر کچھ بھی کہہ دے تو اللہ اس کی بات ضرور پوری کرے گا۔ یہ ارشاد فرماتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی نظر اس کے لباسِ تقویٰ پر تھی۔ ان کے خستہ حال لیکن پاکیزہ لباس کے اندر جو دل تھا اس میں اتنی محبت الٰہی، اتنی خشیتِ الٰہی، اتنا عشق رسول ﷺ تھا کہ اللہ کریم ان کی کہی ہوئی بات کو پورا فرماتے تھے۔ تو فرمایا: سب سے بہتر تقویٰ کا لباس ہے لہٰذا ظاہری لباس بھی صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھو لیکن صرف ظاہری بناؤ سنگھار پر نہ رہو اندرونی لباس کو تقویٰ، خیر، قرب الٰہی اور خشیتِ الٰہی سے مزین کرو کہ یہ بہت بہتر ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ یہ باتیں، یہ قرآن، یہ ارشادات باری، یہ تعلیمات محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل ہیں اور یہ تمہیں اس لئے سنائے جارہے ہیں کہ تم نصیحت حاصل کرو۔ بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس پر اللہ کریم سے توفیق عمل چاہو اور عمل کرو۔

اتباع رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کوشش نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں:

بندہ جن احکام شرعی کا مکلف ہے وہ اسے بہر حال کرنے ہیں۔ دین کے معاملے میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا جو بھی حکم ہے اس پر ہر حال میں عمل کرنا ہے۔ کوشش کی گنجائش نہیں۔ بعض دنیاوی امور کے بارے تو کہا جاسکتا ہے کہ کوشش کی لیکن کام نہیں بنا جیسے ملازمت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن نہیں ملی۔ کاروبار

کرنے کی کوشش کی لیکن کاروبار نہیں چلا۔ دنیا کے معاملے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے دین کے معاملے میں کوشش نام کی کوئی چیز نہیں کہ اللہ کریم کوئی ایسا حکم نہیں دیتے جو انسان کی ہمت سے باہر ہو۔ فرماتے ہیں لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔ الانعام:125 بندہ جس کام کی ہمت نہیں رکھتا اس کام کا وہ مکلف ہی نہیں مثلاً صلوٰۃ میں قیام فرض ہے لیکن جو شخص معذور ہے، بیمار ہے اس پر قیام معاف ہے اسے رعایت ہے کہ وہ بیٹھ کر پڑھے لیکن اگر وہ صلوٰۃ ادا نہ کرے اور یہ کہے کہ کوشش کر رہا ہوں مجھ سے تو ہو نہیں رہی تو یہ غلط بات ہے۔ یہاں کوشش نہیں یہاں کرنا مقصود ہے۔ دین کے بارے میں جو بات بس میں نہیں ہے اس کے بارے پوچھا نہیں جائے گا اور جو بات بس میں ہے اس کے بارے کوشش کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جو کام کرنے کا ہے وہ کیا جائے۔ فرمایا: اللہ کریم سے ہمکلام ہونا۔ اللہ کریم کی بات سننا۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں اپنی بات پیش کرنا یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی باتیں ہیں۔ اس کی عظمت کے دلائل ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو اللہ کریم کی طرف سے نازل ہوئے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے جاری ہوئے۔ میری اور آپ کی حیثیت کیا ہے کہ ہم ان مبارک آیات کو سن کر کہہ دیں کہ ''جی ہم کوشش کریں گے'' کیا اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دیں گے'' سو فرمایا یہ بات کوشش کی نہیں یہ عظمت تو تمہیں اس لئے دی گئی ہے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کر کے اس پر عمل کرو۔ اور اسے اپنی زندگی کا لائحہ عمل بناؤ۔

لباس ظاہری کی اتنی تلقین کیوں؟

اللہ کریم لباس ظاہری کی اتنی تلقین کیوں فرما رہے ہیں؟ قرآن اس پر اتنا زور کیوں دے رہا ہے؟ اس لئے کہ جب ظاہر بے لباس ہوتا ہے تو باطن کو تباہ کر دیتا ہے۔ باطن بادام کے مغز کی طرح ہے اس کا سخت چھلکا اس کے مغز کی حفاظت کے لئے ہے۔ اگر چھلکا ٹوٹ جائے مغز کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں رہتا۔ لباس بھی اسی کی مانند ہے۔ باحیا لباس، انسان کے باطن کی پاکیزگی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کی مضبوطی یہ ہے کہ حلال ذرائع سے حاصل ہو۔ ستر ڈھانپے، آرام دہ ہو، خوبصورت ہو اور موسم کے مطابق ہو۔ اس کے ساتھ کوشش ہونا چاہئے کہ باطن بھی بہتر ہو۔ جس کا باہر ہی ویران ہے وہ یہ دعویٰ کیسے کرتا ہے کہ اس کا باطن بہت صاف ہے۔ شیطان ایسے وسوسوں میں مبتلا کر دیتا ہے کہ ظاہر میں کیا رکھا ہے۔ تمہارا باطن درست ہے۔ یہ نمازیں، روزہ تو ظاہری اٹھک بیٹھک ہے۔ یہ تو ظاہر داری ہے۔ حالانکہ خطرہ یہ ہے کہ ایسے لوگ باہر سے

صاف ستھرے نظر آتے ہیں۔اندر سے کھرے نہیں ہوتے۔وہ اللہ کی رضا کے لئے یا اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے لباس نہیں پہنتے، دوسروں پر اپنا رعب جمانے کے لئے پہنتے ہیں۔دکھاوے کے لئے پہنتے ہیں۔ان کا ظاہر ہی برباد ہے تو اندر کیسے صحیح ہوگا۔تو یہ کہنا کہ ظاہری عمل مجھ سے نہیں ہوتا لیکن اندر سے میں بڑا کھرا ہوں۔یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے۔تو فرمایا: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ اے اولاد آدم! شیطان تمہیں کسی مصیبت میں بتلا نہ کردے جیسے اس نے آدمؑ اور اماں حوا کو جنت سے باہر نکلوا دیا۔ان کا لباس اتروا دیا اور ان کے جسم کے پوشیدہ حصے ظاہر کرا دیئے۔شیطان اور اس کا لشکر تمہیں ایسے طور پر دیکھ رہا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔وہ تمہیں نظر نہیں آتے لیکن ایک بات ہے شیطان کو رسائی میں اُسی پر دیتا ہوں جو مجھ سے کفر کرتا ہے جس کا میرے ساتھ ایمان نہیں ہے۔

واقعہ آدمؑ پہلے بھی گزر چکا ہے یہاں اللہ کریم اسے دوبارہ یاد کرا رہے ہیں کہ کس طرح شیطان نے آدمؑ کو وسوسہ اندازی کی وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلایا۔انہیں سمجھ نہ آئی کہ اللہ کی قسم بھی کوئی جھوٹی کھا سکتا ہے۔شیطان تو مردود ہو چکا تھا وہ مقربانِ بارگاہ تھے۔انہوں نے اس کا یقین کرلیا۔یہاں دہرایا جارہا ہے کہ وہ تمہارے آباء کو دھوکہ دینے سے باز نہیں آیا تو تم سے کس طرح باز رہے گا۔جس طرح انہیں بےلباس کرنے کے لئے ورغلایا اسی طرح کہیں تمہیں بھی بےلباس نہ کردے۔ایک بڑی خطرناک بات یہ ہے کہ شیطان اور اس کا لشکر تمہیں ہر جگہ سے دیکھ سکتے ہیں تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ان کا وجود آگ کے شعلے سے بنایا گیا ہے وہ انرجی (Energy) ہیں تم مادہ ہو۔مادہ نظر آتا ہے انرجی نظر نہیں آتی۔شیطان کا طریقہ کار یہی ہے کہ کسی شخص کا مزاج بگاڑنے کے لئے اس کو برہنگی پر مائل کرتا ہے۔شریعت میں کوئی لباس متعین نہیں۔ستر عورت فرض ہے لیکن وہ لباس پہننا شرعاً ممنوع ہے جو کسی کافر قوم کا شعار یعنی اس قوم کی پہچان ہو۔اسے دیکھ کر سمجھا جائے کہ یہ فلاں قوم کا فرد ہے۔ہمارے ہاں اس طرح کے لباس اپنانے کو معمولی بات سمجھتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ لباس ہی کسی قوم کا طرز حیات اور کردار سازی کی بنیاد ہے۔علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی قوم کا قومی لباس پہننا

شروع کر دے تو اس کے اثرات غیر محسوس طریقے سے اس پر اثر انداز ہوں گے۔ اول اسے اس قوم کی برائیاں ہلکی لگیں گی پھر وہ رفتہ رفتہ ان برائیوں کو اپنا لے گا۔ یہ ابلیس کی عجیب چالیں ہیں جن سے وہ بنی آدمؑ کو دھوکہ دیتا ہے۔ پورے مغرب کے لباس کو دیکھیں تو مرد گردن سے پاؤں تک مکمل طور پر ڈھکے ہوتے ہیں اور خواتین جنہیں بالباس ہونا چاہئے وہ بے لباس ہیں۔ یہ ان کی تہذیب کا اثاثہ ہے۔ لہٰذا جب مرد مغربی لباس اپنائیں گے تو خواتین، خواتین کا لباس بھی قبول کریں گی۔ جب برہنگی آئے گی تو بے حیائی ہوگی۔ جب بے حیائی آئے گی تو اللہ کریم کی نافرمانی کا دروازہ کھل جائے گا اور بندہ آہستہ آہستہ تباہی کے غار میں گرتا چلا جائے گا۔

محفوظ پناہ گاہ:

سارے خطرات سے آگاہ کر کے اللہ کریم نے محفوظ پناہ گاہ کا پتہ بھی دے دیا کہ اللہ پر یقین کر لو۔ اللہ پر ایمان پختہ کرلو اور نبی کریم ﷺ کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ شریعت مطہرہ کے دائرے میں آجاؤ۔ یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے کہ اس میں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔ یہی بات دوسری جگہ ارشاد فرمائی اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً البقرہ:208 سارے کے سارے اسلام کے اندر آجاؤ۔ یہ نہیں کہ ایک نماز پڑھ لی ایک چھوڑ دی۔ روزہ رکھ لیا زکوٰۃ نہ دی کبھی نیکی کر لی کبھی برائی کر لی۔ اولاد آدمؑ اس بات سے آگاہ رہو کہ شیطان کا وار بڑا خطرناک ہے وہ کہیں تمہیں بے حیائی پر مائل نہ کر دے۔ اگرچہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہارے پاس اللہ کریم کی مضبوط پناہ گاہ ہے۔ شیطان کی دوستی صرف ان سے ہوگی جن میں ایمان نہیں ہوگا۔ جس کا ایمان درست ہوگا اس پر شیطان کا جادو نہیں چلے گا خواہ شیطان کتنے ہی پوشیدہ وار کرتا رہے کہ اللہ کریم نے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ جو عظمت الٰہی کے منکر ہیں انہیں شیطان سے بچنے کی ضرورت نہیں۔ تو اللہ کریم کو کیا ضرورت ہے کہ شیطان سے ان کی حفاظت کرے۔ انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ دیا اور اللہ کریم نے انہیں چھوڑ دیا اب شیطان انہیں کھلونہ بنالیتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں نورِ ایمان عطا کریں، قوتِ یقین عطا کریں۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں اور دنیا و آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ رکھیں۔

شیطان کی انسان دشمنی کے ضمن میں ارشاد ہو رہا ہے کہ لوگ ایسے بدنصیب ہیں کہ جب برائی کرتے ہیں، غلط عقیدہ رکھتے ہیں۔، دین حق کو چھوڑ کر رواجات کی پیروی کرتے ہیں، رسومات میں کھو جاتے ہیں، غلط اعمال کرتے ہیں تو کہتے ہیں وَجَدْنَا عَلَیْہَآ اٰبَآءَنَا ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ پھر

اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ط اللہ نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے یہی دین ہے۔

عقیدہ وعمل کی تباہی کا سبب:

آج بھی تباہی کا سبب یہی ہے۔ فرائض کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ دین کے احکام کو لوگ خاطر میں نہیں لاتے لیکن جو رسومات بن گئی ہیں ان کی پابندی اتنی زیادہ ہے کہ جو شخص رسومات بجا نہ لائے تو اسے کہتے ہیں کہ یہ تو مسلمان ہی نہیں۔ آج اکثریت سود کھا رہی ہے لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ اچھے مسلمان نہیں ہیں۔ حالانکہ قرآن میں جو سزائیں مقرر ہیں وہ یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ڈاکو کا ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیا جائے۔ قاتل کو قتل کیا جائے۔ ان سب میں سب سے سخت سزا زانی کی ہے کہ اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے اور کوئی اس پر رحم نہ کرے لیکن جب سود کھانے کی بات آئی تو سزا مقرر نہیں کی بلکہ فرمایا، فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ البقرہ: 279 کہ جو سود کھاتا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ واضح اعلان کے باوجود سود کا نام منافع رکھ کر کوئی بینک سے لے کر کھا رہا ہے کوئی ڈاک خانے سے لے کر، کوئی اِدھر اُدھر سے لے کر کھا رہا ہے۔ انہیں کوئی نہیں کہتا کہ یہ وہابی ہو گئے ہیں لیکن اگر کوئی دین کے نام پر بنائی گئی رسومات پر عمل نہ کرے تو کہتے ہیں یہ وہابی ہو گیا۔ یہ اچھا مسلمان نہیں ہے۔ اور ان رسومات کی پابندی کرتے ہوئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے دیکھا حالانکہ محض باپ دادا کا عمل ہونا نیکی کی دلیل نہیں۔ ان کا قرآن وسنت پر عمل پیرا ہونا ان کے صالح ہونے کی دلیل ہے۔ ان کا عمل اللہ کے حکم کے مطابق ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کی سنت کے موافق ہوگا تو وہ عمل باپ دادا کا عمل تو نہ رہا بلکہ باپ دادا اللہ کا حکم ہم تک پہنچانے کا ایک ذریعہ بنے۔ لیکن جو رسومات دین کے خلاف بنائی گئی ہیں ان پر باپ دادا کا عمل رہا ہے تو یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ لیکن لوگ بجائے یہ سمجھنے کے کہ ہمارے پہلوں سے غلطی ہوئی ہے تو ہم توبہ کرلیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ایسا ہے ورنہ ہمارے باپ دادا ایسا کیوں کرتے؟

قرآن حکیم میں بڑی خوبصورت بات بتائی گئی ہے قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط کہ اللہ کریم کبھی برائی اور بے حیائی کا حکم نہیں دیتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کے نام پر جتنی رسومات جاری کی گئی ہیں ان میں کہیں پیسے لے کر کھائے جاتے ہیں کہیں بے حیائی کے کام کئے جاتے ہیں۔ یعنی ہر رسم میں کوئی نہ کوئی برائی موجود ہوتی ہے تو پھر ایسی رسومات کو دین کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اللہ کریم تو بے حیائی کا حکم نہیں فرماتے، بے

حیائی سے منع فرماتے ہیں فرمایا: اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۲۸﴾ جو بات تم جانتے ہی نہیں اسے خوامخواہ منہ سے نکال دیتے ہو۔ تمہیں اتنی سمجھ بھی نہیں کہ جو اللہ کا حکم نہیں اسے نیکی قرار دینا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کی کتنی بڑی سزا ہوگی۔ پھر فرمایا: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ اے میرے حبیب ﷺ آپ فرما دیجئے کہ میرے پروردگار نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ انصاف سے مراد یہ ہے کہ کسی فریق کا حق ضائع نہ ہو۔ جاننا چاہیے کہ اگر کسی نے ایسی رسومات بنالی ہیں جس میں لوگوں کی اکثریت مال دے اور چند لوگ کھاپی کر الگ ہو جائیں تو اس طرح سب کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ناانصافی کا حکم نہیں دیتے بلکہ عدل، انصاف اور اعتدال کا حکم دیتے ہیں۔ اسلام کے ہر حکم میں اعتدال ہے۔ مومن عبادت بھی کرتا ہے اور فارغ بھی ہوتا ہے۔ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو سوتا بھی ہے۔ کھاتا پیتا ہے تو روزے بھی رکھتا ہے۔ لیکن کوئی کام سنت رسول اللہ ﷺ سے باہر نہیں کرتا۔ اللہ کریم نے اسی انصاف کا، اعتدال کا اور متوازن وخوب صورت زندگی کا حکم دیا ہے۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ فرمایا: ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو۔ قبلہ رو ہو کر سجدہ کرو وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ باطنی کیفیت کو بھی اللہ کے لئے خالص کرلو۔ یعنی حکم دیا جارہا ہے کہ ہر بات، ہر کام، ہر معاملے میں انصاف کرو اور عبادت کے وقت اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف کرلو ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ عبادت بھی خالص اسی کی کرو۔ اپنے ظاہر کو قبلہ رو رکھو اور اپنے دل کو بھی سیدھا رکھو۔

اس ضمن میں ہمارے معاشرے میں لوگوں کے دو انداز نظر آتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو کہتے ہیں اگر ہم صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تو کیا ہوا ہمارا اندر تو بہت صاف ہے۔ ہمارے دل میں بہت خلوص ہے۔ جبکہ حق یہ ہے کہ جو کچھ انسان کے اندر ہوتا ہے اس کا اثر باہر بھی آتا ہے۔ اگر اندر خلوص ہے، اللہ سے تعلق ہے، پرہیزگاری ہے تو وہ اعضاء وجوارح سے، زبان وکلام سے، کردار سے، لوگوں کے ساتھ برتاؤ سے ظاہر ہوگا۔ اگر لین دین اور برتاؤ اچھا نہیں۔ عبادات صحیح نہیں یا عبادت ادا ہی نہیں کرتا۔ فرائض چھوڑ رکھے ہیں تو اندر کی صفائی کا دعویٰ محض جھوٹ ہے۔ دل تو بادشاہ ہے۔ جو کچھ دل میں ہوتا ہے اعضاء وجوارح اسی کی تائید کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کا انداز یہ ہے کہ بظاہر پارسائی کا حلیہ بنا رکھا ہوتا ہے۔ طویل وظائف اور لمبے لمبے سجدے کرتے ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ انہیں پارسا سمجھیں۔ اس طرح وہ مادی فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں یا شہرت کے خواہش مند ہوتے ہیں۔

اس لئے فرمایا کہ اپنے ظاہر کو درست کرو لباس صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھو۔ سجدے کے وقت قبلہ رو ہو، تمام اعضائے بدن قبلہ رو ہوں، پیشانی زمین پر لگی ہو اور اس کے ساتھ قلبی خلوص بھی ہو۔ خالص اسی کی عبادت کے لئے اسے پکارو۔ اللہ کی رضا کے لئے عبادت کرو۔ یعنی عبادت اور اطاعت کا طریق کار یہ نہیں کہ آباؤ اجداد کی بنائی ہوئی رسومات کے پیچھے لگ جاؤ بلکہ درست یہ ہے کہ اپنا ظاہر اس طرح رکھو جس طرح رسول اللہ ﷺ نے رکھنے کا سلیقہ سکھایا ہے۔ اپنی حیثیت کے مطابق پہنو اپنی حیثیت سے بڑھ کر نہیں۔ لہٰذا حکم یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنے ظاہر کو درست کرو۔ اعضاء و جوارح، کردار، لوگوں سے معاملات، گفتگو سب میں راستی اختیار کرو۔ غلط باتیں زبان سے نہ نکالو۔ جھوٹے وعدے نہ کرو۔ لوگوں کو دھوکہ نہ دو۔ ان کے حقوق نہ دباؤ۔ اپنا حق محنت کر کے حاصل کرو۔ یہ سب چھوٹی بڑی باتیں ظاہر و باطن کو سیدھا رکھنے کے زمرے میں آتی ہیں اور جن کے درست نہ ہونے سے بڑے بڑے فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

عبادت کا مقصد:

عبادت کا مقصد اللہ کی رضا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کا کوئی مقصد نہیں۔ یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ عبادت کرنے سے دولت مل جائے گی تو یہ سوچ ہی غلط ہے۔ کیا دنیا میں دیکھا نہیں جاتا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہی نہیں ان کے پاس بے حساب دولت ہے۔ حکومت و سلطنت ہے تو انہوں نے کتنی عبادتیں کر کے اسے حاصل کیا؟ وہ تو کوئی صلوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ وہ تو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتے، اللہ کے نبیؐ کو نہیں مانتے۔ اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے۔ یہ تو اس کا اپنا نظام ہے کہ دنیا میں کس کو کب کیا دینا ہے۔ ہاں ہر ایک کو جو کچھ اس نے دیا ہے اس کا حساب وہ خود لے گا۔ ان مادی نعمتوں کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض لوگوں کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ باقاعدگی سے پانچ وقت صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تہجد پڑھتے ہیں۔ تسبیحات پڑھتے ہیں لہٰذا وہ اس بات کے حق دار ہو چکے ہیں کہ جو دعا کریں وہ قبول ہونی چاہیے۔ اور انہیں یہ شکوہ بھی رہتا ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور صحت ٹھیک نہیں ہوتی، بیٹے کو نوکری نہیں ملتی، وغیرہ۔ ان سے سادا سا سوال یہ پوچھنا چاہئے کہ تم اللہ کی عبادت اس کو راضی کرنے کے لئے کرتے ہو یا خود اللہ تعالیٰ کی جگہ حاکم بننا چاہتے ہو؟

معبود برحق تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ فیصلے اسی کے ہیں کہ کس کو کب روزگار دینا ہے، کس کی کیسی صحت ہونی ہے، کس کی کتنی عمر ہونی ہے، کس کو کتنا رزق ملنا ہے، کس کا قد کاٹھ اور عقل و شعور کیسا ہونا ہے؟

نمازیں پڑھ کر ہمیں یہ فیصلے کرنے کا حق نہیں مل جاتا۔ اگر کوئی صلوٰۃ کا پابند ہے۔ تہجد پڑھتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جگہ حاکم بننا چاہے اسے اللہ کا مشکور ہونا چاہئے کہ اس پر اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اسے اپنی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کی توفیق دی ہے۔ ورنہ اس کی بارگاہ میں سجدہ گزاروں کی کمی نہیں۔ اللہ کی ساری مخلوق اس کے حکم کی پابند ہے۔ کتنی مخلوق ایسی ہے جو ہمہ وقت اس کی تسبیح کرتی ہے۔ کتنے فرشتے ایسے ہیں جو ہمہ وقت سربسجود ہوتے ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کتنے انبیاءؑ نے سجدے کئے، کتنے صحابہ کرامؓ اور اولیاء اللہ نے سجدے کئے تو ہمارے سجدوں کی ان کے مقابل کیا حیثیت ہے؟ ہمیں تو اللہ کریم سے دعا کرنی چاہیے کہ ہمارے سجدے قبول فرمالے۔

اگر ہم اللہ کی دی ہوئی توفیق سے عبادت کرتے ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کیا ہمارے معاملات درست ہو گئے ہیں؟ لوگوں کے ساتھ ہمارا رویہ اور سلوک اچھا ہے۔ ہم کسی کا حق تو نہیں مارتے، ہم حلال اور پاک کھاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ وہ نیکی کی توفیق دے رہا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کریں۔

دعا مانگنا خود عبادت ہے۔ کسی بھی مقصد کے لئے اللہ کریم سے دعا مانگی جائے تو وہ راضی ہوتا ہے لیکن دعا حکم نہیں ہوسکتی۔ ہمارا کام تو درخواست کرنا ہے۔ اس کا نتیجہ وہ خود بہتر جانتا ہے۔ وہ ہمارے مشورے کا محتاج نہیں۔ تو دعا نہ مشورہ ہے نہ حکم ہے بلکہ ایک عاجزانہ درخواست ہے۔ دنیا اس کے نظام کے تحت چل رہی ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے کرتا ہے اور اس کے ہر فیصلے میں حکمت ہے۔ بندے کے لئے درخواست پیش کرنا، ہاتھ اٹھا کر اللہ کریم سے بات کرنا بجائے خود ایک سعادت ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے کہ کسی کو اپنی بارگاہ میں جھکنے کی توفیق دے، عبادت کی توفیق ارزاں کرے اور اس کے سجدے قبول فرمالے۔ لہٰذا حکم دیا جارہا ہے کہ ظاہراً، باطناً اللہ کے آگے پورے خلوص سے سجدہ کرو اور خالص اس کی رضا کے لئے اسے پکارو۔

اور یاد رکھو كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ جس طرح اس نے تمہیں پہلے پیدا کیا موت کی گھاٹیوں سے گزار کر دوبارہ اسی طرح لا کھڑا کرے گا۔ تم پھر زندہ کئے جاؤ گے۔ کسی کو یہ مغالطہ نہ رہے کہ لوگ جل کر مرجاتے ہیں، درندے کھا جاتے ہیں، سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں تو ان کے ذرات بدن، فضاء اور زمین میں منتشر ہو جاتے ہیں تو وہ دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کریم کی قدرت کاملہ سے کچھ بھی بعید

نہیں۔ اللہ کریم کا ایسا مربوط نظام ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے انسان کے اجزاء روئے زمین پر بکھرے ہوتے ہیں انہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جمع کر سکتا ہے۔ انسانی بدن کی پرورش کے لئے اس کی غذا زمین پر متعین ہے۔ جو رزق اس کے نصیب میں ہے وہ کہیں سے سبزی بن کر کہیں سے دودھ، کہیں سے گندم، کہیں سے پھل اور کہیں سے اس کی دوا بن کر اس تک پہنچتا ہے۔ اس کا نظام ایسا ہے کہ جو غذا والد کھاتا ہے اس میں سے جو ذرات اس کی اولاد کے ہوتے ہیں وہ والد کے جسم کا حصہ نہیں بنتے بلکہ اس کی صلب میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ رب کریم پھر انہیں شکم مادر میں منتقل کرتا ہے۔ ماں جو غذا کھاتی ہے اس میں سے جو اس کے بچے کا نصیب ہے وہ بچے کے وجود کا حصہ بنتا ہے۔ اللہ کریم اتنی باریکی سے اجزاء کو تقسیم کرتا ہے اور مرنے کے بعد انسان کے ذرات اتنے نہیں بکھرتے جتنے پہلی مرتبہ پیدا ہونے سے پہلے زمین پر بکھرے ہوتے ہیں۔ فرمایا: كَمَا بَدَاَكُمْ جس طرح تم سب کو اس نے پہلی مرتبہ تخلیق فرمایا تَعُوْدُوْنَ﴿٢٩﴾ اسی طرح لوٹا دے گا۔ اسی طرح زندہ ہو کر اس کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ گے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ جب اس کی بارگاہ میں ہماری پیشی ہو تو ہمارے ظاہری کام بھی سیدھے درست ہوں اور ہماری نیت و ارادہ بھی کھرا اور خالص ہو۔ اے انسان! تجھ سے کبھی ظاہراً غلطی ہو جاتی ہے کبھی دل میں غلط سوچ آ جاتی ہے تو تجھے اپنی نگرانی کرنی چاہیے۔ اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ خلوص دل سے توبہ کر لے۔ اللہ کریم سے معافی مانگ اور ہر وقت دعا کرتا رہ کہ اے اللہ! مجھے نیکی کی توفیق دے۔ برائی سے بچا اور شیطان کے فریب سے محفوظ رکھ۔

فرمایا: فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ انسانوں کے دو دھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں اور وہ جنہوں نے اللہ کو تسلیم نہیں کیا یعنی ایک وہ ہیں جو ہدایت پر ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے لئے گمراہی کا راستہ پسند کیا ان پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ فرمایا: دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ مومن اور کافر اور جب لوگ قیامت کو اٹھیں گے تو بھی دو طبقوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اللہ کی اطاعت کرنے والے مومن، ایمان دار الگ اور کافر الگ۔ آگے ان کے کفر کا سبب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ کفر اور گمراہی میں کیوں پڑ گئے؟۔ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرمایا: یہ اس لئے گمراہ ہو گئے کہ انہوں نے اللہ کریم کو چھوڑ کر شیطانوں کا اپنا دوست بنالیا۔ شیاطین کی دوستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہی اور ضلالت میں پڑ گئے۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص خواہ جن ہے یا انسان جتنا اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اتنا شیطان ہے۔

اللہ کریم نے انسان کی ہدایت کا اتنا سامان کیا۔ انبیاءؑ و رسل مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں اور آخر میں ختم الرسل اللہ ﷺ امام الانبیاءؑ تشریف لائے۔ آپ ﷺ پر قرآن حکیم جیسی کتاب نازل فرمائی اور قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا۔ الحمد للہ آج بھی جو قرآن حکیم ہم پڑھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کلام ہے۔ یہ وہی حروف و الفاظ ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ادا ہوئے۔ قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کو پڑھنا اتنی بڑی سعادت ہے کہ کسی شمار میں نہیں آسکتی تو اس کے باوجود لوگ برائی کی طرف کیوں بھاگتے ہیں، کیوں گمراہ ہوتے ہیں؟ اس لئے کہ جو انسان ہو کر اپنے نبیؐ کا دامن چھوڑ دیتا ہے، اللہ کے دین کو چھوڑ دیتا ہے، شیطانی کام کرنے لگ جاتا ہے، شیطان کو اپنا دوست بنالیتا ہے تو پھر وہ خود بھی شیطان بن جاتا ہے۔ ابلیس تو بڑا شیطان ہے۔ اس کی اولاد بھی شیطان ہے پھر انسانوں اور جنوں میں سے جو اس کو مانتے ہیں اس کا اتباع کرتے ہیں وہ خود بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ اور جن لوگوں میں ایمان ہی نہیں ان کے شیطان ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں اور جو انسان اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر شیاطین سے دوستی کرتا ہے تو ان کی دوستی گمراہی میں لے جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے: ''اچھے اور برے دوست کی مثال مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے لوہار کی طرح ہے۔ مشک بیچنے والے کی صحبت سے تم کو کچھ فائدہ ضرور پہنچے گا یا مشک خریدو گے یا مشک کی خوشبو پاؤ گے لیکن لوہار کی بھٹی تمہارا گھر یا کپڑے جلائے گی یا تمہارے دماغ میں اس کی بدبو پہنچے گی''۔ (بخاری و مسلم)

فارسی میں یہ بات یوں منظوم ہے

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالع ترا طالع کند

نیکوں کی صحبت میں بیٹھو گے تو نیک ہو جاؤ گے بروں کی صحبت میں بیٹھو گے تو تم بھی برے ہو جاؤ گے۔ لہٰذا دوستی کرنے کے لئے کسی کے ساتھ بیٹھنے کے لئے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار ہے یا نہیں۔ فرمایا: شیطانوں کی دوستی کے باعث وہ اس قدر گمراہ ہوئے کہ برائی کر کے سمجھتے رہے کہ انہوں نے بڑا کام کیا وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰ اور پھر انہیں یہ گمان بھی ہے کہ وہ جو کرتے ہیں ٹھیک ہی کرتے ہیں۔ آج ہمارے معاشرے میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جو برائی پہ فخر کرتے ہیں۔ ڈاکہ کر کے کہتے ہیں کہ میرا کسی نے کیا بگاڑ لیا، قتل کر کے کہتے ہیں میں نے کتنا بہادری کا کام کیا۔ لوگوں کا پیسہ کھا جاتے ہیں، اسے اپنی

مہارت سمجھتے ہیں۔لوگوں کی سرِ عام بے عزتی کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔اسی کی بات ہو رہی ہے کہ برائی کر کے یہ گمان رکھنا کہ میں نے ٹھیک کیا۔یہ شیطنت ہے۔

عبادت کے وقت اچھا لباس پہلو:

فرمایا: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ ہر نماز کے وقت بہتر لباس پہنو، ہر سجدے، ہر صلوٰۃ کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری سمجھو اس کے لئے اہتمام سے تیاری کرو۔لباس پاک صاف اور ایسا ہو کہ اس لباس میں آپ کسی سے مل سکتے ہوں۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہمیں کسی کو ملنے جانا ہو تو ہم پوری احتیاط سے اپنا لباس درست کر کے جاتے ہیں۔ جوتے سے لے کر ٹوپی یا کوٹ پتلون سے نکٹائی تک یا شلوار قمیض سے واسکٹ تک سب کچھ درست کر کے جاتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ڈھیلے ڈھالے انداز سے لاپرواہی کرتے ہوئے بے سلیقہ پن سے ملبوس ہوتے ہیں۔ دفتر سے آئے دھوتی کرتہ پہنا اور مسجد چلے گئے۔ جیب سے رومال نکالا کر سر پر رکھ لیا اور نماز پڑھ لی۔کیا کسی شریف آدمی سے ملتے وقت کسی نے سرڈھانپنے کے لئے رومال رکھا ہے؟ یہی بات یہاں ارشاد ہو رہی ہے کہ میری بارگاہ میں آؤ تو لباس میں لاپرواہی نظر نہیں آنا چاہئے۔ ہر نماز میں یہ اہتمام ہونا چاہئے کہ وہ پاک ہو۔ صاف ہو اور مناسب ہو۔جس لباس میں کوئی اپنے جیسے انسانوں سے ملنے کے لئے مناسب نہیں سمجھتا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی پیش ہونے کے لئے وہ کافی نہیں۔اللہ کے پاس حاضر ہونے کے لئے اس سے بہتر لباس پہننا چاہیے جس لباس میں لوگوں کو ملتے ہیں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اہمیت کا احساس ہو۔محض خانہ پُری تو نہیں کرنی کہ سرڈھانپا دو تین بار اٹھے بیٹھے تسبیحات پڑھیں اٹھے اور چلے گئے۔خواتین کے لئے بھی صرف سر پر دوپٹہ رکھنا کافی نہیں۔ ستر پورا ہونا چاہئے۔جسم مکمل طور پر ڈھکا ہونا چاہئے، بازو پوری کلائیوں سمیت ڈھکے ہونے چاہئیں، لباس ٹخنوں سے اوپر نہیں ہونا چاہئے، مرد کا وجود اگر ناف سے گھٹنوں تک ڈھکا ہوا ہو تو اس کی نماز پھر بھی ادا ہو جائے گی لیکن مکروہ ہو گی۔ یہاں یہی ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے پورا اہتمام کرو، طہارت، پاکیزگی اور نفاست کو ملحوظ رکھو۔

وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا کھاؤ، پیو، جائز طریقے سے کماؤ اور کھاؤ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا جتنی بدن کو ضرورت ہے

اتنا کھاؤ لیکن اتنا نہ کھاؤ کہ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو جاؤ۔ یہ بھی جرم ہے کہ اتنا کم کھایا جائے کہ طاقت ہی نہ رہے۔ نہ اپنے فرائض پورے کر سکیں نہ اپنی ذمہ داریاں نبھا سکیں اور نہ عبادات پوری کر سکیں۔ ہر طرح کے اسراف پر پابندی ہے۔ خرچ میں یہ پابندی رکھی ہے کہ ہر کام پر ضرورت کے مطابق ہی خرچ کیا جائے اس سے زیادہ کریں گے تو اسراف ہوگا۔ جتنی کسی کی استطاعت ہے اسی کے مطابق دعوتوں پر خرچ کرے۔ قرض لے کر زمینیں بیچ کر یا سود لے کر اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرنا جائز نہیں۔ اپنی حیثیت کے مطابق لباس پہنے، دوسروں کا مال لے کر پہننے کی ضرورت نہیں۔ اچھا کھائیں، اچھا پہنیں، جائز مال سے لیں اور اسراف نہ کریں۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر خرچ کرنا اسراف ہے اور اسراف سے بچنے کی یہاں تک تاکید کی گئی ہے کہ اگر دریا کنارے بیٹھے وضو کیا جا رہا ہو تو بھی اتنا ہی پانی خرچ کیا جائے جتنا وضو کے لئے چاہیے۔ ضرورت سے زائد پانی بہانے پر باز پرس ہوگی۔

فرمایا: اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ حد سے نکلنے والوں کو اللہ کریم پسند نہیں فرماتے۔ جب کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ پھر وہ شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت نہیں فرماتے پھر وہ گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اللہ کریم کسی سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔ اس کی پرواہ نہ کریں تو پھر شیطان اسے اچک لیتا ہے اور تباہی کے آخری سرے پر لے جاتا ہے۔

فرمایا: ہر کام میں اعتدال رکھو۔ کھانے پینے میں، معاملات میں، عبادات میں اعتدال رکھو۔ ظاہری طور پر بھی درست رہو اور قلبی طور پر بھی۔ زندگی کا ہر کام اللہ کی رضا کے لئے کرو۔ اللہ کریم ہمیں اس کی توفیق دیں۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائیں اور نیک انجام عطا فرمائیں۔ آمین۔

سورۃ الاعراف رکوع 4 آیات 32 تا 39

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَیْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا

ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹

فرما دیجئے کہ زینت اور کھانے پینے کی پاک صاف چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہیں کس نے حرام کی ہیں؟ فرما دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن خاص اُنہی کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح جاننے والوں کے لئے ہم (اپنی) آیات کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ ﴿۳۲﴾ فرما دیجئے کہ بے شک میرے پروردگار نے بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں ان میں جو اعلانیہ ہوں وہ بھی اور جو پوشیدہ ہوں وہ بھی اور گناہ اور ناحق سرکشی اور یہ کہ اللہ کے ساتھ ایسی چیز کے شریک کرنے کو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور یہ بھی کہ تم اللہ کے ذمہ ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہیں۔ ﴿۳۳﴾ اور ہر امت (طبقے) کے لئے ایک وقت مقرر ہے پس جب ان کا وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکیں گے اور نہ جلدی۔ ﴿۳۴﴾ اے اولاد آدم (علیہ السلام)! اگر تمہارے پاس تمہی میں سے پیغمبر آئیں کہ تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائیں سو جس نے پرہیز گاری اختیار کی اور اپنی حالت درست رکھی تو ایسے لوگوں کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ افسوس کریں گے۔ ﴿۳۵﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا وہ لوگ دوزخ کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿۳۶﴾ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا اس کی آیات کو جھٹلایا ان لوگوں کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی جان قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو کہیں گے وہ کہاں گئے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے (عبادت کرتے تھے) وہ کہیں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

﴿۳۷﴾ ارشاد ہوگا کہ تم سے پہلے جو (کافر) گروہ جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکے ہیں تم بھی دوزخ میں ان میں شامل ہو جاؤ جب ایک جماعت داخل ہوگی اپنی بہن (اپنے جیسی پہلی جماعت) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں جمع ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کے بارے میں کہے گی اے ہمارے پروردگار ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا سو ان کو جہنم کی آگ کا دوگنا عذاب دیجئے۔ ارشاد ہوگا تم سب کو دوگنا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔ ﴿۳۸﴾ اور پہلی جماعت پچھلی جماعت سے کہے گی پس تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں سو جو عمل تم کرتے تھے اس کے بدلے عذاب چکھتے رہو۔ ﴿۳۹﴾

خلاصۂ رکوع

فرما دیجئے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی زیب وزینت کے لباس کو کس نے حرام کیا ہے اور پاکیزہ رزق سے کون منع کرسکتا ہے۔ فرما دیجئے دنیا کی زندگی میں یہ مومنوں کے لئے ہے اور آخرت میں خالص صرف مومنوں کے لئے ہوگا۔ اللہ کریم جاننے والوں کے لئے اپنی بات وضاحت سے ارشاد فرماتے ہیں۔ اور آپ فرما دیجئے اللہ کریم نے فواحشات کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اور گناہ سے، ناحق بغاوت سے اور شرک سے منع فرمایا ہے۔ حکم دیا ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو جس پر اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور کوئی ایسی بات اللہ کے بارے نہ کہو جو تم نہیں جانتے۔ ہر جماعت یا ہر گروہ کے لئے ایک معین وقت ہے جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو نہ اس سے پہلے انہیں کچھ ہوتا ہے اور نہ اس کے بعد انہیں کچھ مہلت دی جاتی ہے۔ اے اولاد آدمؑ! تمہارے پاس میری طرف سے رسولؑ آئیں گے، نبیؑ آئیں گے تم پر میری آیات تلاوت کریں گے تو جس کسی نے پرہیزگاری اختیار کی، اپنی اصلاح کرلی اسے نہ کوئی ڈر ہوگا نہ افسوس۔ جن لوگوں نے میری آیات کا انکار کیا۔ ان سے تکبر کیا وہ دوزخ کے رہنے والے ہوں گے۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اور اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ ایسے لوگوں کو بھی دنیا میں وہ مل جائے گا جو ان کی قسمت میں لکھا ہے۔ حتیٰ کہ جب ہمارے فرشتے موت کے وقت ان کے پاس آئیں گے تو ان سے سوال کریں گے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی پوجا کرتے تھے، جن کو پکارتے تھے وہ

کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ وہ تو ہم سے غائب ہو گئے۔ اس طرح گویا وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔ کفر کرتے تھے۔ غیر اللہ کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا: عرصہ محشر میں حکم ہوگا کہ ان لوگوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ جو تمہارے جیسے تھے جو تم سے پہلے جہنم میں داخل ہو چکے جن میں جنات بھی ہیں اور انسان بھی۔ جب یہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو جو قوم داخل ہوگی وہ اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں پر لعنت کرے گی کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم نے ہمیں تباہ کر دیا۔ جب سب جہنم میں اپنے اپنے درجے میں داخل ہو چکیں گے تو بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کے بارے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کی بنیاد رکھی اور ایک ایسا راستہ بنا گئے کہ ہم ان کے پیچھے چل کر تباہ ہو گئے تو اے اللہ ان پر آگ کا عذاب بڑھا دے۔ ارشاد ہوگا تم سب پر ہی آگ بڑھائی جائے گی لیکن تم تو کچھ نہیں جانتے، تم جاہل ہو۔ وہ پہلے والے بعد میں آنے والوں کو کہیں گے تمہیں ہم پر کسی طرح کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ تم بھی برے تھے لہٰذا جو کرتوت تم کرتے رہے ہو اس کے بدلے عذاب بھگتو۔

تفسیر و معارف

دنیا کی زینت حرام نہیں:

ایک بڑی عجیب سی بات ہمارے ہاں مشہور ہے کہ جو نیک لوگ ہوتے ہیں وہ پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں وہ روکھا سوکھا کھاتے ہیں اور لوگوں سے نہیں ملتے، جنگلوں میں رہتے ہیں اور اس پر ہمارے بعض واعظین بھی بڑے دلائل لاتے ہیں اور مثالیں پیش کرتے ہیں ابتدائے اسلام سے، مکی زندگی سے یا مدینہ منورہ کے ابتدائی دور سے جب مسلمانوں پر معاشی تنگی تھی لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جب فتوحات ہوئیں اور قیصر و کسریٰ جیسی سلطنتیں زیرِ نگیں آگئیں اور ان کے خزانے مسلمانوں کو اللہ کریم نے عطا کر دیئے تو صحابہ کرامؓ بہت بڑے امراء میں سے ہو گئے۔ ان کے سرکاری وظیفے یا مالِ غنیمت سے ان کو جو حصہ ملتا تھا وہ بہت بڑا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی نان جویں تو مشہور کرتے ہیں لیکن یہ نہیں بتاتے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الکریم فتوحات کے بعد امیر ترین لوگوں میں شامل ہو گئے تھے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین حقیقتاً شہزادوں کی طرح تھے تو ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ نے جو اپنے بندوں کے لئے زینت بنائی ہے اسے کس نے حرام کیا ہے؟ زینت میں لباس بھی ہے، گھر بار بھی ہے، سواری بھی ہے، دستر خوان بھی ہے، جب اللہ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے تو کون ہے جو اس سے

منع کرے وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ الاعراف : 32 اور رزق طیب ہو۔ طیب کا مطلب یہ ہے کہ حلال ذرائع سے آئے اور پاکیزہ بھی ہو اس میں کوئی ناپاکی بھی شامل نہ ہو۔ تو ناجائز ذرائع سے محض خودنمائی کے لئے رشوت یا سود یا چوری چکاری سے یا ڈاکے سے زیب و زینت بنانا حرام ہے کہ اس کے ذرائع آمدن ہی حرام ہیں۔ لیکن حلال اور جائز ذرائع سے اللہ کریم کسی کو عطا فرمائے تو ضروری ہے کہ اس کے لباس، اس کے دسترخوان سے ظاہر ہو جیسا کہ ارشاد باری ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ والضحیٰ : 11 اپنے پروردگار کی نعمتیں بیان کرتے رہیے۔ فرمایا: قُلْ مَنْ حَرَّمَ یہ استفہام انکاری ہے۔ کون ہے جو منع کر سکتا ہے؟ یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے کہ اللہ نے جس کو رزق دیا ہے، اللہ نے اسے جو نعمتیں عطا کی ہیں وہ ان کا اظہار نہ کرے یا انہیں استعمال نہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیاءؑ مبعوث ہوتے ہیں نوع انسانی میں مل کر رہنے کے لئے اور ان کی رہنمائی کرنے کے لئے۔ اہل اللہ وارثانِ نبوت ہوتے ہیں اور وہی کردار ان کا ہوتا ہے جو قوم میں نبیؑ کا ہوتا ہے۔ نبیؑ کا اتباع کرتے ہوئے نبیؑ کا پیغام عام کرتے ہیں اور نبی ﷺ کے پیغام کو پہنچانے کے لئے جنگلوں میں یا ویرانوں میں یا جانوروں کے ساتھ رہنا ضروری نہیں۔ انسانوں کے اندر رہنا ضروری ہے۔ انسانوں کے ساتھ معاملات کرنا ضروری ہے اور جہاں باطل چھا رہا ہو وہاں حق پہ عمل کر کے ثابت کرنا کہ زندگی کا یہ اسلوب صحیح ہے یہ ضروری ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسانوں سے الگ ہو جائے، گوشہ نشین ہو جائے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بڑے بڑے بزرگان دین جن کی مثال دی جاتی ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے وہ بزرگ تھے کہ جن کو وقت کے حکمرانوں نے ان کی اصلاحی کوششوں سے اور ان کے مقبول عام ہو جانے سے، لوگوں کے اجتماع سے، گھبرا کر شہروں سے نکال دیا تھا اور ان پر شہروں کا داخلہ بند کر دیا اور لوگوں کو ان کے پاس جانے سے روک دیا تھا لیکن ایک عجیب بات حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ بزرگ جنہیں زبردستی شہروں سے نکال دیا گیا وہ جن مراقبات اور جن مقامات میں تھے جنگلوں میں رہ کر وہ ان سے آگے ترقی نہیں کر سکے۔ ان کے منازل وہی رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترقی منازل اتباع رسالت سے ہوتی ہے اور اتباع رسالت ہوتا ہے معاملات سے جب کوئی فرد معاملات ہی سے کٹ جائے اس کا کسی کے ساتھ لین دین ہی نہ ہو معاملہ ہی نہ ہو، حق و باطل کی ضرورت ہی پیش نہ آئے تو پھر ترقی کس بات کی۔ تو فرمایا: کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو کھانے سے یا جو اللہ نے لباس کی حیثیت عطا کی ہے، گھر بنانے کی جو توفیق دی ہے یا سواری کی جو توفیق اللہ نے دی ہے اسے استعمال کرنے سے روک سکے اور کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو اللہ کے دیئے ہوئے پاک رزق سے روک دے۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یہاں فرمایا: پاکیزہ رزق۔ پاکیزہ رزق کی قید یہ ہے کہ حرام تو پاکیزہ ہو ہی نہیں سکتا۔ حرام تو ہے ہی ناپاک۔ حلال ہو اور پھر اس

میں بھی پاکی ناپاکی کا خیال رکھا جائے یعنی پاکیزہ بھی ہو۔ انسانی معاملات کا غذا پر عجیب اثر ہوتا ہے۔ دکاندار جو پھل بیچ رہا ہے بازار میں سے جو لوگ گزر رہے ہیں۔ پھل ہے، کھانے پینے کی چیزیں ہیں، خوراک کی اشیاء ہیں، ان کے بارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بیچنے والے کی شخصیت کا بھی اس پر ایک اثر ہوتا ہے وہ نیک ہے یا بدکار ہے، وہ سچا ہے یا جھوٹا ہے، وہ جائز کام کرتا ہے یا حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتا اور جو اکثریت عوام کی بازار سے گزر کے دیکھتی ہے ان کی نگاہ حسرت بھی اپنا اثر چھوڑتی ہے تو اس لئے فرمایا وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اگر آپ حلال بھی کما کر لاتے ہیں، گھر میں پکانے والے آپ کے ملازم بے نماز ہیں یا آپ کی اہلیہ اگر پکاتی ہے وہ حلال حرام، پاک ناپاک کی تمیز نہیں کرتی تو اس میں بھی وہ بات نہیں رہتی یعنی اسے پاکیزہ بھی ہونا چاہئے۔ اس کا مطلب ہے جو ہاتھ اسے چھوتے ہیں، تیار کرتے ہیں، امیر کے پاس باورچی ہیں، غریب کی بیوی بناتی ہے یا گھر کی خواتین بناتی ہیں تو اس میں پاکیزگی کا خیال اس لحاظ سے بھی رکھا جائے کہ وہ لوگ خود بھی پاکیزہ رہنے والے ہیں یا نہیں۔ اللہ کی عبادت کرتے ہیں، فرائض ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

تمام نعمتیں اللہ کے نیک بندوں کے لئے ہیں:

بڑی خوبصورت بات اللہ کریم نے ارشاد فرمائی کہ اللہ کے نزدیک اللہ کے نیک بندوں کو تم اللہ کی نعمتوں سے روکتے ہو حالانکہ ساری دنیا اللہ کے نیک اور ایماندار بندوں کے طفیل یہ نعمتیں کھا رہی ہے۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیا میں جتنی نعمتیں بدکار، کافر استعمال کرتے ہیں وہ بھی اللہ کے نیک بندوں کے طفیل استعمال کرتے ہیں دراصل یہ نعمتیں اللہ کے نیک بندوں کے لئے ہیں۔ نیکوں کے طفیل پھل اگتے ہیں، کھیتیاں اگتی ہیں، فصلیں پکتی ہیں، نعمتیں آتی ہیں اور پھر اللہ کریم کافروں کو دنیا میں یہ نعمتیں استعمال کرنے سے منع نہیں فرماتے۔ کافر طفیلی ہیں۔ آج تو معاملہ ہی اُلٹ گیا، کہ کافر کے شہر صاف ستھرے، ان کے پاس اچھی گاڑیاں، ان کے پاس اچھے لباس، ان کے اچھے کھانے اور مومنوں کے پاس دیندار ہونے کا تصور یہ ہے کہ ان کے کپڑے میلے ہوں، پھٹے ہوئے ہوں، ان کا کھانا روکھا، سوکھا ہو، ان کے پاس گاڑی نہ ہو اس زمانے میں بھی پیدل چل رہے ہوں یہ دینداری سمجھ لی جاتی ہے۔ میں دیکھتا ہوں ساتھیوں کو تبلیغ کے لئے آتے ہیں۔ اچھا کام ہے اللہ کا شکر ہے کسی کو توفیق ہو لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ اگر یہاں سے دس میل جانا ہے اور دس منٹ میں سواری پر وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ پھر بھی دس میل آنے جانے میں سارا دن صرف کر دیں کہ پیدل چلنا ہی نیکی ہے تو ہمارا رویہ غلط ہے۔ جب وسائل نہ ہوں پھر تو پیدل جانا ٹھیک ہے لیکن اگر وسائل ہیں

توسواری استعمال کر کے وقت اور محنت بچا کر کسی نیک کام پر لگانا چاہیے۔ یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ نیک آدمی کو سواری نہیں کرنی چاہیے، نیک آدمی کو اچھا کھانا نہیں کھانا چاہیے، اللہ کریم فرماتے ہیں دنیا میں جتنی نعمتیں ہیں دنیا میں تو یہ مومن کا حق ہیں اور جو اللہ کو مانتا ہی نہیں جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا وہ اللہ کی نعمتیں کیوں کھاتا ہے اس کا تو اس پر حق بھی نہیں بنتا لیکن وہ دنیا میں مومن کے طفیل کھاتا ہے۔ اس سے اس کی جواب طلبی ہوگی اور یا جواب دے گا یا پھر سزا پائے گا۔

نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ قیامت کا مطلب ہے یہ سب نظام کائنات تباہ ہو جائے، ستارے، سیارے، زمین، آسمان، ہر چیز الٹ پلٹ ہو جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا حتیٰ لا یقال اللہ اللہ اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا تب قیامت قائم ہوگی تو اس کا مطلب ہے کائنات کے دل کی دھڑکن ذکر الٰہی ہے۔ جس طرح زندہ بندے کا دل دھڑکتا ہے خواہ وہ بیمار ہے، صحت مند یا، کمزور یا، طاقتور ہے، ہوش میں ہے یا بے ہوش ہے لیکن وہ زندہ ہے۔ جب دل کی دھڑکن بند ہو جائے زندگی ختم ہوگئی اسی طرح کائنات کے دل کی دھڑکن ذکر الٰہی ہے۔ جب تک کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اچھا چل رہا ہے، برا چل رہا ہے، بہتر چل رہا ہے، کم تر چل رہا ہے لیکن چل رہا ہے۔ جب کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہیں رہے گا کائنات کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی یہ نظام ختم ہو جائے گا۔ تو اگر یہ نظام کائنات ہی ذکر الٰہی سے، اللہ کے بندوں کی اللہ اللہ کرنے سے قائم ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ ساری نعمتیں بھی ان کے طفیل ہیں۔ کوئی کھا رہا ہے تو وہ طفیلی ہے۔ اگر کوئی بدکار یا کافر یا فاسق فاجر یہ نعمتیں کھا رہا ہے تو اہل اللہ کا طفیلی ہے۔ فرمایا: قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس دنیا میں یہ تو مومنین کے لئے ہیں باقی لوگ تو ان کی طفیل کھا رہے ہیں۔ ان کا صدقہ کھا رہے ہیں۔ خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کو یہ اصول بدل جائے گا۔ دنیا میں اللہ کی رحمانیت کا ظہور ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ الرحمن کا معنی ہوتا ہے بہت بڑا مہربان لیکن اللہ کی صفت رحمانیت سے اخروی جہان میں اسے فائدہ نہیں ملے گا کہ وہ دنیا سے اسے لے کر نہیں جائے گا۔ جیسے ایک عربی کا لفظ ہے بہت زیادہ پیاسا عطشان لیکن اگر اسے پانی پلا دیا جائے تو اس کی پیاس ختم ہو جاتی ہے۔ یہ وقتی صفت ہوتی ہے تو الرحمن بھی اللہ کی صفت ہے۔ عالم دنیا میں جس کا ظہور ہے۔ اس کی رحمانیت ہے کہ مومن بھی نعمتیں کھا رہا ہے، کافر بھی کھا رہا ہے، مومن کو بھی لباس میسر ہے، کافر کو بھی لباس میسر ہے، دنیا کی ساری لذتیں مومن بھی لے رہا ہے، کافر بھی لے رہا ہے۔ یہ ظہور رحمانیت ہے لیکن آخرت کو ظہور رحیمیت ہوگا۔ الرحیم اسم فعیل کے وزن پر ہے جیسے الحکیم بہت دانا۔ اب اگر کوئی حکیم ہے تو یہ وقتی صفت نہیں ہے،

ہمیشہ کے لئے ہے۔ اگر کسی کو دانائی اللہ نے دے دی ہے تو وہ صفت کوئی چھین نہیں سکتا۔ وہ دائمی صفت ہے اس کی صفت رحیمیت اس قدر وسیع ہے کہ ازلی ابدی اور دائمی ہے۔ اس میں کافر کو حصہ نہیں ملے گا۔ اس نے دنیا میں انبیاءؑ پر ایمان نہ لا کر رحیمیت سے حصہ حاصل نہ کیا۔ دنیا میں ظہور رحمانیت ہے جس کے صدقے کافر کو بھی روزی مل رہی ہے، اولاد مل رہی ہے، اقتدار اس کے پاس ہے، مال و دولت، دنیا اس کے پاس ہے، لیکن آخرت میں ظہور رحیمیت ہوگا فرمایا قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فرما دیجئے کہ دنیاوی زندگی میں تو یہ مومنوں کے لئے ہیں غیر مومن ان کے طفیل حاصل کر رہے ہیں۔ خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ لیکن قیامت کو یہ انعامات خالص مومنوں کے لئے کر دیئے جائیں گے۔ وہاں مومنوں کے طفیل کافر نہیں لے سکے گا۔ کافر تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا وہاں کوئی نعمت کافر کو نصیب نہیں ہوگی صرف مومن کے لئے ہوگی كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ جن لوگوں میں کچھ شعور ہو لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ایسے لوگ جن کا شعور زندہ ہو۔ جو بات کا تجزیہ کر سکیں۔ حق و باطل کو سمجھ سکیں۔ حق کو باطل سے الگ کر سکیں۔ اچھی بات کو سمجھنے کا شعور رکھتے ہوں۔ ان کے لئے اللہ کریم آیات یعنی نشانیاں اور دلائل تو بڑی واضح بھیجتا ہے۔ بہت واضح دلائل سے بات ہوتی ہے قرآن کریم جو بات کرتا ہے اس پر دلیل بھی لاتا ہے۔ بے دلیل بات نہیں فرماتا لیکن دلائل بھی آخر دانشمندوں کے لئے ہیں جن کا شعور زندہ ہے، جن میں سمجھ باقی ہے دلائل انہی کے لئے ہیں۔

ہاں! اللہ نے بعض چیزوں سے روکا بھی ہے۔ فرمایا قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ میرے پروردگار نے یقیناً بے حیائی سے روکا ہے۔ برائی کی یہ بڑی خوبصورت تاویل قرآن کریم نے دی ہے۔ قرآن کریم کے کلام اور اس کی عظمت کا اصل انداز ان لوگوں کو ہے جو عربی زبان کے ماہر ہیں۔ جو جس زبان کا ماہر ہوتا ہے اس زبان کی چاشنی یا لذت یا اس کا حسن ترتیب یا اس کے الفاظ کا استعمال اس کا اندازہ کرنا یہ اس کا کام ہے اور اللہ کریم نے کفار کو یہی چیلنج دیا تھا جو آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا کہ اس طرح کا کوئی ایک جملہ بنا دو۔ یہاں دیکھیں فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ تو گناہ سے منع کیا، برائی سے کیا۔ یہاں گناہ بھی نہیں کہا، اثم بھی نہیں کہا، برائی بھی نہیں کہا بلکہ فواحش کہا۔

فواحش کیا ہیں؟

ہر وہ کام جو آپ سر عام کرنے سے گھبراتے ہوں وہ فحش ہوتا ہے۔ کوئی بھی ایسا کام جو آپ دوسروں کے سامنے کرنے سے گھبراتے ہوں وہ فحش ہے یا جس کے اظہار سے بندے کو ڈر لگتا ہے کہ میں یہ کام تو کر رہا

ہوں لیکن کسی کو پتہ چل گیا تو بڑی بدنامی ہوگی تو وہ کام فحش ہوگا۔ اور ہر گناہ کے ساتھ یہ کیفیات لگی ہوئی ہے۔ یعنی بڑی عجیب بات یہ ہے کہ کوئی رشوت لیتا ہے تو اسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ یہ ظاہر نہ ہو جائے، کوئی چوری کرتا ہے تو ڈرتا ہے کہ کسی کو پتہ نہ چل جائے، کوئی کسی کے ساتھ دھوکا کرتا ہے تو اسے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بدنامی ہوگی۔ قرآن کریم کے الفاظ کا انتخاب ہی بڑا عجیب ہے کہ ہر طرح کا گناہ اس ایک لفظ میں سمو دیا فرمایا: یقینا میرے پروردگار نے ہر فحش کام سے منع فرمایا ہے۔ ہر ایسے کام سے منع فرمایا ہے جو آپ فخر کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ فرمایا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کچھ ان میں ظاہر بے حیائی کے کام ہیں۔ یعنی کچھ لوگ اس چیز سے آگے نکل جاتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے جیسے آج کل کی خواتین سرعام گانا گاتی ہیں اور اس پر فخر کرتی ہیں۔ ایک خاتون کا پردہ لازمی تھا اس نے اس کو توڑا، خاتون کی آواز کا بھی اتنا ہی پردہ ہے، اس کو توڑا اور پھر گانا ویسے حرام ہے گانا گایا۔ یہ تین حرام کام کر کے اس پہ فخر بھی کرتی ہیں۔ اسی پر بس نہیں پھر کہتی ہیں کہ مجھ پر اللہ کا بڑا انعام ہے۔ یہ عجیب منطق ہے۔ اس آیت مبارکہ میں فواحش کی تعیین کر دی گئی ہے۔ فرمایا: جو بے حیائیاں ظاہر ہیں جن کو کرنے سے لوگ نہیں شرماتے ان سے بھی اللہ نے منع کیا ہے۔ جن لوگوں میں کچھ حیاء باقی ہے انہیں تو لفظ بے حیاء کی سمجھ آ گئی۔ لیکن جو حیاء چھوڑ چکے ہیں اور ظاہراً بے حیائی کرتے ہیں اور ان پر فخر بھی کرتے ہیں اس سے بھی اللہ نے منع کیا ہے اور جو چھپ کر بے حیائی کرتے ہیں اللہ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے۔ یعنی بے حیائی کی کوئی صورت بھی ہو، وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو۔ سب حرام ہے۔ کچھ طبقے ایسے ہیں جو ظاہراً بر سرعام کرتے ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں اللہ نے اس سے بھی روک دیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو چھپ کر کرتے ہیں اس سے بھی اللہ نے منع فرما دیا ہے۔ وَالْاِثْمَ اور گناہ سے روکا ہے۔

گناہ کیا ہے؟

گناہ یہ ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان جو رشتہ ہے اس کی خلاف ورزی کی جائے۔ اللہ خالق ہے، مالک ہے، اس نے پیدا کیا، وہ رازق ہے، تمام نعمتیں دے رہا ہے۔ اس کا حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی عبادت کی جائے، بندہ مخلوق ہے تمام نعمتیں حاصل کر رہا ہے اور اس پر اس کی اطاعت سے انکار کرے یا عملاً اطاعت نہ کرے۔ انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔ عملاً اطاعت نہ کرے گا تو گناہگار ہو جائے گا۔ اِثْمَ یہ ہے کہ ذاتی معاملات میں، اپنی ذاتی زندگی میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کرے۔ وَالْبَغْيَ اور بغاوت کرے۔ بغاوت کیا ہے؟ یہ کہ دوسروں کے حقوق میں بھی مداخلت کرے یعنی اپنی ذات تک رہے تو یہ گناہ ہوگا لیکن اگر ایسے امور میں اطاعت نہ کرے جن سے دوسروں کے حقوق بھی

متاثر ہوتے ہیں تو یہ اللہ سے بغاوت ہوگی۔ اللہ نے اپنی ساری مخلوق کو حقوق دیئے ہیں وہ کافر بھی ہے تو اس کے بھی حقوق ہیں۔ کافر کو بھی حق حاصل ہے، زندہ رہنے کا، روزی کمانے کا، بچے پالنے کا۔ حکومت اسلامیہ پہ ضروری ہوگا کہ کافر کی زندگی کا تحفظ بھی یقینی بنائے۔ اس کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرے، اس کے لئے روزی کے وسائل مہیا کرے، اس کے بیماروں کے علاج معالجے کا انتظام کرے اور اسے پورے اعزاز کے ساتھ معاشرے میں رہنے کا حق حاصل ہو اور وہ اپنے عقیدے کے مطابق بت کی پوجا کرنا چاہیے بت کی کرے، آگ کی پوجا کرنا چاہے آگ کی کرے، اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت کرے۔ اب ہم معاشرہ کو اگر دیکھیں تو معاشرہ کس جگہ پہنچ گیا ہے کہ کافر تو کافر ہے۔ مسلمانوں میں سے بھی جو نیک لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں، انہیں بھی عبادت گاہوں میں، مساجد میں قتل کیا جارہا ہے اور بلا وجہ کیا جارہا ہے۔ کسی کو حکومت سے شکائت ہے یا مخالفت ہے تو حکومت سے بات کرے۔ نمازیوں کو قتل کر کے حکومت کا کیا بگڑ جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے کہ مخلوق کے حقوق کو پامال کیا جائے، اللہ کے بندوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے۔ زندگی اللہ نے دی ہے، زندگی بسنے کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اگر کوئی زندگی دے نہیں سکتا تو اسے زندگی لینے کا بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ اگر کسی کی موت آجائے تو دنیا کا کوئی ڈاکٹر، کوئی انسان، کوئی مشین اس کی موت کو روک نہیں سکتی۔ اس کو زندگی دے نہیں سکتی، اس نے تب تک ہی رہنا ہے جب تک اللہ نے زندگی دی ہے۔ تو زندگی لینے کا اختیار بھی اسی ہستی کو ہے جس نے زندگی دی ہے۔ اور یہ اختیار اللہ کی مخلوق کو ہے اس تمیز کے بغیر کہ وہ مومن ہے یا کافر۔ حتیٰ کہ جانور کو بھی بلاضرورت نہ مارا جائے۔ شکار جائز ہے لیکن شکار میں جانوروں کو ختم کرنا مقصد نہیں۔ اپنی ضرورت کا شکار کرلیں چونکہ وہ حلال ہے۔ اس موذی جانور کو مارنا بھی جائز ہے جو آپ کو نقصان پہنچاتا ہے، موذی ہے ایذا دیتا ہے یا کوئی درندہ ہے جو آپ کے جانوروں کو مارتا ہے یا انسانی آبادی میں گھس آتا ہے، تکلیف دیتا ہے اسے مارنا جائز ہوگا۔ لیکن اگر کوئی درندہ تکلیف نہیں دیتا اور وہ جنگل میں پھر رہا ہے تو اس جنگلی جانور کو بھی شغلاً مارنا جائز نہیں۔

شکار کرنا حلال ہے اور الطیب الرزق ہے۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شکار کا بڑا شوق ہوتا تھا اور شکار کرتے تھے تو کسی نے پوچھا حضرت آپ صاحب دل، صاحب حال آدمی ہیں ایک متجر عالم ہیں۔ اللہ اللہ کرنے والے لوگوں میں سے ہیں تو آپ جانوروں کو ہرنوں کو مارتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا انہیں اللہ نے حلال کیا ہے، کھانے کے لئے اور یہ الطیب الرزق ہے یعنی بہترین رزق ہے کہ جو اللہ سے بندہ براہ راست وصول کرلیتا ہے۔ درمیان میں نہ کوئی آڑھتی ہے نہ کوئی دکاندار، نہ کوئی سوداگر ہے۔ سیدھا سیدھا اللہ سے

رزق لے لیا جاتا ہے ایک بات۔ دوسری بات انہوں نے فرمائی کہ اس سے جہاد کی بہترین تربیت ہوتی ہے، نشانہ بازی کی تاک لگانے کی مشق ہوتی ہے۔ یہ اپنا اپنا نقطۂ نظر ہے۔ بعض محض عیاشی کے لئے شکار کرتے ہیں اور سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو جانور مار دیتے ہیں اور ساتھ یہ کرتے ہیں کہ کھال اُتار کر لے گئے، گوشت پھینک دیا۔ اس طرح سے جانوروں کو مارنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی درندہ نقصان نہیں پہنچاتا تو اسے نہیں مارا جائے گا۔ جیسے سانپ بڑا موذی جانور ہے۔ گھر میں دیکھا جائے تو مار دیا جاتا ہے لیکن کوئی ایسی مہم چلانا جائز نہیں کہ جنگل میں نکل جاؤ، جہاں سانپ نظر آئے مار دو۔ صرف یہ اجازت ہے کہ جہاں آپ کو خطرہ ہے اسے مار دیں۔ کوئی جانور آپ کو تکلیف دیتا ہے، نقصان کرتا ہے مار دیں۔ یہ جائز ہے لیکن بلا وجہ کسی درندے کو بھی نہیں مارا جائے گا۔ اگر جانوروں کے لئے اتنا اہتمام ہے تو انسان کی تو بہت بڑی عظمت ہے۔ ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ ایک غریب آدمی مزدوری کرنے جاتا ہے، قتل ہو جاتا ہے۔ گھر سے سبزی لینے نکلتا ہے، قتل ہو جاتا ہے یہ کون سی ریاست ہے، یہ کون سا اسلام ہے، یہ کون سا دین ہے، ہم کیسے مسلمان ہیں؟ اسلام تو سلامتی کا دین ہے، کائنات کو سلامتی کا پیغام دینے والا دین ہے۔ مسلمان تو سلامتی کا علمبردار ہوتا ہے، دوسروں کی زندگیاں تلخ کرنے کا نہیں۔ فرمایا یقیناً میرے اللہ نے روک دیا ہے فواحش سے، بے حیائی سے ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور جرم سے روکا ہے، گناہ سے روکا ہے۔ جرم اور گناہ کیا ہیں؟ جو انسان کی اپنی ذات تک محدود ہوں جس سے دوسروں کے حقوق متاثر نہ ہوتے ہوں۔ جیسے صلوٰۃ ہے فرض نمازیں ہم ادا نہیں کرتے اس سے دوسرے کا تو کوئی نقصان نہیں۔ روزہ ہم پر فرض ہے اور ہم بلا عذر شرعی روزہ نہیں رکھتے تو یہ ہمارا اور اللہ کا معاملہ ہے اس میں دوسرے کا نقصان نہیں لیکن اگر ہم حرام کماتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، دوسرے کا مال دبا لیتے ہیں، اس طرح معاملات میں جہاں دوسرے انسانوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں تو یہ صرف گناہ نہیں ہے، یہ بغاوت ہے۔ تو فرمایا، یقیناً میرے اللہ نے، میرے پروردگار نے، میرے پالنہار نے بے حیائی سے منع کیا ہے۔ کوئی چھپ کر کرے یا ظاہر کرے اور گناہ سے روکا ہے جو اپنی ذات تک محدود ہو اور ناحق بغاوت سے روکا ہے۔

بغاوت تو ہوتی ہی ناحق ہے پھر اسے ناحق بغاوت کیوں کہا؟ اس لئے کہا کہ بغاوت کرنے والا جانتا ہے کہ میں ناحق کر رہا ہوں۔ یعنی یہ نہیں کہ اسے نہیں پتہ چلتا۔ جب دوسروں کے حقوق چھین رہا ہوتا ہے تو کون ایسا بے خبر ہے کہ دوسروں کے حقوق پامال کر رہا ہو۔ ناجائز طریقے سے، لوگوں کا مال لے رہا ہو اور اسے پتہ ہی نہ چلے۔ یہ اس لئے بھی ممکن نہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے جب اعلان فرما دیا تو تعلیمات نبوی میں یہ قوت ہے کہ ہر فرد تک پہنچتی ہیں اور ہر جرم کرنے والا جانتا ہے کہ میں جرم کر رہا ہوں۔ تو جب جانتا ہے

اور پھر کرتا ہے تو فرمایا یہ بہت بڑی ناحق بات ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ حق کے خلاف ہے۔ فرمایا: وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا کسی ذات میں یا اس کی صفات میں کسی دوسرے کو حصے دار نہ بناؤ، اس سے اللہ نے روکا ہے۔ کوئی نہ اس کی ذات میں حصے دار ہے نہ اس کی صفات میں شریک ہے۔ سب سے افضل ترین مخلوق اس کی انبیاءؑ اور رسولؑ ہیں لیکن وہ بھی اس کی مخلوق ہیں۔ اس کے بندے اور اطاعت گزار ہیں۔ کوئی اس کی ذات اور اس کی صفات میں شریک نہیں۔ وہ ذات پاک ہے وراء الوراء ہے اس کی صفات کوئی دوسرا اپنا نہیں سکتا۔ سمجھنا چاہیے کہ صفاتی ناموں میں اور صفات میں اشتراک پایا جاتا ہے یہ اشتراک لفظی ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ الفتح:10 ان کے ہاتھوں کو بھی اللہ نے ہاتھ کہا اور اللہ نے اپنے دست قدرت کو بھی ہاتھ کہا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے لیکن جب ہاتھ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو دست قدرت وہ مراد ہوگا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ لفظ ایک ہی ہے ''ید'' جب انسانوں کی طرف ہوگی تو ہاتھ وہ مراد ہوگا جو انسان کے لائق ہے۔ یعنی صفاتی ناموں میں اشتراک ہوسکتا ہے لیکن جب اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس کی شان کے مطابق صفت ہوگی۔ اور جب بندے کی طرف ہوگی تو اس کی حیثیت کے مطابق وہ صفت ہوگی۔ یہاں آ کر لوگوں کو مغالطہ لگتا ہے اور بعض صفاتی ناموں کو لے کر وہ سمجھتے ہیں کہ کام برابر برابر ہے۔ مخلوق اور خالق برابر نہیں ہوسکتے۔ خالق خالق ہے، مخلوق مخلوق ہے۔ تو فرمایا اللہ کریم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی اس کی ذات یا صفات میں شرک کرے مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا شرک ایک ایسی مصیبت ہے جس پر اللہ نے کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ اسے سختی سے منع کیا ہے۔ شرک کرنے کی کوئی دلیل کسی کے پاس موجود نہیں۔ اگر کوئی ہے تو انکل پچو ہے۔ اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ مُنزَل من اللہ نہیں کسی دین، کسی کتاب، کسی مذہب، کسی نبیؑ، کسی رسولؑ پر کوئی بات آسمانوں سے نازل نہیں ہوئی جہاں شرک کی اجازت ملتی ہو۔ وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴿۳۳﴾ اور یہ آخری جملہ بہت ہی توجہ طلب ہے۔ قرآن کریم میں آتا ہے اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو چیزیں تم نہیں جانتے وہ اللہ کے ذمے مت لگاؤ۔ یہ وہ جرم ہے جس میں ہم آج کے مسلمان بہت پھنسے ہوئے ہیں۔

رواج اور بدعت میں فرق:

یہ جرم ہے کہ ہم رسومات اور رواجات کو باعث ثواب بنا دیتے ہیں حالانکہ قرآن میں اس کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ سنت سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی لیکن چونکہ ہمارے ہاں ایک رواج کے طور پر چل نکلتی ہے تو ہم اس کو رواج کہہ دیتے ہیں تو کسی رواج کو روا جا سمجھ کر کرنا تب تک منع نہیں ہے جب تک وہ خلاف شریعت نہ

ہو۔کوئی رواج نبیؐ کے احکام سے ٹکراتا ہو شریعت سے ٹکراؤ ہو تو شریعت کو مانا جائے گا رواج کو چھوڑ دیا جائے گا۔لیکن کوئی رواج مباح میں آتا ہو منع نہ ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسے ثواب نہیں سمجھا جائے گا اسے عبادت نہیں سمجھا جائے گا اور جن رواجات کو عبادت قرار دے دیا جاتا ہے یہ اللہ کے ساتھ بغاوت قرار پاتی ہے۔ یہ شریعت کی خلاف ورزی ہے۔عبادت کیا ہے؟ اور کیا نہیں یہ بتانا منصب نبوت ہے۔ شریعت میں اسی کو بدعت کہتے ہیں۔ ہر نئے کام کو بدعت نہیں کہتے۔ بدعت کا لفظی مطلب ہوتا ہے۔کوئی نیا کام شروع کرنا۔ اردو میں اس کے لئے ابتداء استعمال ہوتا ہے۔ کسی کام کو شروع کرنا، کسی کام کی ابتداء کرنا لیکن اگر اس کام کو ثواب کہہ دیں تو پھر یہ بدعت شرعی بن جائے گی۔شرعی بدعت بہت بڑا جرم ہے بلکہ علماء حق فرماتے ہیں کہ بدعت کا ایجاد کرنے والا یا بدعت پر عمل کرنے والا اپنی نبوت کا مدعی ہے۔ یہ تو نبیؐ کی عظمت تھی نبیؐ کا منصب تھا کہ وہ بتاتے کیا ثواب ہے کیا گناہ ہے تو جس بات کو اللہ کے نبیؐ نے ثواب نہیں بتایا۔اور ہم میں سے کوئی کہتا ہے یہ ثواب ہے تو وہ اپنی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے۔ کتنا بڑا جرم ہے اور پھر علماء حق فرماتے ہیں بدعت کی مجبوری یہ ہے کہ جب بندہ اسے ثواب سمجھ لیتا ہے تو پھر اس سے توبہ نہیں کرتا۔یعنی بدعت سے توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ جب تک یہ سمجھ نہ لیا جائے کہ بدعت کیا ہے اور سنت عالی کیا ہے۔ یہ بڑا نازک سا معاملہ ہے۔اب کسی چیز کو ثواب کہنا یہ منصب اللہ کا ہے۔ نبیؐ اگر کسی چیز کو ثواب کہتا ہے تو اللہ کے حکم سے کہتا ہے۔اگر کوئی عام آدمی کہتا ہے تو اس نے پھر اللہ پر بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ بولا تو فرمایا، **وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**○ جو چیزیں تم نہیں جانتے وہ اللہ کے نام نہ لگایا کرو۔ یہ بدعات، رواجات ایمان کے لئے بہت مہلک ہیں۔ یاد رکھیں عمل میں کمی ہو جائے تو وہ بھی ایمان کو متاثر کرتی ہے۔ایمان میں کمی آتی ہے اس لئے عمل پر ثابت قدم ہونا چاہئے لیکن ایمان مضبوط ہو تو توفیق عمل بھی ہوتی ہے۔اور اگر ایمان ہی جاتا رہے، تو توفیق عمل بھی سلب ہو جاتی ہے۔عمل کس بات پر کرے گا۔اسے یقین ہی نہیں ہے۔اس لئے بدعت ایمان کے منافی ہے۔ایمان کو کمزور کر دیتی ہے۔لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہیے، ہر رواج کو باعث ثواب نہیں بنا لینا چاہیے۔ اگر وہ مباح ہو تو اسے رواج سمجھ کر عمل کریں اور اگر وہ دین ہے تو اسے عبادت سمجھ کر عمل کریں۔لیکن دین وہی دین ہے جو اللہ کے نبی ﷺ سے آپ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴿۳۴﴾ فرمایا انسان کے پاس دنیا میں ایک معین وقت تک کے لئے فرصت ہے۔اور اس کے پاس یہی اختیار ہے کہ اللہ کریم کے واضح کردہ نیکی اور برائی کے راستوں میں سے اپنی مرضی سے وہ کون سا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے؟ اگر وہ

نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے تو اللہ کریم اس کی مدد فرماتے ہیں اور اسے نیکی پر کاربند ہونے کی توفیق اور قوت عطا کرتے ہیں لیکن اگر وہ اپنی پسند سے برائی چنتا ہے اور برائی کی طرف، نافرمانی کی طرف جاتا ہے تو یہ اس کا اپنا انتخاب ہے لیکن برائی اور اللہ کی نافرمانی اور کفر آخر عذاب الٰہی تک لے جاتا ہے اور اس کا انجام جہنم ہے۔ تو فرمایا کسی قوم کو، کسی فرد کو، کسی جماعت کو، وقت سے پہلے اٹھایا نہیں جاتا اور وقت کے بعد مہلت نہیں دی جاتی۔ ہر ایک کے لئے ایک معیّن مدت ہے جب وہ پوری ہوتی ہے تو انہیں دنیا سے بہر حال اٹھ جانا ہے۔ وہ امیر ہوں، فقیر ہوں، بادشاہ ہوں، سلطان ہوں، پڑھے لکھے ہوں یا جاہل ہوں کوئی بھی ہوں۔ ان کے پاس مقرر وقت ہے۔ ایک معیّن معیاد ہے۔ اس میں اگر اللہ کی رضا اور اللہ کے احکام کی اطاعت اختیار کی تو کامیاب رہا۔ نافرمانی کی تو ناکام رہا۔ پھر دوبارہ کسی کو دنیا میں واپس آنے کا موقع نہیں ملے گا نہ ہی معیاد زندگی، بڑھائی جائے گی اور فرمایا ہم نے تو بتا دیا تھا کہ اے اولادِ آدم ہماری طرف سے تمہارے پاس نبیؑ آئیں گے، پیغمبرؑ آئیں گے اور پیغمبرؑ اتنی عظیم ہستی ہوتے ہیں کہ جو اللہ کی بات بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ کلام الٰہی سننے کے لئے، وحی الٰہی سننے کے لئے، ایک خاص تقدس اور پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ انبیاءؑ کا تقدس ملائکہ سے بڑھ کر ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کی عظمت:

حضور اکرم ﷺ کی روح مبارک کی بات نہ کریں، جسم اطہر کی بات کریں جو انسانی جسم تھا۔ جو بشری جسم تھا، جو اولاد آدم میں سے تھا۔ آپ ﷺ کا جسم اطہر، آپ ﷺ کی بشریت بھی اتنی پاکیزہ اور اتنی لطیف تھی کی شب معراج سدرۃ المنتہٰی پر جا کر فرشتوں کے سردار حضرت جبرائیل امین نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ یہ میری حد ہے اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔

اگر یک سرِ موئے برتر فرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

اگر میں اس سے سر مو بھی آگے حرکت کروں تو تجلیات باری مجھے جلا کر راکھ کر دیں۔ لیکن آپ وجود اطہر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس سے آگے تشریف لے گئے۔ بات روح کی نہیں بات وجود اطہر کی تھی۔ حضور اکرم ﷺ اپنے جسم مبارک کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے۔ یعنی آپ ﷺ کا مبارک جسم اطہر بھی جبرئیل امین کی پاکیزگی اور طہارت اور لطافت سے زیادہ لطیف تر، زیادہ پاکیزہ، زیادہ اطہر و مطہر ہے۔

تو کلام الٰہی کو سننے، سمجھنے یا قبول کرنے کے لئے وہ طہارت چاہیے ہے جو انبیاءؑ کو نصیب ہوتی ہے۔ اسی لئے نبیؑ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ کسی نبیؑ سے گناہ صادر ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ یعنی وہ گناہ کر سکتے ہی نہیں۔ ان میں وہ مادہ ہی نہیں ہوتا۔ تو فرمایا اے اولادِ آدم اتنا عظیم مرتبہ اور مقام نبوت جو ہے اس کے لئے میں نے فرشتوں کو وہ تقدس نہیں دیا۔ تم ہی میں سے اپنے رسولؑ منتخب فرمائے۔ یعنی آدمؑ کی اولاد میں سے۔

ہمارے ہاں بشریت پر جھگڑا ہوتا ہے اور جھگڑا کرنے والوں کو مغالطہ لگتا ہے، کہ وہ آپ ﷺ کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر لیتے ہیں۔ یہ انتہائی کم فہم ہونے کی دلیل ہے۔ بشریت کا جو معیار محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، وہ صرف آپ ﷺ کا ہے۔ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو میسر نہیں۔ اللہ نے جس مخلوق کو نور سے پیدا کیا ہے۔ یعنی فرشتے وہ آپ ﷺ کے درِ اقدس کے خادم ہیں۔ آپ ﷺ کی بشریت کا تقدس تو یہ ہے کہ نوری مخلوق آپ ﷺ کے درِ اقدس کی خادم ہے۔ اور حق یہ ہے علماء حق فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ذات والہ صفات کے بارے بحث کرنا، جرح کرنا منع ہے، جائز نہیں ہے۔ حضور ﷺ کی ذات ہمارے ادراک، ہمارے علوم اور ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ تو اللہ کریم یہ احسان بھی یاد دلا رہے ہیں کہ اے اولادِ آدم اِیَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ میرے رسولؑ تمہارے پاس آئیں گے۔ میرا پیغام لانے والے پیغمبرؑ تمہارے پاس آئیں گے اور وہ انسانوں ہی میں سے ہوں گے۔ یعنی یہ اعزاز آدمیت کا ہے، اولادِ آدم کا ہے، بنی نوع انسان کا ہے تو یہ منصب جلیلہ جن ہستیوں کو میں دوں گا وہ تم ہی میں سے ہوں گے۔ انسان ہی ہوں گے لیکن ان کا مقام اتنا بلند ہوگا کہ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وہ تم پر میری باتیں بیان کریں گے کہ ان کا منصب جلیلہ یہ ہوگا کہ میری بات، میری آیات بذریعہ وحی مجھ سے وصول کریں گے۔ سمجھیں گے، اس کا مفہوم سمجھیں گے اور میرا پیغام تم تک پہنچا دیں گے۔ اب تمہارے ذمے کیا ہے؟ تقویٰ اختیار کرنا۔ اللہ تعالیٰ سارے جہان کا مالک بھی ہے، خالق بھی ہے، پالنہار بھی ہے، جو کچھ کسی کے پاس ہے اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس کا عطا کردہ ہے۔ ساری نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ لہٰذا انسان پر واجب ہے کہ اسے ہی اپنا رب سمجھے۔ جن لوگوں تک انبیاءؑ کی تعلیمات نہیں پہنچتیں۔ دنیا کے ایسے کسی خطے میں ہیں کہ جہاں پر ساری زندگی کسی نبیؑ کی تعلیم نہیں پہنچی یا ایسے زمانے میں ہے جس میں انبیاءؑ کی تعلیمات عام نہیں ملتیں۔ جیسے حضور اکرم ﷺ سے پہلے عیسیٰؑ سے لے کر حضور اکرم ﷺ تک عہد فترت کہتے ہیں جس میں تعلیمات نبوت گم ہو گئیں۔ حضور اکرم ﷺ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ کہیں کوئی حق بات ملتی نہیں تھی۔ تو ان پر بھی واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اس نظام کو دیکھ کر، سورج کے طلوع و غروب، موسموں کے تغیر و تبدل، کائنات میں تخلیق کے مسلسل عمل، اپنے آپ کو، اپنے

وجود کو، اپنے اندر اس سارے نظام کو دیکھ کر وہ یہ سمجھ لیں کوئی واحد و لاشریک ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے نظام کو روکنے والا، ٹکرانے والا، اس کی مخالفت کرنے والی دوسری کوئی ہستی نہیں ہے۔ صرف اللہ ہی واحد ہے، لاشریک ہے۔ جس نے اس حقیقت کو پالیا وہ بھی مسلمان ہے۔ لیکن جب نبیؑ مبعوث ہوتا ہے پھر نبیؑ کی تعلیمات اول و آخر اللہ کی بات ہوتی ہے۔ فرمایا: يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ وہ میری بات ہے۔ نبیؑ کی بات اللہ کی بات ہوتی ہے۔ پھر جتنی بات نبیؑ سے پہنچے اسے ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔

دنیاوی زندگی کا مزا بھی نبیؑ کے اتباع میں ہے:

نبیؑ کی تعلیمات بہت خوبصورت، بہت پُر لطف، بہت نفع رساں، نقصان سے بچانے والی، حیات جاوداں، بخشنے والی اور تباہی سے حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ نبیؑ کی تعلیمات ایسی نہیں ہوتیں کہ بندے پر گراں گزرے بلکہ اس کی تعلیم و ترقی کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ دنیاوی زندگی کا مزا بھی نبیؑ کے اتباع میں، نبیؑ کی تعلیم کے اتباع میں ہے اور اس کے ساتھ اس کی آخرت بھی سنور جاتی ہے یعنی یہ جو عارضی زندگی ہے اس میں بھی وہی لوگ خوش رہتے ہیں، خوشحال رہتے ہیں جو اللہ کے نبیؑ کی اطاعت کرتے ہیں اور دائمی زندگی کی خوشحالی بھی اُنہی کو نصیب ہوتی ہے۔ سو فرمایا يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ میرے انبیاءؑ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہیں گے تمہیں میری، تعلیمات پہنچائیں گے۔ اب تم میں سے فَمَنِ اتَّقٰى جس نے تقویٰ اختیار کر لیا انہیں نہ کوئی خوف ہوگا نہ افسوس۔

تقویٰ کیا ہے؟ اللہ جل شانہٗ سے اطاعت کا تعلق۔ جس نے ان باتوں پر عمل کیا، جس نے دل و جان سے قبول کیا، ان پر ایمان لایا، اللہ پر، اللہ کے نبیؑ پر، نبیؑ کے ارشادات پر اور وَاَصْلَحَ اپنی عملی زندگی کی اصلاح کر لی۔ یعنی نبیؑ کی ہر بات اصلاح کرتی ہے، خرابی نہیں کرتی۔ تعلیمات نبوت کا کمال یہ ہوتا ہے کہ نبیؑ کا ہر ارشاد اصلاح کرتا ہے۔ دنیاوی امور میں بھی، اخروی امور میں بھی، زندگی میں بھی، موت میں بھی۔ خانگی تعلقات ہوں یا معاشرتی ہوں یا لوگوں سے لین دین ہو۔ ذاتی بات ہو، خاندانی ہو، معاشرتی ہو، ماحول کی ہو، ملک کی ہو، قوم کی ہو یا بین الاقوامی ہر شعبہ زندگی میں نبی ﷺ کی تعلیمات اصلاح فرماتی ہیں۔ سو جس نے اطاعت اختیار کی، تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ انہیں نہ کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ کوئی افسوس ہوگا۔ خوف ہوتا ہے پیش آنے والے واقعات کا ڈر کہ جانے کیا ہوگا؟ فرمایا جو میرے نبیؑ کی اطاعت کریں گے انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا۔ ان پر موت بھی آئے گی تو ان کے لئے وہ بھی لذیذ ہوگی۔ انہیں آرام پہنچائے گی اور انہیں اس میں بھی لذت حاصل ہوگی وہ قبر میں جائیں گے تو وہ بھی ان

کے آرام کا سبب ہوگی۔ میدان حشر میں آئیں گے تو وہاں بھی رحمت الٰہی کے زیر سایہ ہوں گے اور اللہ کی جنت نصیب ہوگی اور بے پناہ نعمتیں نصیب ہوں گی۔ انہیں کوئی ڈر نہیں ہوگا وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور نہ کوئی افسوس ہوگا کہ وہ فلاں کام میں نے کیوں کیا؟ کیونکہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی۔ افسوس ہوتا ہے گزشتہ پر کہ مجھ سے کیوں ہوا اور ڈر ہوتا ہے آئندہ کا تو فرمایا جنہوں نے دامانِ رسالت تھاما، جنہوں نے پیغمبرؐ کی اطاعت کی، اپنی اصلاح کی، انہیں نہ ڈر ہوگا اور نہ افسوس وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا لیکن چونکہ معاملہ لوگوں کی پسند پر ہے۔ زبردستی منوایا نہیں جارہا۔ حکماً نہیں منوایا جارہا تو جن لوگوں نے دوسرا راستہ پسند کرلیا اور میری آیات کی تکذیب کردی۔ کہ ہم تو نہیں مانتے۔ ہم سے تو یہ نہیں ہوتا۔ وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا فرمایا آیات الٰہی ہوں اور اللہ کا نبیؑ اور اللہ کا رسول ﷺ سنائے، پہنچائے اور بندہ نہ مانے یہ کیسے ممکن ہے؟ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فرمایا انسان میں ایک بیماری پیدا ہوجاتی ہے جسے تکبر کہتے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔ یہ شیطان نے شروع کیا تھا جب اسے انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اس نے انکار کردیا تھا پھر جب پوچھا گیا ''تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا'' تو اس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ الاعراف: 12 میں اس سے بہتر ہوں۔ میں اپنے سے کمتر کو سجدہ کیوں کروں؟ میں اس سے تو بہتر ہوں۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ الاعراف: 12 آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اس کو مٹی، کیچڑ سے پیدا کیا۔ یعنی اللہ کی خالقیت کا اقرار بھی کررہا ہے۔ اس کے خالق ہونے کا اقرار بھی کررہا ہے اور ساتھ انکار بھی کررہا ہے اور یہاں اپنا فیصلہ دے رہا ہے۔ اگر خالق اللہ کو مان رہا ہے تو پھر اسے فیصلہ بھی اللہ کا ماننا چاہئے۔ خالق بہتر جانتا ہے کہ کون افضل ہے اور کون اس سے کم تر ہے لیکن خالق تو اللہ کو مان رہا ہے اور فیصلہ اپنا دے رہا ہے کہ میں چونکہ آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سے تو آگ مٹی سے بہتر ہے۔ فرمایا شیطان کے ساتھ تعلق رکھنے میں شیطان کی پیروی کرنے میں وہ شیطنت اور تکبر بندے میں آجاتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ پھر وہ اپنی رائے کو احکام الٰہی پر فوقیت دے دیتا ہے۔ جیسے اللہ کریم نے صلوٰۃ پنجگانہ فرض فرمائی اور جب تک حواس قائم ہیں اس پر پنجگانہ نماز فرض ہے۔ بیمار ہے، کھڑا نہیں ہوسکتا، بیٹھ کر پڑھ لے۔ وضو نہیں کرسکتا، تیمم کرلے۔ بیٹھ نہیں سکتا، لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ چار رکعت نہیں پڑھ سکتا دو پڑھ لے لیکن معافی نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ مجنون ہوجائے یا بے ہوش ہوجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ النسا: 103 ایمان والوں پر اپنے وقت پر نماز فرض ہوجاتی ہے۔ ہر فرض نماز کے اوقات ہیں۔ ان اوقات

میں ان کا ادا کرنا فرض عین ہے۔ ان سے کوئی مفر نہیں۔ آپ دیکھیں گے معاشرے میں لوگ کہتے ہیں ''چھوڑو جی نمازوں کو نمازوں میں کیا رکھا ہے''۔ ہم ویسے بڑی نیکیاں کرتے ہیں۔ میں جھوٹ نہیں بولتا، کسی کا مال نہیں کھاتا۔ اور بڑی نیکیاں ہیں جو معاشرے میں ہم کرتے ہیں۔ نمازوں میں کیا رکھا ہے۔ اب یہ بظاہر سادہ سا جملہ ہے لیکن یہ صریح کفر ہے۔ یہ ایک جملہ بندے کو ایمان کی صف سے نکال کر کفر کی قطار میں کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ فیصلہ تو بندہ اپنی طرف سے کر رہا ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ نماز ادا کرو۔ اور یہ کہہ رہا ہے نمازوں میں کیا رکھا ہے؟ گویا یہ شیطان کی طرح اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ اللہ نے ایک فضول حکم دے دیا اس میں کیا رکھا ہے (معاذ اللہ)۔ اور آج کے معاشرے میں آپ اکثریت کو دیکھیں گے جو نماز ادا نہیں کرتے۔ وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ نمازوں میں کیا رکھا ہے۔ ہم اور بہت سی نیکیاں کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو بندہ بنیادی اطاعت الٰہی نہیں کرتا وہ اور کون سی نیکیاں کر رہا ہوگا۔ گویا نیکی بدی بھی وہ اپنی طرف سے مقرر کر لیتے ہیں۔ جو کام خود کو پسند ہے کہتے ہیں یہ میں نے نیکی کر لی۔ تو اللہ کی آیات کا انکار کوئی کیوں کرے گا؟ فرمایا بندے میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اپنی رائے کو زیادہ اہمیت دینے لگ جاتا ہے۔ اس تکبر میں آ کر وہ اللہ کی آیات کا انکار کر دیتا ہے۔ ویسے یہ بات میں نے مثال کے طور پر عرض کی کہ جب کوئی کہتا ہے کہ نماز میں کیا رکھا ہے تو گویا اس نے احکام الٰہی کا انکار کر دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے جہنم تیار کی گئی ہے اور پھر جو ایمان ضائع کر کے مر جائے گا کفر پر مر جائے گا۔ جسے کفر پر موت آ گئی پھر اسے دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ نہ وہ وہاں مر سکے گا، نہ وہاں کوئی زندگی کا تصور ہوگا۔ جینے کا تصور اس لئے نہیں ہوگا کہ ہر وقت مختلف عذاب سے دوچار ہوگا اور آگ اسے ہر وقت جلا رہی ہوگی اور مر نہیں سکے گا کبھی ختم نہیں ہوگا لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾ طٰہٰ: 74 وہاں مر بھی نہیں سکیں گے اور زندگی کا بھی وہاں کوئی مزہ نہیں ہوگا کہ ایندھن کی لکڑی کی طرح جل ہی رہے ہوں گے اور فرمایا جہنم بہت بڑی سزا ہے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہ ختم ہونے والی مدت کے لئے یہ بہت بڑی سزا ہے۔ اگر وہ دنیا میں پچیس سال رہا، پچاس سال رہا، ساٹھ سال رہا، سو سال رہا تو کیا رہا؟ آخر ایک محدود گنتی ہے۔ لیکن نہ ختم ہونے والے زمانے میں بہت بڑی اور لمبی سزا ہے۔ فرمایا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ سزا بہت بڑی ہے جرم بھی اتنا ہی بڑا ہے۔ دن تھوڑے تھے اس کے پاس لیکن اس نے جرم بہت بڑا کیا۔ اس سے بڑا جرم کیا

ہو گا کہ کوئی اللہ کی آیات کا انکار کر دے۔ اللہ کی آیات پر عمل نہ کرے۔ اللہ کے احکام کو نہ مانے اور اُلٹا اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔

احکام الٰہی کی تکذیب کیا ہے؟

احکام الٰہی کے مقابلے میں اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد کر لینا اور کہنا یہ صحیح ہے۔ فرمایا اس سے بڑا اور کوئی جرم کیا ہو گا کہ کوئی بندہ خود کوئی حکم ایجاد کر لے اور اسے اللہ کریم کے ذمے لگا کر کہے یہ اللہ کا حکم ہے۔ اب یہ بھی آج کے معاشرے کی بہت بڑی بیماری ہے کہ ہم رسومات خود ایجاد کرتے ہیں یا کسی دوسری قوم سے لے لیتے ہیں یا ہم سے پہلے کسی نے وہ رسم ایجاد کر دی۔ اس کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں ہے۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کی سنت میں نہیں ہے۔ ایسی بات جس کی تعلیم حضور اکرم ﷺ نے نہیں دی تو لوگوں نے بطور رسم ایجاد کر لی اور پھر اسی کو کار ثواب ہی نہیں معیار اسلام سمجھ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جو کوئی اس رسم پر عمل کرے وہ اچھا مسلمان ہے اور جو اس رسم پر عمل نہ کرے کہتے ہیں یہ مسلمان ہی نہیں ہے، یہ جرم ہے اور بہت بڑا جرم ہے کہ اپنی طرف سے رسم ایجاد کی جائے اور اسے ثواب کا، عبادت کا یا حکم الٰہی کا درجہ دے دیا جائے تو فرمایا اس سے بڑا اور کسی ظلم کا تصور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی اللہ پر جھوٹ بولے، اللہ کے ذمے جھوٹ لگائے جو حکم اللہ نے نہیں دیا وہ اللہ کے ذمے لگائے اور جو اللہ کے احکام ہیں ان کا انکار کر دے۔ اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ جو واقعی اللہ کے احکام ہیں ان کا انکار کر دے اور جو رسومات خود گھڑی ہیں وہ اللہ کے ذمے لگا دے۔ جیسے آج مذہب کے نام پر عیسائی، یہودی، ہندو، جین مت، بدھ مت میں بے شمار رسومات بنا رکھی ہیں اور سب کہتے ہیں یہ احکام الٰہی ہیں حالانکہ سارے انہوں نے خود گھڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا اس میں دو باتیں آ گئیں ایک تو اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں وہ اللہ کے احکام نہیں ہیں انہوں نے اپنی طرف سے خود گھڑ کے اللہ کے ذمے لگا دیئے اور دوسرا ظلم یہ ہے کہ جو واقعی احکام الٰہی ہیں ان کا انکار کر دیا۔ تو یہ جرم ہی اتنا بڑا ہے کہ انہیں تو دنیا میں ہی تباہ کر دیا جانا چاہیے۔ انہیں زمین میں غرق کر دینا چاہیے۔ ان پر تو دنیا میں آگ برسانا چاہیے تھے۔ فرمایا یہ تو اللہ کا کرم ہے اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ۔ اس نے روز اوّل سے جو دنیا کی روزی اور دنیا کی نعمتیں انہیں تقسیم کر دی تھیں ان کے حصے میں سے وہ نہیں چھینے گا وہ انہیں دے گا۔ انہیں زندگی بھی ملے گی، صحت بھی ملے گی، اولاد بھی ہو گی، ان کے پاس دولت بھی ہو گی، حکومتیں، اختیارات بھی ہوں گے۔ جو کچھ اس نے تقسیم کر دیا ہے جو کچھ ان کے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ نہیں چھینے گا وہ تو انہیں ملے

گا۔لیکن بالآخر میرے فرشتے موت کا پیغام لے کر ان کے پاس آ جائیں گے۔زندگی تو ایک دن ختم ہو جائے گی،کوئی چھونپڑے میں بستا ہے اس کی بھی ختم ہو جائے گی،جو محلات میں رہتا ہے اس کی بھی ختم ہو جائے گی،جو امیر ہے اس کو بھی موت آجائے گی جو فقیر ہے اس کو بھی موت آ جائے گی۔اب جو اللہ کی اطاعت تو نہیں کرتے تھے اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی،لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کی اطاعت کرتے،یا بتوں کو پکارتے یا غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے بارے فرمایا حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا جب ہمارے فرشتے ان کے پاس آئیں گے يَتَوَفَّوْنَهُمْ ان کی روح قبض کرنے کے لئے تو ان سے بات کریں گے۔بات تو تب ہی کریں گے جب وہ دنیا میں زندہ ہوں گے۔مرنے کے بعد تو ہر چیز منکشف ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے عندالموت کافر کو بھی فرشتے نظر آجاتے ہیں۔ان کی بات سن سکتا ہے۔ان کو جواب دے سکتا ہے کیونکہ ابھی تو وہ زندہ ہو گا اور موت کے فرشتے آئیں گے اور اس سے سوال کریں گے قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وہ کہیں گے اللہ کو چھوڑ کر جن کی اطاعت کرتے رہے اب ان کو بلاؤ۔کہاں ہیں؟ آج تمہاری مدد کریں۔يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ الانفال:50 دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب فرشتے کافر کی روح قبض کرنے آتے ہیں تو اس کے منہ پر مارتے ہیں۔اس کی پیٹھ پہ مارتے ہیں۔اس کے اعضاء کو توڑتے ہیں۔پھر پورے جسم پر مار پڑتی ہے۔اور پوچھتے ہیں کہ تو نے اللہ کی آیات کا تو انکار کر دیا اور لوگوں کی بتائی ہوئی رسومات کو دین سمجھ لیا تو اللہ کو چھوڑ کر جن کی اطاعت کرتا رہا،جن کو پکارتا رہا،وہ آج کہاں ہیں؟انہیں چاہیے آج تیرے کام آئیں۔تجھے مصیبت سے بچائیں،وہ جواب دیتے ہیں قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وہ تو چھوڑ کر بھاگ گئے۔آج تو کوئی بھی نہیں ہے۔وہ تو غائب ہو گئے۔کوئی پتہ نہیں وہ تھے بھی کہ نہیں تھے۔ہم مفروضوں کی پوجا کرتے رہے۔آج کوئی سامنے نہیں ہے۔اللہ کریم فرماتے ہیں ان کا یہ جملہ ان کے کافر ہونے پر ان کی اپنی شہادت بن جائے گی۔جب عندالموت وہ کہیں گے کہ جن کو ہم پکارتے رہے،جن کی ہم پوجا کرتے رہے وہ تو سب غائب ہو گئے۔تو گویا انہوں نے اقبال جرم کر لیا کہ ہم اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے تھے۔فرمایا نظام الٰہی ایسا ہے کہ خود اپنے آپ پر گواہی دے رہے ہیں کہ ہم واقعی غیر اللہ کی پوجا کرتے تھے۔وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ۝۳۷ انہوں نے اپنے آپ پر یہ گواہی دے دی کہ وہ کفر کرتے رہے۔قرآن کریم کا یہ بہت پیارا انداز بیان ہمیں سمجھا رہا ہے کہ ہم میں سے کسی کو پتہ نہیں کہ میرے پاس کتنے لمحے باقی ہیں۔سانس آئی ہے خارج ہو گی یا نہیں۔شام دیکھیں گے یا نہیں۔کل صبح نصیب ہو گی یا نہیں۔تو پہلی فرصت میں بندے کو چاہیے کہ دامانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامے۔اپنی کوتاہیوں سے توبہ

کر لے اور جو وقت بچ گیا ہے اسے اطاعت الٰہی میں صرف کرے۔ یہ سارے قصے قرآن اس غرض سے بیان کر رہا ہے کہ ہم اپنی اصلاح کر لیں۔

تو فرمایا عرصہ محشر میں یہ حکم قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ ہر کافر اپنے کردار کے مطابق اور اپنے کفر کے مطابق الگ کر دیئے جائیں گے۔ یاد رکھیں جس طرح ایمان کے درجات میں تفاوت ہے۔ ہر مومن کا ایمان ایک جیسا نہیں ہے۔ کسی کا بہت اعلیٰ ہے، کسی کا اس سے کم درجے کا، کسی کا اس سے بھی کم درجے کا، اسی طرح کفر میں سب بحیثیت کفر تو برابر ہیں لیکن اس میں درجات ہوتے ہیں۔ پھر ہر ایک کا ایک ذاتی کردار ہوتا ہے۔ وہ کس قسم کے کفر کی پیروی کرتا ہے۔ کس قسم کی رسومات کی پیروی کرتا ہے۔ کس قسم کی مشرکانہ حرکات کرتا ہے۔ اور اس کے اعمال اس کے لین دین، کاروبار، لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہے۔ تو فرمایا یہ سب الگ الگ کر دیئے جائیں گے۔ جس درجے کا کوئی ہوگا، جس قسم کا کوئی ہوگا وہ الگ کر دیا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے جیسے ہی تھے۔ جو تم سے پہلے جہنم میں داخل ہو چکے، جن میں جنّ بھی ہیں اور انسان بھی۔ یاد رہے جنات بھی مکلف مخلوق میں سے ہیں لیکن پورے قرآن حکیم میں کہیں جنات کے جنت میں داخلے کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ جو جنات نجات پا جائیں گے ان کو معدوم کر دیا جائے گا اور جو سزا پائیں گے انہیں جہنم جانا ہوگا لیکن ان کی سزا کی حد ہوگی۔ جتنا انہوں نے ظلم کیا، گناہ کئے، کفر کیا وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گا اور وہ بھی معدوم ہو جائیں گے لیکن صرف انسان ایسی مخلوق ہے جسے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔ جسے ختم اور معدوم نہیں کیا جائے گا تو قرآن حکیم میں جنات کے جہنم جانے کا تذکرہ ملتا ہے، جنت کے داخلے کی کوئی خبر نہیں ملتی بلکہ یہ ملتا ہے کہ جہاں جنات جا کر حضور اکرم ﷺ سے قرآن پاک سن کر، دین سمجھ کر اپنی قوم کو جا کر تبلیغ کرتے ہیں تو وہاں بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر تم ایمان لاؤ، نیکی کرو گے تو وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ الاحقاف: 31 تم دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے۔ یہ نہیں کہتے کہ تم جنت میں جاؤ گے بلکہ عذاب سے بچ جاؤ گے۔ یہ صرف انسان کا شرف ہے۔ یہ صرف انسان کا مقام ہے کہ اللہ کریم اسے جنت میں رہنے کے لئے ہمیشہ ہمیشہ جگہ دیں گے جس میں ایسی نعمتیں ہوں گی نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جنت اللہ کی رضامندی کا مظہر ہے۔ ہر جنتی پر اللہ کریم راضی ہوں گے اور ہر جنتی کو اپنی حیثیت کے مطابق دیدار باری نصیب ہوگا۔ سو فرمایا کافر کی درجہ بندی کر دی جائے گی کہ کس کا کفر کس درجے کا ہے اور کس کا کردار کس درجے کا ہے تو ایک درجہ کے جنّ اور انسان ایک درجے میں

دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور حکم دیا جائے گا کہ جاؤ تم سے پہلے جو تمہاری طرح کے لوگ تھے جنوں میں سے اور انسانوں میں سے ان کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ فرمایا: اللہ کریم خبر دے رہے ہیں جب یہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ جو قوم جہنم میں داخل ہو گی تو وہ اپنے سے پہلے لوگوں پر لعنت کرے گی جو ان جیسے ہوں گے اور انہیں کہیں گے تم بڑے مغضوب ہو، ملعون ہو، تم پر خدا کی لعنت ہو تم نے ہمیں تباہ کر دیا۔ تم نے ایسی رسومات جاری کیں، ایسا راستہ اختیار کیا، ایسے عقائد بنائے، ایسے کردار اپنائے کہ ہم تمہارے پیچھے لگ کر تباہ ہو گئے۔ تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ حتیٰ کہ جب سب جہنم میں اپنے اپنے درجے میں داخل ہو چکیں گے تو بعد میں آنے والے جو پہلے جہنم میں جل چکیں ہوں گے کہیں گے یا اللہ هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا یہ وہ قوم ہے، یہ وہ لوگ ہیں، یہ وہ افراد ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ جنہوں نے گمراہی کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے غیر اللہ کو اپنا معبود بنایا، انہوں نے تیری شریعت کے خلاف ناجائز کام کئے۔ انہوں نے سود کھایا، انہوں نے قتل عام کیا۔ انہوں نے لوگوں کے مال چھینے، آبروئیں لوٹیں اور ایک ایسا راستہ بنا گئے کہ ان کے پیچھے چل کر ہم بھی تباہ ہو گئے۔ یا اللہ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے ہمیں بھی تباہ کر دیا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا ان کو کئی گنا زیادہ عذاب دے۔ ان پر عذاب بڑھا دے کہ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ہماری گمراہی کا سبب بھی بنے۔ پھر ان کا جرم کئی گناہ زیادہ ہو گیا ہے کہ صرف خود گمراہ ہونا ایک اور بات ہے اور ساتھ میں اللہ کی دوسری مخلوق کو بھی گمراہ کرنا یہ اور بھی بڑا جرم ہے۔ تو اے اللہ ان پر آگ کا عذاب بڑھا دے عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ان پر عذاب زیادہ کر دے آگ اور زیادہ دگنی، چار گنی بھڑکا دے۔ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ارشاد ہو گا کہ تم سب پر آگ بڑھتی ہی جائے گی۔ کئی گنا زیادہ ہوتی جائے گی۔ گھبراؤ نہیں اگر انہوں نے برائی کی بنیاد رکھی تو تم بھی وہ ہو کہ جنہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو چھوڑ کر بدکاروں کی روایات کو قبول کیا۔ تمہارا جرم بھی کم نہیں ہے۔ اگر ان کا جرم یہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لئے برائی کے راستے بنا گئے گمراہی کے راستے بنا گئے تو تم لوگوں نے بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو چھوڑ کر بدکاروں کی روایت کو اپنایا تو تمہارا جرم بھی کم نہیں ہے۔ اگر ان کا جرم یہ ہے کہ وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لئے برائی کے، گمراہی کے راستے بنا گئے تو تم لوگوں نے بھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت کو چھوڑ کر بدکاروں کی پیروی کو اپنایا تو تمہارا جرم بھی کم نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دوزخ کی آگ ہے اور اس میں سب کے لئے زیادتی ہوتی رہے گی۔ یہ اپنے ایک حال پہ نہیں رہے گی۔ یہ ہمیشہ

بڑھتی رہے گی ۔ سب کے لئے کئی گنا ہو جائے گی وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لیکن بات یہ ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے ۔ تم جاہل ہو ۔ اگر تم جاہل نہ ہوتے تو اللہ کی جنت کو چھوڑ کر دوزخ میں کیوں جاتے ۔ اس سے بڑی جہالت کیا ہے وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ وہ پہلے آنے والے بعد میں آنے والوں کے لئے کہیں گے فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ ہم برے تو تھے ہی تم بھی کچھ کم نہیں ۔ تمہیں ہم پر کوئی بڑائی یا کوئی اچھائی یا کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے ۔ اگر ہم برے تھے تو تم ہم سے بھی برے تھے کہ تم نے اللہ کا حکم چھوڑ کر ہم بروں کی بات مان لی ۔ تم ہم سے بھی گئے گزرے تھے وہ جو پہلے ہوں گے وہ بعد میں آنے والوں کو کہیں گے ، تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ تم جو کرتوت کرتے رہے ہو اس کے بدلے میں عذاب بھگتو ۔ اب چیختے کیوں ہو ۔ جس منزل کی طرف تم چلتے رہے ہو ۔ جس راستے پر تم چلتے رہے ہو آخر اس کا انجام آ گیا ۔ اب بھگتو ۔ اب ہم سے شکوہ کیوں کرتے ہو ۔ تم بھی ایسے عجیب لوگ تھے کہ تمہارے پاس اللہ کی دعوت پہنچی ۔ اللہ کے رسول ﷺ کی دعوت پہنچی ۔ اللہ کے بندوں نے گھر گھر پیغام پہنچایا اور تم نے کافر کی اور کفر کی اور بدکار اور برائی کی پیروی بہتر سمجھی اور اللہ کے دین کو اہمیت نہ دی تو تم بھی کم برے نہیں ہو لہٰذا اب ایک دوسرے کو طعنے دینے اور بددعائیں دینے کے بجائے جو کیا ہے اس کا نتیجہ بھگتو ۔

سورۃ الاعراف رکوع 5 آیات 40 تا 47

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ؗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کرتے رہے ان کے

لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کے اونٹ سوئی کے ناکے سے نہ نکل جائے اور ہم جرم کرنے والوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔﴿۴۰﴾ ان کے لئے دوزخ سے بچھونا ہے اور اوپر سے اوڑھنا بھی اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں۔﴿۴۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام۔ کئے ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا حکم نہیں فرماتے یہی لوگ جنت کے رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔﴿۴۲﴾ اور ان کے دلوں میں جو غبار تھا ہم اس کو دور کر دیں گے ان کے تابع نہریں جاری ہوں گی اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور اگر اللہ رہنمائی نہ فرماتے تو ہرگز ہماری رسائی نہ ہوتی۔ بے شک ہمارے پروردگار کے پیغمبر حق کے ساتھ تشریف لائے۔ اور ان کو پکار کر کہا جائے گا کہ تمہارے اعمال کے بدلے یہ جنت تم کو عطا کی گئی ہے۔﴿۴۳﴾ اور جنت والے دوزخ والوں کو آواز دے کر کہیں۔ گے کہ جو وعدہ ہمارے پروردگار نے ہم سے کیا تھا یقیناً ہم نے سچا پایا سو کیا تم نے بھی جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو اس وقت ان کے درمیان ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہ ظالموں (غلط کاروں) پر اللہ کی لعنت ہو۔﴿۴۴﴾ جو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور اس میں کجی (کج بحثی) تلاش کرتے تھے اور وہ آخرت سے انکار کرتے تھے۔﴿۴۵﴾ اور ان دونوں (جنت اور دوزخ) کے درمیان ایک پردہ (اعراف) ہوگا اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کی شکلوں سے پہچان لیں گے اور وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ ابھی اس (جنت) میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اسکی آرزو (امید) رکھتے ہوں گے۔﴿۴۶﴾ اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف پلٹائی جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو (ان) ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجئے۔﴿۴۷﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ کے دیئے ہوئے دلائل کو غلط بتاتے ہیں ان میں تکبر پایا جاتا ہے ان کی سزا یہ ہے کہ ان کے لئے کبھی آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے وہ اسی دنیاوی زندگی میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ کبھی جنت میں نہیں جاسکتے۔ جس طرح سوئی کے ناکے سے اونٹ نہیں گزر سکتا اسی طرح کفر پر مرنے والوں کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ دوزخ کی آگ ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوگی اور ایسے ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں تو انہیں ہم کوئی ایسا کام کرنے کو نہیں کہتے جو وہ کر نہ سکیں۔ اتنی آسان زندگی والے لوگ اہل جنت ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جنت میں جانے سے پہلے پہلے ان کے دلوں میں ناگواری کا جو غبار ہو گا اسے ہم صاف کردیں گے۔ وہ جنت کے باغوں میں رہیں گے، نہریں جن کے تابع ہوں گی، جب وہاں پہنچیں گے تو کہیں گے، سب خوبیاں اس پروردگار کی ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچنے کی ہدایت اور توفیق دی۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں نہ تھام لیتا تو ہم یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ مبعوث ہوئے اور حق کی طرف دعوت دیتے رہے۔ انہیں پکار کر کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنت جس کا تمہیں وارث بنا دیا گیا۔ آج تمہیں یہ عطا کردی گئی تمہارے اعمال صالحہ قبول فرما کر تمہیں جنت بطور انعام دے دی گئی۔ اہل جنت پھر اہل دوزخ سے پکار کر کہیں گے اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا ہم نے اسے ویسا ہی پایا۔ تمہارے پروردگار نے جو وعدہ تم سے کیا تھا کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟ وہ کہیں گے ہاں ایسا ہی ہے۔ ایک آواز دینے والا ان کے درمیان آواز دے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت جو اللہ کی آیات سے منہ موڑتے تھے۔ اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ دین کے ہر حکم میں ٹیڑھا پن اور کجروی اختیار کرتے تھے۔ ہر الٹے کام کی طرف ان کا رجوع تھا اور یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک آڑ ہوگی اس میں اعراف پر جو لوگ ہوں گے وہ ہر ایک کو اس کے احوال سے پہچانیں گے۔ وہ اہل جنت کو اسلام علیکم کہیں گے جبکہ اہل اعراف ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور اس کے امیدوار ہوں گے۔ اہل اعراف کی نگاہ جب اہل دوزخ کی طرف پھرے گی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ یا اللہ! ان غلط کاروں کے ساتھ ہمیں شامل نہ کرنا۔

تفسیر ومعارف

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا فرمایا یقینا جولوگ میری آیات کی تکذیب کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ غلط ہے ہم نہیں مانتے، یعنی آیات الٰہی سے تکبر کرتے ہیں۔ تکبر یہ ہے کہ وہ اپنی دانش پہ اعتبار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پہ اعتراض کرتے ہیں، خود کو بڑا دانشور سمجھتے ہیں اور اللہ کے احکام کو خلافِ مصلحت یا غلط یا جھوٹا قرار دیتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے اور یہ کیسے عجیب لوگ ہیں اور یہ کتنا تکبر کرتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے جو شیطان نے کی تھی اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ البقرہ: 34 شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ اس نے تکبر کیا۔ اس کا تکبر کیا تھا۔ اس کا تکبر یہ تھا کہ وہ کہتا تھا کہ میری رائے بہتر ہے۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ الاعراف: 12 اس کا کہنا یہ تھا کہ اے اللہ تو خالق ہے میں مانتا ہوں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور اسے بھی لیکن مجھے تو نے آگ کے شعلے سے بنایا جو پاک صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اسے کیچڑ سے، مٹی کے کیچڑ سے بنایا۔ اب مٹی کے کیچڑ میں تو ہر طرح کی قباحت ہوتی ہے۔ مٹی میں تو ہر چیز ملی ہوئی ہوتی ہے تو میں اس سے تو بہتر ہوں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں وَاسْتَكْبَرَ اس نے تکبر کیا۔ اس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو بہتر سمجھا کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ تو فرمایا جولوگ میری آیات کا کفر کرتے ہیں انکار کرتے ہیں، اطاعت نہیں کرتے، مانتے نہیں تو دراصل وہ متکبر ہیں۔ نہ ماننے کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بندہ انکار کر دیتا ہے کہ میں یہ مانتا ہی نہیں۔ یہ بات غلط ہے ایسا کہنا صریح کفر ہے۔ شرعی حکم کا انکار کفر ہے۔ کوئی چیز جو شرعاً حلال ہے اسے حرام سمجھنا کفر ہے جو شرعاً حرام ہے اسے حلال کہنا کفر ہے۔ یہ صریح انکار ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں حکم تو یہ ٹھیک ہے، بات تو ٹھیک ہے، میری غلطی ہے، مجھ سے یہ عمل نہیں ہو رہا، تو یہ فسق ہے۔ یہ گناہ ہے۔ ایسا بندہ کافر نہیں ہوتا لیکن گناہ گار ہوتا ہے۔ گناہ کے بارے علماء حق فرماتے ہیں کہ ہر گناہ مفضی الی الکفر ہوتا ہے۔ ہر گناہ کفر کی طرف ایک قدم ہوتا ہے۔ کفر کی طرف کھینچنے والا، کفر کی طرف لے جانے والا ہوتا ہے۔ اگر توبہ نصیب نہ ہو اور مسلسل گناہ ہوتے رہیں تو ایمان ضبط ہو جاتا ہے۔ آخر جو سب سے بڑی سزا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

الحمدللہ پندرھویں صدی کے بھی بیس سال بیت گئے لیکن اللہ کریم کا احسان ہے کہ مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب بھی محفوظ ہے۔ ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، ایک ایک نقطے، ایک ایک زیر زبر سمیت اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عالیہ بھی محفوظ ہیں۔ مسلمان واحد قوم ہے جس کے علماء کرام نے نبی پاک ﷺ کی سیرت اور ارشادات عالیہ یعنی حدیث کو محفوظ رکھنے کے لئے سترہ علوم ایجاد کئے یہ سترہ فنون ایسے ہیں جو صرف حدیث کی

حفاظت کے لئے ضروری ہیں جن کے ذریعے یہ جانچا جاتا ہے کہ یہ ارشاد واقعی رسول اللہ ﷺ کا ہی ہے یا کسی نے آمیزش کرنے کی کوشش کی ہے اور ان میں ایک فن ہے اسماء الرجال۔ حدیث کی حفاظت کے علوم میں ایک علم ہے اسماء الرجال۔ اس میں الف سے لے کر ے تک حروف ابجد کے حساب سے ان تمام لوگوں کے نام دیئے گئے ہیں جنہوں نے حدیث پاک روایت کی۔ ان ناموں کے آگے ان کی ولدیت، ان کا خاندان، ان کے خاندان کے حالات، ان کی ذات کے حالات اور یہ تک کہ وہ اپنے زمانے میں سچے تھے یا ان پر کسی نے جھوٹ کا الزام لگایا اور اگر کسی پر جھوٹ ثابت نہیں ہوا لیکن جھوٹ کا الزام لگا تو اس کی روایت کو بھی گرا دیا جاتا ہے۔ اسماء الرجال اس حد تک عجیب وغریب فن ہے، بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ کس طرح اللہ نے اپنے نبیؐ کے ارشادات کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور کتنے خوش نصیب لوگوں سے کام لیا اور لیتا جا رہا ہے۔ اور منکرین حدیث کتنی آسانی سے کہہ دیتے ہیں کہ حدیث کا اعتبار نہیں۔ یہ جاہل لوگ ہیں۔ انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہے کہ اللہ نے اپنے آخری نبی کریم ﷺ جو ساری کائنات کے لئے اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور ہمیشہ کے لئے اللہ کے رسول ﷺ ہیں، کے پیغام اور آپ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی عملی زندگی کی حفاظت کا کتنا بہترین انتظام کیا ہے اور یہ اعزاز صرف مسلمانوں کے حصے میں ہے ورنہ یہودی حضرت موسیٰؑ کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن دونوں شرک میں مبتلا ہو گئے۔ نہ یہودیوں کے پاس اللہ کی ذات اور اللہ کی صفات کا صحیح علم ہے نہ عیسائیوں کے پاس اپنے انبیاءؑ کا ارشاد فرمایا ہوا کوئی جملہ موجود ہے نہ اپنے انبیاءؑ کی حیات مبارکہ کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔ جو جانتے ہیں وہ وہی کچھ ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ اپنی کتاب میں وہ ضائع کر چکے غلط ملط کر چکے اور اس میں ردوبدل کر چکے اور یہودیوں نے کہا وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ التوبہ:30 حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر یہودی مشرک ہو گئے۔ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ التوبہ:30 نصاریٰ نے کہا حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔ صرف مسلمان واحد قوم ہے جس پر اللہ کا احسان ہے۔ جس کے پاس آج تک اور یہ تک موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے زندگی میں کتنے کُرتے مبارک پہنے، کتنی چادریں مبارک استعمال کیں، کتنے نعلین مبارک استعمال کئے، کتنی گندم تناول فرمائی اور کتنے دانے چاول تناول فرمائے اور کتنے جَو حضور اکرم ﷺ نے استعمال فرمائے۔ کس حد تک مسلمانوں نے حفاظت کی ہے اور اللہ نے اپنے بندوں سے اپنے نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی حفاظت لی ہے اس لئے کہ قیامت تک کی انسانیت کے لئے مشعلِ نور محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ اسی حفاظت کی مستحق تھی۔ تو فرمایا یقیناً اِنَّ کے ساتھ

تاکید کر کے فرمایا یہ بڑی پکی بات ہے جو لوگ میری آیات کا انکار کرتے ہیں میرے احکام کا انکار کرتے ہیں، میرے نبیؑ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں یا اسے غلط قرار دیتے ہیں، جھوٹ قرار دیتے ہیں، وہ شیطان کی طرح تکبر میں مبتلا ہیں اور اس سے بڑا تکبر کیا ہوگا کہ کوئی اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کے حکم کے مقابلے میں اپنی رائے کو بہتر سمجھے۔ یعنی اس سے بڑا اور تکبر کیا ہوگا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتے ہیں۔ اپنی رائے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اپنی عقل وخرد پہ انہیں بڑا بھروسہ ہے تو فرمایا عالم یہ ہے کہ جو میری نبی علیہ السلام کی بتائی ہوئی آیات قرآنی اللہ کا کلام ہو یا نبی کریم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ ہو جو اس کی تردید کرتا ہے، اسے غلط بتاتا ہے یا اسے صحیح نہیں سمجھتا اور اس سے تکبر کرتا ہے، فرمایا سادہ سی بات ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ دنیاوی زندگی میں ان سے رزق نہیں چھینا جاتا جو اللہ نے مقرر کر دیا ہے۔ وہ ملتا رہتا ہے۔ ان کے پاس فرصت ہے، مہلت ہے موت تک کہ توبہ کر لیں، وہ اتنا غفورٌ رحیم ہے۔ جب کبھی توبہ کر لیں قبول کر لے گا لیکن اگر توبہ نہ کریں اور کفر پر اور نافرمانی پر اڑے رہیں تو ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ جب وہ دعا کرتے ہیں تو بالائے آسمان نہیں جاتی، نیچے پھینک دی جاتی ہے، جھٹک دی جاتی ہے۔ آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ ایک اور بات انسان کا وجود اور اس کا خمیر اگرچہ گارے، مٹی، کیچڑ سے بنایا گیا ہے لیکن اس میں جو روح ہے وہ امر ربی میں سے ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ بنی اسرائیل: 85 روح عالم امر سے ہے۔ جہاں عالم خلق کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے عالم امر کی ابتدا ہوتی ہے۔ زمین، آسمان سارے، عرش، کرسی یہ سب مخلوق ہیں۔ جہاں عرش وکرسی کی بھی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور مخلوق ختم ہو جاتی ہے وہاں سے عالم امر شروع ہوتا ہے۔ روح جو ہے یہ عالم امر سے ہے۔ اللہ نے اسے کیسے پیدا کیا، عالم امر سے، کسی تجلی سے پیدا کیا وہاں سے کوئی نور لے کر اسے گھڑا؟ فرمایا یہ تمہارے سمجھنے کی بات نہیں ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ تمہیں اتنا علم نہیں دیا گیا کہ تم ان باریکیوں کو سمجھو۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ روح عالم امر سے ہے۔ اب جب کوئی اللہ کے نبیؑ پر ایمان لاتا ہے اور کلمہ حق قبول کرتا ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرتا ہے تو اس کے قلب کا ایک ربط قلب اطہر رسول اللہ علیہ السلام سے ہو جاتا ہے اور یہ نور ایمان جو ہے یہ روح کا رابطہ آسمانوں سے بالا، عرشوں سے بالا، کرسی سے بالا عالم امر سے کر دیتا ہے۔ عالم امر روح کا اصل گھر ہے جہاں سے یہ زمین پر لائی گئی، وجود میں بھیجی گئی، اس کے لئے یہ محنت ومجاہدہ کیا جاتا ہے تاکہ روح واپس اپنے گھر پہنچنے کے قابل ہو جائے۔ نبی کریم علیہ السلام میں بالخصوص اور تمام انبیاءؑ میں بالعموم یہ قوت ہوتی ہے کہ نبیؑ جب ارشاد فرماتا ہے وہ صرف محض زبانی

کلام نہیں ہوتا، صرف دماغ میں نہیں جاتا، جو نبیؐ فرماتا ہے اس میں وہ کیفیات ہوتی ہیں جو دلوں میں اتر جاتی ہیں۔ تو جو لوگ اس شعبے میں محنت کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں۔ وہ راہ سلوک کے مسافر ہوتے ہیں۔ یہ نعمت صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی صحبت سے پائی، تابعین نے صحابہؓ سے تبع تابعین نے تابعین سے، پھر اولیاء امت ہر دور میں یہ کام کر رہے ہیں اور آج تک اولیاء جو امت کا ایک ممتاز طبقہ ہے، علمائے ربانیین کا یہی مجاہدہ ہوتا ہے کہ جو دنیاوی ذمہ داریاں ہیں وہ اس طرح پوری کریں جو طریقہ نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے اور اس کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کا ذکر کریں اور ذکر قلبی کریں اور وہ قوت حاصل کریں کہ روح کا رابطہ پھر اپنے گھر سے اور اصل سے ہو جائے۔ اسی کو سلوک کہتے ہیں۔ سلوک ہوتا ہے راستہ طے کرنا۔

تصوف یا سلوک کیا ہے:

تصوف کا مطلب ہے تزکیہ، صفائے باطن، دل کی صفائی اور سلوک کا مطلب ہے اس راستے کو طے کر کے روح کا تعلق عالم امر سے استوار کرنا۔ تو یہ کئی نعمتیں ہو گئیں۔ ہر آدمی دعا تو کرتا ہے اور جن پر اللہ کا احسان ہے وہ راہ سلوک کے مسافر بھی ہیں لیکن فرمایا میری آیات کا انکار میرے نبیؐ کے ارشادات کا انکار اور اس کے مقابلے میں تکبر یہ ایسی مصیبت ہے کہ ان کے لئے آسمانوں ہی سے دروازہ بند ہو جاتا ہے اوپر کی بات تو چھوڑ دیں لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کے لئے کبھی آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے ایک دوسرا موقع بھی آتا ہے جب فرشتے روح قبض کرتے ہیں تو علماء حق، مفسرین کرام اس آیت کے فوائد بھی اپنی تفاسیر میں لکھتے ہیں۔ مومن کی روح کو قبض کر کے فرشتے فوراً بالائے عرش حاضر کر دیتے ہیں کہ اللہ یہ تیرا بندہ حاضر ہے اور پھر واپس قبر کے ساتھ اس کا رشتہ قائم کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قبر میں سوال جواب ہوتے ہیں، حساب کتاب ہوتا ہے۔ فرمایا جو تکبر کر کے میری آیات کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ علماء حق فرماتے ہیں ان کو فرشتے روح قبض کرنے کے وقت عذاب دیتے ہیں، مارتے ہیں، جہنم کے چیتھڑوں میں اور آگ میں لپیٹ کر آسمان تک لے جاتے ہیں۔ آسمان سے حکم ہوتا ہے کہ ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ وہ وہیں سے پھینک دیتے ہیں، نیچے چھوڑنے بھی نہیں آتے۔ تو یہ ساری باتیں مفسرین کرام نے اس آیت کے بارے ارشاد فرمائی ہیں کہ جو لوگ اکڑ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو بہت عقلمند اور دانا اور اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ لیتے ہیں اور اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں تو ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم اس کی نزاکت سمجھ نہیں سکے۔ اللہ ہمیں معاف کرے ہم اپنے چھوٹے چھوٹے جو تہوار ہوتے ہیں، عید ہوتی ہے یا شادی ہوتی ہے یا دعوت ہوتی ہے تو اس

میں بھی ہم سنت سے زیادہ رسومات کا خیال رکھتے ہیں۔شہری لوگ لفاظی کر جاتے ہیں اور دیہاتی تو صاف کہتے ہیں کہ اگر اس وقت رسم پر عمل نہیں کریں گے تو ناک کٹ جائے گی۔ ہمارے لئے شرمندگی ہوگی۔ گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ سنت پر عمل ہمارے لئے باعث شرمندگی ہے اور رسم پر عمل باعث فخر ہے۔تو بظاہر تو یہ عام سی بات ہے لیکن دراصل یہ بہت بڑا جرم ہے اور جرم کی خصوصیت یہ ہوتی ہے، گناہ میں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ چھوٹا گناہ کرو تو وہ بڑے کی طرف لے جاتا ہے۔اس سے بڑا کرو تو بندہ پہلے سے زیادہ بڑے گناہ میں ملوث ہو جاتا ہے اور آگے بڑھتا رہتا ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی سنت کے تابع بنائیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ جس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا اور جسے زندگی میں توبہ نصیب نہیں ہوئی اور جو اپنا عقیدہ درست نہ کر سکا اور کفر پر خاتمہ ہو گیا وہ کبھی جنت میں نہیں جا سکے گا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ جس طرح اونٹ سوئی کے ناکے سے نہیں نکل سکتا۔ یہ نسبت انسانوں کو طرف ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا کہ اونٹ کو سوئی کے ناکے سے گزار دے۔جس سے بات کرو وہ کہے گا ناممکن ہے۔فرمایا اسی طرح کفر پر مرنے والوں کا داخلہ جنت میں ناممکن ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔اللہ چاہے تو سوئی کے ناکے سے اونٹ کو چھوڑ کر ہاتھی کو گزار دے۔وہ تو اللہ ہے۔ یہ جملہ انسانوں کو سمجھانے کے لئے انسانی استعداد کے مطابق ارشاد فرمایا گیا کہ جس طرح تم میں سے کسی کو کہا جائے کہ اونٹ کو سوئی کے ناکے سے گزارو تو تم کہو یا یہ کیسی بات کہہ دی یہ کوئی ممکن ہے۔اونٹ کا ایک بال بمشکل اس میں سے گزرے گا اونٹ کیسے گزرے گا؟ تو فرمایا اسی طرح کفر پر مرنے والے کا جنت میں داخلہ بھی ناممکن ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝ تو فرمایا اسی طرح ہم جرم کرنے والے کو اس کے جرم کا بدلہ عطا فرماتے ہیں۔فرمایا لوگوں پر کسی نے زیادتی نہیں کی ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ اللہ ہمیں معاف کرے ہمیں سب کو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ تو چھوٹا سا گناہ ہے خیر ہے۔گناہ کوئی بھی چھوٹا نہیں ہوتا۔ یادرکھیں عمل کے اعتبار سے دیکھیں تو آپ کہتے ہیں میں نے یہ چھوٹا سا گناہ کیا لیکن اس کا ایک پہلو اور بھی ہے کہ گناہ کس کی نافرمانی ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے۔تو اس اعتبار سے کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہوتا۔ جہاں علماء حق گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ کی بحث فرماتے ہیں وہاں یہ لکھتے ہیں۔ یہ اصطلاحاً کہہ دیا گیا ہے جو گناہ اپنے حجم میں چھوٹا ہوتا ہے اسے صغیرہ کہہ دیا گیا اور کوئی اپنے حجم میں بڑا ہے اسے گناہ کبیرہ کہہ دیا گیا۔جس گناہ کا نقصان اللہ کی مخلوق کو زیادہ ہے یا جس میں نافرمانی زیادہ ہے اس کو کبیرہ کہہ دیا گیا۔جس میں کم ہے اسے صغیرہ کہہ دیا گیا۔لیکن علماء حق فرماتے ہیں یہ اصطلاحی نام ہیں۔ گناہ صغیرہ نہیں ہوتا گناہ، گناہ ہوتا

ہے۔اس اعتبار سے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے، باغی، باغی ہوتا ہے وہ ایک قانون سے باغی ہو یا سارے قوانین سے بغاوت کرے۔ باغی، باغی ہوتا ہے، گناہ، گناہ ہوتا ہے لہٰذا دن بھر میں ہمہ وقت استغفار بھی کرتے رہنا چاہیے کہ ہم سے لاشعوری طور پر بھی ایسے جملے صادر ہو جاتے ہیں ایسے کام ہو جاتے ہیں ہمیں پتہ بھی نہیں ہوتا اور ہم جرم بھی کر بیٹھتے ہیں۔تو اللہ کریم توفیق عطا فرمائے، زندگی کا حسن محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ہے۔موت کی خوب صورتی حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں ہے اور آخرت کا سارا حسن حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں ہے۔اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

آیات الٰہی سے تکبر کرنے والوں کے ضمن میں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ ان کی دعائیں بالائے آسمان جاتی ہیں نہ ان کی روحیں اور وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے اور فرمایا مجرموں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں کہ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ دوزخ کی آگ اور جہنم ہی ان کا بچھونا ہوگی اور اسی کا اوڑھنا بھی اوپر سے دیا جائے گا۔

انسان کی بڑی محدود سی زندگی ہے۔اس لئے کہ اس کے مقابل جو اخروی زندگی ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی پچاس، ساٹھ، سو سال بھی ہو تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ یہ بہت تھوڑا سا وقت ہے۔آخرت کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر۔اب اس میں صرف اتنا سا امتحان ہے کہ ہر انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے بارے کیا فیصلہ کرتا ہے۔ایک طرف دنیا سجادی ہے اس کی لذات ہیں، اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں، جائز ناجائز، حیلے حوالے، عہدے ہیں، رتبے ہیں، حکومتیں ہیں، مال وزر ہے۔ان میں بڑی گہما گہمی ہے اور خوشی کے بڑے اسباب ہیں۔دوسری طرف اس نے حکومت کرنے سے، عہدہ لینے سے، دولت کمانے سے، مال وزر سے، کھانے پینے سے، شادی کرنے سے، گھر بنانے سے روکا بھی نہیں ہے بلکہ فرمایا لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا البقرہ:29 زمین میں جو کچھ نعمتیں ہیں وہ تمہارے ہی لئے ہیں لیکن قاعدے مقرر کر دیئے ہیں کہ ان کو حاصل کس طرح کرنا ہے اور ان کو استعمال کس طرح کرنا ہے، منع نہیں کیا کسی چیز سے روکا نہیں۔ان کے حاصل کرنے کے حصول کے ضابطے بنا دیئے ہیں۔اب ضابطے ماننے کے لئے بنیاد ہے اللہ پر ایمان۔کسی حکومت کے قانون کی اطاعت بندہ تب کرتا ہے جب حکومت کو حکومت مانتا ہے۔ جو حکومت سے بغاوت کر دیتے ہیں وہ حکومت کی پرواہ کب کرتے ہیں۔

سب سے پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ اللہ کو اللہ مانا جائے جیسا وہ ہے۔لیکن کیا جانیں وہ کیسا ہے اور کیسے مانیں؟ اس کے لئے اس نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے۔آخر میں نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے۔ ہمیں اللہ کو ایسا ماننا ہے جیسا محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ماننے کا حکم دیا ہے۔ یہ بات ہماری فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ

ہے کہ یہ چیزیں نہ کوئی بیان کرتا ہے نہ کوئی ان پر بات کرتا ہے اور نہ ہم پوچھتے ہی ہیں۔ ہماری فقہہ کی کتابوں میں یہ موجود ہے کہ چھوٹے بچے کو جب آپ اللہ کا تصور دیتے ہیں تو اسے یہ بات تفصیل سے سمجھائیں کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں جس کو حضرت محمد ﷺ جو مکہ میں پیدا ہوئے اور جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور جو اللہ کے رسولؐ ہیں وہ منواتے ہیں اور ویسا ہی مانتا ہوں جیسا وہ مانتے ہیں۔ اب جب اللہ کو اللہ مان لیا تو یہ ساری چیزیں ماننی پڑیں گی کہ زمین کا خالق وہ ہے جو کچھ زمینوں میں سے اس کا خالق و مالک وہ ہے۔ آسمانوں کا خالق و مالک بھی وہ ہے۔ ساری کائنات کا خالق اور وحدہٗ لاشریک بھی وہ ہے اور جو کچھ اس کائنات میں ہے سب اسی کا ہے۔ ہم ہوا میں سانس لے رہے ہیں، سورج کی روشنی سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، چاند کی کرنوں سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں، ستاروں کے آنے جانے سے، سمندروں کے پانیوں سے، دریاؤں سے، نہروں سے، بارشوں سے، بادلوں سے تو یہ سب کیا ہے یہ ساری نعمتیں اسی کی ہیں۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے روشنی، ہوا، بارش کسی کے کنٹرول میں نہیں دیں۔ اگر لوگوں کا اس پر بس چلتا تو جو طاقتور ہوتے وہ کمزوروں سے ہوا بھی چھین لیتے، آکسیجن چھین لیتے، غریبوں سے روٹی چھین لیتے، سورج کی روشنی روک لیتے، بارش کو شاید اپنے کھیتوں پہ برساتے اور غریبوں کو چھوڑ دیتے جس طرح سیلاب میں آپ نے دیکھا لوگوں نے بند توڑ کر اپنے کھیت بچالئے اور غریبوں کے گاؤں آبادیاں غرق کر دیں۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ ان چیزوں پر اس نے کسی کو کنٹرول نہیں دیا۔ اس کا قانون یہ ہے کہ تقسیم اس کے ہاتھ میں ہے۔

حصول رزق کے جائز وسائل چار ہیں۔ مزدوری، ملازمت، تجارت، کھیتی باڑی۔ رزق حاصل کرنے کے یہ چار ذریعے جائز ہیں۔ اب اگر کوئی جائز طریقے سے دولت کماتا ہے تو حکم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے پہنے، اپنی حیثیت کے مطابق گاڑی رکھے، اپنی حیثیت کے مطابق گھر بنائے اور حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں یہ اظہار تشکر کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر وہ دولت کے انبار پر چیتھڑے پہن کر بیٹھا ہوگا تو وہ بخل شمار ہوگا لیکن یہ نہ بھول جائے کہ یہ دولت کس نے دی ہے لہٰذا خرچ کرتے وقت بھی یہ خیال رکھے کہ یہ میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اسے وہیں خرچ کرنا ہے جہاں اس نے اجازت دی ہے اور وہاں نہیں خرچ کرنا جہاں سے اس نے روکا ہے۔ تو اس تھوڑی سی زندگی میں وہ اتنا کریم ہے کہ اس نے ان چیزوں سے روکا نہیں۔ اس نے حصول زر یا دنیا سے فائدہ اٹھانے کے جائز بہت خوبصورت اور آسان طریقے بتا دیئے ہیں۔ حکم دیا ہے کہ جائز طریقے سے حاصل کرو۔ رزق حلال اور پھر طیب بھی ہو۔ اس میں کوئی ناپاک چیز نہ ملاؤ اسے پاکیزہ کر کے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ جائز طریقے سے شادی کرو یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے بلکہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ اگر میری بیوی مر جائے اور میں بستر مرگ پر ہوں تو میں کوشش کروں گا کہ میرا کسی سے نکاح ہو جائے۔ ان سے اس کی حکمت پوچھی گئی تو فرمایا: مجھے حضور اکرم ﷺ کے

ارشادات کا علم ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ شادی شدہ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور اس کا ایک سجدہ غیر شادی شدہ سے کے سجدوں سے زیادہ اجر پاتا ہے۔ چونکہ اس پر دنیاوی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ وہ انہیں پورا کرتے ہوئے اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے۔ اللہ کریم نے مال بچا کر رکھنے سے منع نہیں فرمایا لیکن اس پر زکوۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔ کسی کے پاس سال بھر فالتو پڑا رہے تو اس میں سے ڈھائی فیصد اللہ کی راہ میں دینا فرض کر دیا کہ غریبوں کو ان کا حصہ دے دو باقی مال کے بارے فرمایا جہاں ضرورت آئے وہاں خرچ کرو۔ ضائع نہ کرو۔ اسے ضائع نہ جانے دو، کسی کے کام آئے، جائز طریقے سے خرچ کرو۔ حکومت و اقتدار حاصل کرو لیکن جائز طریقے سے اور جائز کاموں کے لئے، نیکی قائم کرنے کے لئے، عدل قائم کرنے کے لئے، نیکی پھیلانے کے لئے، عیاشی کے لئے نہیں۔

آج کا عہد اور آیہ مبارکہ:

اس تھوڑی سی زندگی کے لئے میں نے دیکھا ہے لوگ بیس بیس سال جیلوں میں گزار دیتے ہیں جبکہ انہیں بیس مہینے وزارت نہیں ملتی۔ برسوں مار کھاتے ہیں، ساری عمر پیسہ خرچ کرتے ہیں، لوگوں کی منتیں کرتے ہیں، ووٹ مانگتے ہیں، دھکے کھاتے ہیں لیکن سارے لوگ وزیر یا وزیر اعظم یا صدر نہیں بنتے لیکن اسی راستے پر لگے رہتے ہیں اور جب کچھ بن جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں اب ہمارے ہاتھ اتنی مخلوق آ گئی لہٰذا ان سب کے حقوق ہم کھا جائیں گے۔ یہ کیسی بری سوچ ہے۔ اگر اللہ کسی کو اختیار دے اور وہ انصاف کرے، عدل قائم کرے، لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرے تو وہ ولی اللہ ہے۔ یہی ولایت ہے۔ لیکن اگر وہی لوگوں کے حقوق پر ڈاکے ڈالنے لگ جائے تو کتنا عرصہ رہے گا۔ آخر اپنے سے پہلوں کا انجام دیکھ لے۔ کتنے لوگ آئے چلے گئے، کتنے شہنشاہوں کے محلات کھنڈر بن گئے اور کتنے شہنشاہوں کی قبروں پر آج بچے تفریح منا رہے ہوتے ہیں۔ کہاں کابل ہے اور کہاں بنگالہ اور کہاں کشمیر ہے اور کہاں دکن ہے۔ یہ سارا جہانگیر کی قلمرو میں تھا۔ آج جہانگیر کے مزار پر بیٹھ کر بچے پکنک منا رہے ہوتے ہیں۔ تاش کھیل رہے ہوتے ہیں۔ تو اپنے سے پہلے کے حاکموں کا انجام دیکھ لیں۔ یہ مہلت عمل مختصر ہے۔ اس کا یہ احسان ہے کہ اس نے عدم سے وجود دیا، انسان بنایا، اپنے نبی کریم ﷺ کی امت میں سے بنایا، بے پناہ نعمتیں دے دیں، وجود میں بے پناہ اوصاف پیدا کئے۔ رشتے ناطے، اولاد، بہن بھائی، قبیلے عطا فرمائے۔ اس تھوڑی سی زندگی میں کسی چیز کے کھانے سے نہیں روکا۔ صرف یہ فرمایا کہ حلال طریقے سے کماؤ اور پاکیزہ کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب اگر بندہ اتنا بھی نہ کرے اور اسے بتا بھی دیا جائے کہ یہ نہ کرو گے تو آئندہ کی زندگی میں اس کا نتیجہ بہت برا ہو گا تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ تو اگر بندہ اتنا بھی نہ کرے تو وہ کریم فرماتا ہے کہ میں نے تو دامن بہت وسیع کیا بہت کرم کیا۔ جس نے میرا دامن جھٹک دیا اور ابلیس کے پیچھے چلا گیا تو یہ اپنی محنت سے جہنم پہنچا۔

نیکی آسان ہے اور گناہ مشکل:

یادرکھیں یہ جو عجیب بات کہی جاتی ہے کہ جنت میں جانے کے لئے بڑا 'اوکھا' ہونا پڑتا ہے اور بڑا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے میں سمجھتا ہوں یہ صحیح نہیں ہے۔ جنت میں جانے کے لئے سادہ سادہ سے کام ہیں۔ سچ بولنا آسان ہے، جھوٹ بولنا مشکل ہے، مزدوری کر کے کھانا آسان ہے، چوری کر کے، جواء کھیل کر، ڈاکہ ڈال کر کمانا مشکل ہے، شادی کرنا آسان ہے اور بدکاری کرنا مشکل ہے، حلال کھانا آسان ہے، حرام کھانا مشکل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بندہ بڑی محنت کر کے دوزخ میں جاتا ہے۔ زیادہ محنت دنیا میں دوزخی کو اٹھانا پڑتی ہے کہ وہ مشکل کام کرتا ہے۔ دنیا کی ملامت بھی سہتا ہے، معاشرے کی لعن طعن بھی سہتا ہے، جیلیں بھی بھگتتا ہے، ماریں بھی کھاتا ہے اور تب کہیں جا کے دوزخ پہنچتا ہے تو فرمایا جب یہ اتنی محنت کر کے دوزخ میں آئے ہیں تو ان کی خاطر داری بھی ایسی کی جائے گی کہ ان کا سونا بھی جہنم کی آگ کا ہوگا اور ان کے اوپر ڈھانپنے والی چیز ''غواش'' بھی جہنم کی آگ کا ہوگا۔ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ یعنی انہوں نے تو ظلم کی حد کر دی۔ اللہ کریم کے پروردگار عالم ہونے کا انکار کر دیا۔ اس کے خالق ہونے کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے حق حاکمیت کا انکار کر دیا۔ اس کے حق حاکمیت کو نہیں مانا۔ جس کے پاس ایک دنیاوی حکومت ہے آنے جانے والے فانی لوگ ہیں، کوئی حکومت کا انکار کرے تو باغی قرار دے کر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ فرمایا جس نے بھی بغاوت کی جہنم میری جیل ہے۔ اسے جیل میں ڈال دیا جائے گا اس میں اس کا اوڑھنا بچھونا جہنم کی آگ ہی ہے۔ اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

ظلم کیا ہے:

ظلم ہے وضع الشعی فی محلہ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اس کا مقام نہ ہو وہ ظلم کہلائے گا یعنی کسی کام کو غلط طریقے سے کرنا۔ عقیدے میں غلطی آ گئی تو کفر آ گیا۔ عمل میں غلطی ہو تو عمل خلاف شریعت ہو گیا۔ یہ سارا ظلم ہے۔ تو فرمایا اسے جب تھوڑی سی مہلت ملی تو اس نے سوائے ظلم کے اور کچھ نہیں کیا۔ تو اب بڑی مدت اس کو بھگتتا رہے گا۔ انتخاب اس کا اپنا تھا۔ اس کے سامنے تھی دوزخ بھی جنت بھی۔ نبی کریم ﷺ نے کھول کر بیان کر دی۔ قرآن کریم نے وضاحت سے بیان کر دی۔ عقائد سے لے کر اعمال تک کہ جنت کے جانے کے لئے عقیدہ کیا ہوگا۔ اعمال کیا ہوں گے اور ان کے خلاف ہوں گے تو وہ جہنم میں لے جائیں گے۔ وہ اپنی پسند سے محنت کر کے، مشقت کر کے، رات دن ایک کر کے ماریں کھا کے، ملامتیں، لعن طعن برداشت کر کے، جیلیں بھگت کر، جہنم پہنچا ہے۔ تو فرمایا اب اسے جہنم میں تو موج کرنی چاہئے۔ یہ جو کچھ ہے یہ تو اسے بہت سا ملنا چاہئے۔ لہٰذا اس کا اوڑھنا بچھونا سب آگ کا بن جائے گا۔ اور اس کے

مقابلے میں جنت میں جانے کے لئے کسی کو اوکھا نہیں ہونا پڑتا میں پنجابی کا لفظ 'اوکھا' اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ اردو زبان اس کی وضاحت نہیں کرسکتی۔ اردو میں میں کہوں گا کہ مشقت نہیں اٹھانی پڑتی، مجاہدہ نہیں کرتا پڑتا، محنت نہیں کرنی پڑتی تو وہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ پنجابی کا یہ لفظ اوکھا صحیح مفہوم ادا کرتا ہے۔ جنت کے لئے کسی کو ''اوکھا'' نہیں ہونا پڑے گا، اس لئے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں، اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول اللہ محمد عربی ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، محمد عربی ﷺ کی تو انہیں ہم کوئی ایسا کام کرنے کو نہیں کہتے جو وہ نہ کرسکیں۔ یعنی جو کام ان کے بس میں نہیں ہے وہ اس کے مکلف ہی نہیں۔ اس کے بارے ان سے پوچھا ہی نہ جائے گا۔ جنت جانا 'اوکھا' تو نہ ہوا پھر تو 'سوکھا' ہو گیا۔ 'اوکھا' کام تو وہ ہوا جس میں تکلیف کرنی پڑتے۔ فرمایا جنت جانے کے لئے ہم کوئی 'اوکھا' کام نہیں کہتے۔ جو بندہ جو کام نہیں کرسکتا اس کے کرنے کا مکلف ہی نہیں۔ جیسے نماز میں قیام فرض ہے لیکن اگر کوئی بندہ کھڑا نہیں ہوسکتا، بیٹھ کر پڑھ لے قیام معاف ہو گیا۔ روزہ فرض ہے بیمار ہے قضاء کرے، تکلیف ہے نہ رکھے، بعد میں قضاء کرلے اور اگر ایسا بیمار ہے ایسی بیماری ہے کہ ٹھیک ہونے کی امید ہی نہیں یا عمر اتنی ہوگئی ہے کہ اس کے صحت مند ہونے کی امید نہیں تو فدیہ دے دے ایک مسکین کو صبح وشام کھانا کھلا دے اس کا روزہ ہو گیا۔ کتنی سہولتیں ہیں۔ وضو نہیں کرسکتا کوئی بیماری ہے یا پانی نہیں ملا فرمایا تیمم کرلے، مٹی پہ پاتھ مار کر منہ پر پھیر لو، بازوؤں سمیت ہاتھوں پر پھیر لو تو حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں وضو سے جلد پاک ہوتی ہے، تیمم سے ہڈیاں اور اس کا گودا بھی پاک ہوجاتا ہے اور وہ غسل کو بھی کفائت کرجاتا ہے، وضو کو بھی کفائت کرجاتا ہے۔ یعنی جو کام کر ہی نہیں سکتا اس کے کرنے کا اسے حکم ہی نہیں دیا۔ نہ اس کے بارے اس سے سوال ہوگا۔ فرمایا اتنی آسان زندگی والے جو لوگ ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یہ جنت کے رہنے والے لوگ ہیں۔

آج بتایا جاتا ہے جنت جانا مشکل ہے اور دوزخ میں تو بندہ دھڑام سے جا پڑتا ہے لیکن بات جب قرآن سے پوچھی جائے تو بالکل مختلف ہے۔ جنت جانا آسان ہے اور دوزخ جانے کے لئے مشکل اٹھانی پڑتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۴۲﴾ یاد رکھو یہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کوئی انہیں وہاں سے نکال نہیں سکے گا۔ نہ اس کی نعمتیں ختم ہوں گی نہ وہاں کا آرام ختم ہوگا نہ کوئی انہیں وہاں سے نکالے گا نہ انہیں وہاں موت آئے گی یہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

زندگی کا حسن محمد رسول اللہ ﷺ کے اتباع میں ہے:

اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنی عظمت کا شعور بخشا۔ کھانے پینے کا، لباس کا شعور تو اور بہت سی مخلوق میں بھی ہے۔ اس نے دوسری مخلوق کو بھی بڑے بڑے کمالات عطا کئے ہیں۔ انسانوں میں اگر کوئی بہت بڑا

انجینئر ہے تو شہد کی مکھیوں کا چھتہ شائد کوئی انجینئر نہ بنا سکے جیسا وہ خود بناتی ہیں۔ ہزاروں خانے بناتی ہیں۔ ہر خانے کے ضلعے ایک جتنے ہیں۔ ہر خانے کی دیواریں ایک جتنی ہوتی ہیں اور ایک جتنی موٹی اور پتلی ہوتی ہیں۔ اگر کسی میں اڑنے کا کمال ہے تو گدھ بھی اڑتے پھرتے ہیں اور پرندے بھی اڑتے پھرتے ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں انتہائے کمال اللہ کی تخلیق میں ہے لیکن ایک بات جو کہیں نہیں ہے وہ ہے اللہ کی معرفت، اللہ کو پہچاننا اور اس کو جیسا وہ ہے ویسا ماننا۔ اس کی استعداد صرف انسان میں ہے۔ معرفت الٰہی کی یہ استعداد فرشتوں میں بھی نہیں ہے۔ فرشتے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔ اس کی ذات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ حاکم کو پہچاننا اور ایسا پہچاننا کہ اس کی محبت کا دعویٰ کر بیٹھے یہ صرف انسان کے پاس ہے۔ لیکن محبت کے لئے تو جاننا بنیاد ہے۔ جسے جانتے ہی نہیں تو محبت کیا کریں گے یعنی محبت کی بنیاد جاننا ہے۔ آپ دولت سے محبت کرتے ہیں تو اس لئے کہ دولت کی افادیت سے واقف ہوتے ہیں۔ عہدے سے محبت کرتے ہیں تو اس کی افادیت سے واقف ہوتے ہیں تو کرتے ہیں۔ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے جانتے ہیں تو محبت کرتے ہیں۔ جانتے نہیں تو پھر اس سے محبت کیا کریں گے۔ اللہ سے محبت کا تقاضا بھی معرفت الٰہی ہے تو مشت غبار میں اللہ نے وہ توفیق رکھ دی کہ وہ چاہے تو دامن محمد رسول اللہ ﷺ کو تھامے، اپنے نبیؑ کے دامن کو تھامے جس امت میں بھی ہے تو وہ نبیؑ کی ذات اس کے دل کو وہ نور عطا کرے گی کہ وہ جمال باری سے آشنا ہو کر اللہ پر عاشق ہو جائے گا۔ دوسری طرف چند لقمے، چار چمکدار چیتھڑے اور چند روز کی واہ واہ یہ دنیا کی زندگی ہے۔ اگر کسی نے کھدر پہن لیا عمر اس کی بھی گزر گئی اور کسی نے ریشم پہن لیا دن اس کے بھی گزر گئے۔ ایک حکایت ہے کہ کوئی بادشاہ سویرے اٹھا تو اس نے محل کے جھروکے سے دیکھا دو پتھر پڑے ہیں، بجری کا ڈھیر ہے اس پر کوئی بندہ سو رہا ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اسے تو شاہی بستر پر نیند نہیں آتی، دوائیں کھانا پڑتی ہیں اور یہ آدمی بجری کے ڈھیر پر سو رہا ہے۔ یہ کیسا بندہ ہے؟ اس نے دربار میں بلوایا وہ جب پیش ہوا تو اس سے پوچھا تم پتھروں پر سو رہے تھے۔ وہاں تمہاری رات کیسے بسر ہوئی؟ اس نے کہا کچھ آپ جیسی کچھ آپ سے بہتر۔ بادشاہ نے کہا عجیب بات ہے مجھ سے بہتر کیسے؟ اس نے کہا جی جتنا وقت میں جاگتا رہا میں اللہ کا ذکر کرتا رہا۔ آپ جاگتے رہے آپ دنیا کے بکھیڑے سوچتے رہے۔ میرا وہ وقت آپ سے بہتر گزرا جب میں سو گیا، میں پتھروں پر سو گیا۔ آپ پلنگ پر سو گئے جیسے آپ سو گئے ویسے میں سو گیا وہ آپ جیسا تھا۔ میرے بھائی کوئی بڑے لذیز کھانوں سے پیٹ بھر کے آتا ہے اور کوئی سوکھی روٹی کھا لیتا ہے۔ وقت دونوں کا بسر ہو جاتا ہے۔ کوئی ریشمی لباس پہنے یا چیتھڑے۔ وقت گزر جاتا ہے لیکن جو اللہ کو پہچانتا ہے اور جس نے ان چیتھڑوں پہ بسیرا کر لیا اور عظمت الٰہی کو چھوڑ دیا ان میں بڑا فاصلہ ہو جاتا ہے۔ بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ فرمایا جنت میں نے مشکل نہیں رکھی۔ جنت میں نے آسان کر دی ہے۔ سادہ سی بات

ہے۔ کھاؤ، پیئو، کماؤ، اچھا پہنو، اچھی طرح رہو لیکن شرط یہ ہے کہ اس طرح سے کرو جس طرح سے میرا نبی کریم ﷺ بتاتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ دو کام جنہوں نے کئے ایک تو ایمان لائے۔ اللہ کو مانا، اللہ کے نبیوںؑ کو مانا، اللہ کے فرشتوں کو مانا، ضروریات دین کو مانا، کتابوں کو مانا، آخرت کو مانا، حساب کو مانا، جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے اچھے کام کئے تو وہ اہل جنت ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کو اچھا کہتا ہے حتیٰ کہ چوروں ڈاکوؤں کے پاس بھی جواز ہوتا ہے کہ یہ نہ کرتے تو کیا کرتے یہی طریقہ تھا۔ تو پھر کون طے کرے گا کہ کون سا کام اچھا ہے۔ اچھا کام وہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا یا کرنے کا حکم دیا یعنی اچھائی کا معیار کیا ہے؟ اللہ کا رسول ﷺ۔ قرآن حکیم میں آتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں میں اگر انہیں حکم دے دیتا کہ اپنے سر قلم کر دو، اگر میں انہیں حکم دے دیتا کہ اپنے گھر چھوڑ دو اور چلے جاؤ باہر جنگلوں میں چلے جاؤ تو بڑے تھوڑے لوگ اس کی جرأت کرتے لیکن فرمایا ہے کہ فائدہ اسی میں ہوتا اگر وہ اپنے سر کاٹ دیتے اور اپنا گھر چھوڑ دیتے فائدہ اسی میں ہوتا۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔ میں نے یہ تو کہا ہے اپنے نبیؑ کی اطاعت کر لو اور زندگی پُرآسائش اور آرام سے گزارو۔ یہ اس پہ بھی راضی نہیں ہیں تو اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا اگر میں یہ ترجمہ کر دوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں تو مفہوم کا حق ادا ہو جائے گا۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ان میں سے کسی کو ہم وہ کام کرنے کا حکم نہیں دیتے جس کی اس میں طاقت نہ ہو اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یہ سب جنت کے رہنے والے ہیں۔ یہ جنت کے باسی ہیں۔ یہ جنت کے شہری ہیں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۴۲﴾ اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان انسان ہی ہوتا ہے۔ دنیا میں رہ کر اس کے محسوسات میں کمی بیشی آتی رہتی ہے اور بے شمار چیزیں اسے ناگوار گزرتی ہیں۔ باپ کو بیٹے کا ایک کام ناگوار گزرتا ہے۔ بیٹے کو باپ کی ایک بات ناگوار گزر سکتی ہے تو دنیا میں رہتے ہوئے دلوں میں ناگواری سی بھی آجاتی ہے۔ تو سارے مومن تو ہوں گے لیکن بعض کو بعض سے کچھ گلہ شکوہ ہوگا یا بعض کو بعض کی کوئی بات پسند نہیں ہوگی یا بعض کو بعض سے کچھ ناگواری ہوگی فرمایا وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ ان کے دلوں کو ہم ایسی طرح صاف کر دیں گے کہ دنیا کی کسی بات کی ناگواری دلوں میں باقی نہیں رہے گی۔ محبت ہی محبت رہ جائے گی، پیار ہی پیار رہ جائے گا، شفقت ہی شفقت رہ جائے گی اور ناگواری کی جو کیفیات اور محسوسات ہیں وہ کسی دل میں نہیں رہیں گی تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ اللہ کے بنائے ہوئے جو باغ ہیں جنہیں جنت یا بہشت کہتا ہے وہ خاص ہیں۔ دنیا میں جہاں پانی پہنچتا ہے آپ وہاں باغ لگا سکتے ہیں۔ جہاں پانی نہیں وہاں باغ نہیں لگا سکتے۔ باغ پانی کے محتاج ہیں۔

فرمایا میری جنت کے جو باغ ہیں، نہریں ان کے تابع ہیں کوئی پہاڑ کی چوٹی پہ باغ لگانا چاہے گا تو نہر وہاں

پہنچے گی۔ وہ ایسے باغ ہیں کہ نہریں ان کے تابع بہتی ہیں یعنی ان میں کبھی خزاں نہیں آتی وہ مرجھاتے نہیں۔

آخرت کا سارا حسن حضور اکرم ﷺ کی غلامی میں ہے:

اہل جنت جب وہاں پہنچیں گے تو وہ کہیں وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا سب خوبیاں اس پاک پروردگار کی ہیں، اللہ کی ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچنے کی ہدایت نصیب فرمائی۔ توفیق عطا فرمائی۔ حضور اکرم ﷺ کے دامن سے وابستہ کیا اور آپ ﷺ کی غلامی کے شرف سے نوازا اور اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائی وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ اگر اللہ ہمیں تھام نہ لیتا تو ہم یہاں تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ اسی دنیا کے بکھیڑے میں کھو جاتے۔ اسی دنیاوی لذت آسائش کے پیچھے چلے جاتے، کسی لالچ میں آکر ضائع ہو جاتے۔ اے اللہ یہ بھی تیرا احسان ہے کہ تو نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور پھر وہاں کھڑے ہو کر کہیں گے لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ یقین ہو گیا ہے پکی بات ہو گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ اللہ کے نبیوں نے حق کی طرف دعوت دی، حق کے ساتھ دعوت دی۔ وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اور انہیں پکار کر کہا جائے گا، ہاتف پکار کر کہے گا یہ ہے وہ جنت جس کا تمہیں مالک بنا دیا گیا ہے۔ یہ میری جنتیں ہیں، یہ میری بہشتیں ہیں اُوْرِثْتُمُوْهَا تم اب اس کے وارث بن گئے ہو۔ تم اس کے مالک بن گئے ہو۔ آج تمہیں عطا کر دی گئی ہیں۔ یہ تمہاری ہو گئیں ہیں بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اس لئے کہ تم نے میرے نبی ؐ کی غلامی کی۔ تم نے میرے احکام کی پیروی کی۔ ان اعمال کی وجہ سے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ وہ اعمال کیا تھے؟ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ عمل صالح کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیروی اتباع اور اطاعت۔ تو فرمایا جب وہ اللہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم بھی باقیوں کی طرح دنیا میں کھو جاتے لیکن تو نے ہماری رہنمائی فرمائی، دستگیری فرمائی اور تو نے ہمیں یہاں پہنچا دیا۔ تو اعلان ہو گا کہ آج سے یہ جنتیں تمہاری ہیں۔ موج کرو کہ تم نے اس تھوڑے سے وقت میں میرے نبی ؐ کی غلامی کر دی۔ میری اطاعت کر لی تھی۔ نیک کام کر لئے تھے۔

جنتیوں اور دوزخیوں کا مکالمہ:

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ حساب کتاب کے بعد میدان حشر سے اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور بدنصیب جہنم میں جانے والے جہنم میں داخل ہو چکیں گے تو جنت کے رہنے والے اہل دوزخ کو مخاطب کر کے پکار کر کہیں گے آواز دے کر بات کریں گے کہ اللہ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا، ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ

کیا تھا وہ سچا ہے۔ ہم اللہ پر ایمان لائے، اللہ کے پیغمبر ﷺ کا اتباع اور اطاعت کی اور اس کے صلے میں اللہ نے ہمیں جنت میں پہنچا دیا۔ یہ اللہ کا وعدہ تھا۔ ہم نے اللہ کریم کے وعدے کو سچا پایا۔ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ تمہارے پروردگار نے جو تم سے وعدہ کیا تھا کیا تم نے بھی سچا پایا۔ قَالُوْا نَعَمْ وہ کہیں گے بالکل ٹھیک ہم نے سچا پایا۔ ہم ایمان نہ لا سکے۔ اتباع رسالت نہ کر سکے اور آج ہم دوزخ میں ہیں۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اور ایک آواز دینے والا ان کے درمیان یہ آواز دے گا اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ کہ ظالموں پر اللہ لعنت بھیجتا ہے یعنی بدکاروں، غلط کاروں پر اور غلط عقیدہ اور غلط اعمال کرنے والوں پر۔ لعنت کیا ہے؟ اللہ کی رحمت سے محرومی۔

انسان مجموعہ کمالات:

انسان اللہ کریم کی ایک عجیب مخلوق ہے۔ خالق کائنات نے اس میں بے پناہ خوبیاں رکھی ہیں۔ انسان مجموعہ ہے وجود اور روح کا بلکہ علماء تو یہ کہتے ہیں کہ روح کے بغیر انسان، انسان نہیں ہوتا۔ روح نکل جائے تو اسے میّت کہتے ہیں انسان نہیں کہتے تو جب انسان کی بات ہو تو درحقیقت اس کا اطلاق روح پر ہی ہوتا ہے اور انسان روح کی وجہ سے ہی انسان کہلاتا ہے۔ اس دار دنیا میں براہ راست مکلف بدن ہے اور روح اس کے تابع ہے۔ جب موت آتی ہے تو بدن کے قویٰ سلب ہو جاتے ہیں، بدن کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں، بدن گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے، مٹی میں واپس ملنا شروع ہو جاتا ہے تو روح مکلف بالذات ہوتی ہے اور بدن اس کے تابع ہوتا ہے۔ دنیا میں بدن کو تکلیف ہوتی یا اس کو دکھ آتا ہے تو روح بھی تڑپ اُٹھتی ہے۔ اس تک اضطراب پہنچتا ہے وہ بھی بے قرار ہوتی ہے۔ برزخ میں اگر روح کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے تو بدن کسی صورت میں تبدیل ہو جائے مادے کی کوئی نہ کوئی صورت تو باقی رہتی ہے۔ بدن جل جائے، کوئی درندہ کھا جائے، پانی میں غرق ہو جائے، قبر میں دفن ہو جائے کسی نہ کسی صورت بکھر کر وہ واپس مادے کی شکل میں ہی چلا جاتا ہے اور مادے کا ہر ذرہ جو اس بدن کا حصہ رہا ہے اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ یعنی روح کا تعلق دنیاوی زندگی کا ختم ہو جاتا ہے لیکن مطلق ختم نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہ تعلق رہتا ہے بلکہ بچپن سے لے کر مرنے تک کتنی دفعہ آپ بال کٹواتے ہیں، ناخن ترشواتے، کتنی کھال اتر جاتی ہے، کتنا حصہ جسم کا کٹ جاتا ہے ٹھیک ہو جاتا ہے، زخم ہوتے ہیں، بدن کے مادے نکل جاتے ہیں پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں تو ہر ذرہ بدن جو اس جسم کا حصہ رہا ہے، روح سے اس کا تعلق رہا ہے وہ تعلق ختم نہیں ہوتا۔ دنیاوی زندگی کا تعلق ختم ہوتا ہے اور یہ تعلق بھی عام انسان کا ختم ہوتا ہے۔ جن لوگوں میں اللہ قوت روحانی پیدا کر دیتا ہے ان کا تعلق بہت مضبوط ہوتا ہے۔ جس طرح جسم کی بے شمار خصوصیات ہیں۔ انسانی نظر کو ہی دیکھ لیں تو حیران ہوتا ہے بندہ کہ آنکھ بند کر و تو رک گئی اور آنکھ کھولو تو نگاہ سورج تک

پہنچ گئی۔ آن واحد میں آسمان تک پہنچ گئی، چاند تک پہنچ گئی۔ اسی طرح انسان کے ایک ایک عضو میں عجیب کمالات ہیں۔ دل سے لے کر اس کے معدے تک، گردوں تک، ہر چیز اپنا کام بڑی خوبصورتی سے اور بڑی ترتیب سے کر رہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ جب کسی پر بیماری بھیجتے ہیں تو کسی نہ کسی عضو کے کام میں کمی آجاتی ہے، جسم کا جو حصہ اپنا کام پورا نہیں کرتا وہاں بیماری آجاتی ہے۔ بدن تو مادے سے بنا ہے اور روح عالم امر کی شئے ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ بنی اسرائیل: 85 عالم امر کی ابتداء وہاں سے ہوتی ہے جہاں عالم خلق ختم ہوتا ہے۔ اجسام کی تخلیق تو سمجھ آتی ہے کہ وہ مادے کی کسی نہ کسی صورت سے بنے ہیں لیکن روح کیسے بنی؟ جبکہ وہ عالم امر سے ہے۔ عالم امر میں جہاں تخلیق شدہ کوئی شئے نہیں یا اللہ کی ذات ہے یا اس کی صفات ہیں۔ عالم امر خود صفت ہے اللہ کی۔ وہاں کسی مخلوق کا گزر نہیں اس میں سے روح کیسے بنی؟ فرمایا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۞ انسانی علم اتنا وسیع نہیں ہے کہ وہ اس بھید کو پا سکے کہ روح کیسے تخلیق ہوئی۔ تمہیں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ روح عالم امر سے ہے۔ امر ربی ہے۔ اس سے زیادہ تفتیش میں نہ پڑو، انسانی علم میں یہ استعداد ہی نہیں کہ اس بھید کو جان سکے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا یعنی بہت سے علوم جاننے کے باوجود تمہارا علم تھوڑا ہے۔ سو ظاہر ہے جب روح کی خصوصیات اتنی لطیف تر ہیں جو عالم امر کی شئے ہے اور اس کی جو خصوصیات ہیں اگر وہ کماحقہٗ کام کریں تو بدن اس کے مقابلے میں کہیں پیچھے رہ جائے گا۔ چنانچہ انبیاءؑ و رسلؑ جب تشریف لاتے ہیں تو ان کا کمال یہی ہوتا ہے کہ آپؐ احکام الٰہی بیان کرتے ہیں جن پر وجود انسانی عمل پیرا ہوتا ہے۔ انسانی عقل و خرد احکام کو قبول کرتی ہے اور دل اللہ کی توحید کو اندر سے قبول کرتا ہے۔ بندہ اللہ کی توحید کو اپنے شعور سے اپنے اختیار سے قبول کرتا ہے۔ وضو کرتا ہے، اپنے ہاتھ، پاؤں، منہ دھوتا ہے، اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اگرچہ قیام بدن سے کرتا ہے، رکوع و سجود بدن سے کرتا ہے لیکن اس کی روح درحقیقت اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کرتی ہے، روزہ رکھتا ہے تو بھوک پیاس بدن برداشت کرتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے تو بدن کی کمائی اپنی دولت کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں بانٹتا ہے لیکن انبیاءؑ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ افعال بدن کے ہوتے ہوئے اثرات ان کے روح پر مرتب ہوتے ہیں۔ باقی دنیا کے جتنے مشاہیر عالم ہیں جو مختلف علوم میں مستند مانے جاتے ہیں جیسے کوئی طب میں، کوئی سائنس میں، کوئی کسی علم جراحی میں، کوئی ادب میں، کوئی تاریخ میں تو ان تمام مشاہیر عالم کی رسائی صرف انسانی ذہن تک ہے۔ اس کا انسانی کردار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک انسان بہت بڑا شاعر بن جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کا کردار بھی ٹھیک ہو۔ ایک انسان بہت بڑا مورخ بن جاتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کا کردار بھی صحیح ہو۔ ایک انسان جغرافیہ دان بن جاتا ہے لیکن اس کے لئے

یہ ضروری نہیں کہ اس کے باقی امور بھی درست ہوں ۔ نبیؑ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ نبیؑ انسانی زندگی کی ہر جہت میں برکات پیدا کر دیتا ہے۔ نبیؑ کی برکات بظاہر ہمیں وحی الٰہی، کتاب اللہ کی صورت میں ملیں، حضور اکرم ﷺ کے لب ہائے مبارک سے، حضور اکرم ﷺ کے زبان مبارک سے الفاظ ارشاد ہوئے، وہ الفاظ ہم نے نقل کر لئے ۔جن کا تعلق محض زبان سے ادا کرنے اور کانوں سے سننے یا دماغ کے سننے تک نہیں ہے اس کی ایک ایک آیت روح کی گہرائیوں تک نورانیت پیدا کر دیتی ہے۔روح کی زندگی ایمان ہے۔جنہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا ان کی روح اس طرح ہوتی ہے جس طرح زندوں میں کوئی مردہ آدمی ۔ اس روح کی کیفیت یہ ہوتی ہے جس طرح زندہ انسانوں میں کوئی مردہ آدمی ہو۔ایمان روح میں حیات پیدا کرتا ہے اور اتباع رسالت اس میں قوت پیدا کر دیتی ہے۔اسی لئے قرآن حکیم نے جس پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ ذکر الٰہی ہے۔ذکر الٰہی کی کئی صورتیں ہیں۔کوئی بھی عمل آپ ﷺ کے حکم اور سنت کے مطابق کرتے ہیں تو عملاً ذکر ہے۔دیانتداری سے کاروبار کرنا، معاملات میں کھرا ہونا ذکر الٰہی کی ایک صورت ہے۔

تسبیحات پڑھتے ہیں یا تلاوت کرتے ہیں یا عبادت کرتے ہیں تو یہ لسانی ذکر ہے ان سب کے باوجود قرآن جس پر زور دیتا ہے وہ ذکر کثیر اور ذکر دوام ہے اور یہ دونوں صفتیں ذکر کثیر اور ذکر دوام یہ قلب کے اوصاف ہیں کہ انسان کو جب ذکر قلبی نصیب ہوتا ہے تو دراصل روح میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

نبیؑ اور عام انسان کی موت میں فرق ہے:

عام آدمی کی روح قبض کی جاتی ہے لیکن انبیاءؑ کی روح کا تعلق بدن سے جو دنیاوی امور سے تھا وہ ختم کر دیا جاتا ہے۔مسکن اس کا بدن ہی ہوتا ہے۔آپ نبی اکرم ﷺ کی ذات کے اوصاف میں یہ بات بھی دیکھیں کہ جو بدن حضور اکرم ﷺ کو عطا ہوا اس جیسا کوئی مکان اللہ تعالیٰ نے دوسرا نہیں بنایا۔ یہ تو طے ہے کہ حضور اکرم ﷺ ہر لحاظ سے افضل الخلائق ہیں۔مخلوق میں جنت بھی ہ، حوریں بھی ہیں، فرشتے بھی ہیں، نوری مخلوق بھی ہے، خاکی مخلوق بھی ہے لیکن ساری مخلوق سے افضل ترین محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔اور وجود پاک کی عظمت کے بارے علماء حق ایک بڑی خوبصورت بات لکھتے ہیں کہ دنیا میں افضل ترین مقام کون سا ہے؟ فرماتے ہیں وہ جگہ جہاں بیت اللہ ہے۔وہ افضل ترین جگہ ہے اور وہ بنیادی نقطہ ہے جو زمین کا بھی بیچ ہے۔یہ ایک نقطہ اللہ نے پانی پر پیدا فرمایا پھر یہاں سے ساری زمین پھیلائی اور یہ نقطہ مہبط تجلیات ذات باری ہے ذاتی تجلیات اس پر نازل ہو رہی ہیں۔یہ افضل ترین ہے لیکن

فرماتے ہیں زمین کا وہ حصہ جہاں حضور اکرم ﷺ آرام فرما ہیں جو خطہ زمین آپ ﷺ کے بدن عالی سے مَس ہورہا ہے وہ بیت اللہ سے افضل ہے۔ بیت اللہ پر بھی تجلیات ذاتی کا نزول ہوتا ہے لیکن جو تجلیات ذاتی محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتی ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہیں اور زمین کا وہ حصہ، روضۂ اطہر کا وہ حصہ جہاں حضور اکرم ﷺ آرام فرما ہیں، حضور اکرم ﷺ کے بدن عالی سے مَس ہورہا ہے وہ بیت اللہ سے افضل ہے۔ لہٰذا کوئی مقام جنت کا ہو، عرش کا ہو، آسمان ہو یہ سب مخلوق ہیں اور ان سب میں افضل ترین ہے وجود عالی آقائے نامدار ﷺ اب اگر کوئی یہ کہے کہ وصال کے بعد روح عالی بدن عالی سے جدا ہو کر کسی اور مقام پر مکین ہے تو یہ ایک عجیب بات ہو جائے گی کہ ایک اعلیٰ جگہ کو چھوڑ کر اس سے کم تر جگہ پر رہے۔ یہ صورت ہوتی ہے انبیاءؑ کے وصال کی۔ اسی لئے نبیؐ کا اتباع کرنے والے اور نبیؐ کی نبوت کی شہادت دینے والے اور توحید حق کے گواہ جب اس راہ میں جان دے دیتے ہیں تو ان کے بارے بھی اللہ کریم فرماتے ہیں وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ ال عمران: 169 ان کے بارے سوچنا بھی حرام ہے کہ وہ مر گئے کہنا تو دور کی بات دعویٰ کرنا تو دور کی بات تو فرمایا قُتِلُوْا قتل ہو گئے، گردن پر تلوار چلی، بم پھٹا، گولی لگی، جسم پھٹ گیا، سر اُڑ گیا، جسم کے پرخچے اُڑ گئے۔ آپ نے انہیں دفن کر دیا۔ قبر بنادی۔ اس سب کے باوجود فرمایا یہ سوچنا بھی حرام ہے کہ وہ مر گئے۔ کہنا تو دور کی بات ہے سوچو بھی نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں يُرْزَقُوْنَ کھاتے پیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ وہ زندہ ہیں بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ البقرہ: 154 تمہاری عقل، تمہارا عقل وشعور اس بات کا احاطہ نہیں کر سکتا کہ ایک شخص کا بدن بے حس ہے، حرکت نہیں کرتا، آواز نہیں سنتا، کھاتا پیتا نہیں، گرمی سردی محسوس نہیں کرتا، قبر میں دفن کر دیا گیا ہے اور وہ زندہ ہے۔ مادی طور پر بھی شہدا کی زندگی کے ہزاروں ثبوت ملے ہیں۔ قبریں کھودی گئیں، دوسری جگہ منتقل کئے گئے، صدیوں بعد ان کے وجود تر و تازہ ہیں اور ایک نہیں یہ ہزاروں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ تو روح کا مسکن بدن کے ساتھ روح کا تعلق اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ نہ وہ گلتا ہے نہ وہ سڑتا ہے نہ وہ خراب ہوتا ہے۔ جس طرح زندگی میں تر و تازہ تھا ویسے ہی تر و تازہ رہتا ہے۔ اگر شہداء کا یہ عالم ہے تو انبیاءؑ کا اللہ ہی جانے کیا ہوتا ہوگا!

اسی طرح تعلیمات نبوت میں یہ کمال ہوتا ہے کہ بظاہر انسانی عقل وشعور کو دعوت دے رہی ہیں، اعضاء و جوارح کو دعوت دے رہی ہیں، کام اس کا عقل وشعور کرتا ہے لیکن پاکیزگی وجود میں بھی آتی ہے اور قوت روح میں بھی آتی ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں تو عبادت بھی کرتا ہوں لیکن میری روح میں قوت نہیں آتی تو شائد یا اس کا طریق

عبادت صحیح نہیں ہوگا، حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق نہیں ہوگا یا اس کے عقیدے میں کوئی فرق ہوگا کہیں کوئی گڑبڑ ہوگی۔

انبیاءؑ کی خصوصیت:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود عالی بھی انتہائی پاک اور لطیف ہوتا ہے۔ باوجود مادی ہونے کے ان کے ظاہری وجود میں بھی اتنی نورانیت، اتنی لطافت ہوتی ہے، اتنی پاکیزگی ہوتی ہے کہ وہ براہ راست کلام الٰہی کو سنتا ہے۔ یہ صرف انبیاءؑ کی خصوصیت ہے۔ عام انسانوں کے لئے بھی قدرت کا نظام ہے کہ ہم بھی جب بات کرتے ہیں تو ہر آواز کی ایک فریکوینسی ہوتی ہے اسی طرح بعض جانوروں کو اللہ نے اتنی قوت سماعت دی ہے کہ انسان ان کی آواز نہیں سنتا لیکن وہ سن لیتے ہیں۔ امریکہ میں ایک ریاست ہے جہاں بے شمار بڑے بڑے ہرن پھر رہے ہوتے ہیں جو شام کو شہر میں گھس آتے ہیں چونکہ انہیں مارتا کوئی نہیں تو وہ گاڑیوں کی ٹکروں سے مر جاتے ہیں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ گاڑیوں میں ایک ہارن لگا دیتے ہیں جیسے ہی گاڑی سٹارٹ ہوتی ہے وہ بجنا شروع ہو جاتے ہیں لیکن انسان کو سنائی نہیں دیتا۔ یعنی اس کی فریکوینسی اتنی Low ہوتی ہے کہ نہ ڈرائیور خود سن رہا ہوتا ہے نہ کوئی راہگیر سنتا ہے اور وہ جانور سن لیتے ہیں۔ کہیں سے گاڑی آ رہی ہوتی ہے تو وہ راستے سے ہٹ جاتے ہیں۔ قدرت کا یہ کمال ہے کہ جانوروں کو ایسی قوت سماعت دے دی ہے کہ انسان ایک آواز کو نہیں سنتا وہ سن لیتے ہیں۔ انبیاءؑ وہ منتخب ہستیاں ہیں جن کے خصائص ان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انبیاءؑ کی قوت سماعت ان کی شان کے مطابق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا** النساء: 164 موسیٰؑ اللہ سے بات کرتے تھے۔ اللہ کریم سے مخاطب ہونے اور اللہ کریم کی بات سننے کے لئے وہ درجۂ معصومیت چاہیے جو صرف نبیوں میں ہے۔ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پوری دنیا میں کوئی ایک بندہ گواہ نہیں ہے کہ وحی آئی میں نے بھی سنی کہ یہی وحی آئی۔ اس پائے کا کوئی دوسرا بندہ نہیں تھا جو سنتا۔ یہ صرف شان نبوت ہوتی ہے۔ اور یہ نبیؐ کے اوصاف کمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ وہ بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ بیٹا چھوٹا سا تھا۔ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** قرآن نے کہا جب دوڑنے پھرنے کے قابل ہوئے، تین سال کا بچہ بھی دوڑتا ہے، پانچ سال کا بچہ بھی دوڑنے بھاگنے لگ جاتا ہے تو جب وہ ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں بچے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب چاہیے یہ تھا کہ اللہ کی وہ عظیم خاتون جس نے ساری عمر ان کا ساتھ دینے کا حق ادا کر دیا۔ نہ صرف آپؐ پہ ایمان لائیں، نہ صرف صحابیہؓ تھیں، نہ صرف زوجۂ محترمہ تھیں بلکہ

ساری عمر کی ایسی رفیق تھیں کہ ہر دکھ سکھ میں ساتھ رہیں۔ جب ہجرت کا حکم ہوا تو، مکہ مکرمہ میں وہاں ویرانہ تھا۔ وہاں انہیں چھوڑ گئے تو بی بی صاحبہ نے صرف اتنا پوچھا کہ مجھے اور معصوم بچے کو آپ کس کے بھروسے پہ چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ فرمایا اللہ کے۔ انہوں نے کہا پھر اللہ کافی ہے۔ لیکن چونکہ وہ نبیہ نہیں تھیں اس لئے ابراہیمؑ نے ان سے بات نہیں کی۔ تو اس محترم خاتون سے بات کیوں نہیں کی؟ جو بے تابانہ صفاء و مروہ میں دوڑیں ان کا دوڑنا اللہ نے حج کا رکن بنا دیا قیامت تک۔ بعد میں آنے والے انبیاءؑ و رسلؑ دوڑتے رہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی سعی فرمائی لیکن وہ نبیہ نہیں تھیں اللہ کی مقبول بندی تھیں۔ وحی کو سمجھنا نبیؑ کا کام ہے۔ اسماعیلؑ بچے تھے۔ ان سے بات کی کہ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہا ہوں تو ان کا جواب عجیب ہے، قرآن نقل فرماتا ہے۔ انہوں نے فرمایا قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ابا آپ کا خواب، خواب نہیں ہے۔ آپ خلیل اللہ ہیں۔ اللہ کے نبیؑ ہیں۔ آپ کا خواب وحی الٰہی ہے۔ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور آپ اسے پورا کریں اور اگر آپ کو یہ خطرہ ہے کہ میں کم سن ہوں اور میں چلاؤں گا تو ایسا نہیں ہے۔ سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۰۲ الصّٰفّٰت : 102 اللہ نے چاہا آپ تو مجھے صابر پائیں گے کہ میں بھی اللہ کا رسولؑ ہوں۔ یعنی عظمتِ رسالت یہ ہے کہ یہ وہبی ہوتی ہے۔ اللہ عطا کرتا ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ نبیؑ بچہ ہو تو نبیؑ ہے۔ نبیؑ بزرگ ہو تو بھی نبیؑ ہے اور نبیؑ جوان ہو تو بھی نبیؑ ہے۔ نبیؑ عالم امر میں نبیؑ ہے۔ نبیؑ عالم خلق میں نبی ہے۔ نبیؑ اس دنیا میں نبیؑ ہے۔ نبیؑ برزخ میں نبیؑ ہے۔ نبیؑ عرصہ محشر میں نبیؑ ہے۔ نبیؑ جنت میں نبیؑ ہے۔ تو انبیاءؑ میں وہ طہارت اور وہ لطافت ہوتی ہے اور پھر حضور اکرم ﷺ کی ذات تو بے مثل و مثال ہے۔ آپ ﷺ وجود عالی کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے۔ آج کے دانشور زور لگا کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ معراج جسمانی نہیں تھا روحانی تھا۔ روحانی تو خواب کی مثال ہو گیا اگر روحانی تھا تو ابوجہل اور اس کا ٹولہ کیوں انکار کرتا تھا۔ خواب تو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے۔ مشرکین مکہ نے کس بات کا انکار کیا؟ اگر حضور اکرم ﷺ کہتے کہ میں نے خواب میں بیت المقدس دیکھا ہے تو کون سی عجیب بات تھی۔ خواب تو کوئی بھی کہیں بھی دیکھ سکتا ہے۔ انکار ہی اس بات کا تھا کہ حضور اکرم ﷺ فرما رہے تھے کہ اپنے وجود عالی کے ساتھ بیت المقدس اور وجود عالی کے ساتھ ہی بالائے آسمان تشریف لے گئے۔ اسی کا انکار مشرکین مکہ نے کیا تھا۔ جس طرح آج کا دانشور بزعم خود کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ معراج عالی جسمِ عالی کے ساتھ تھا اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر جبرئیل امین جو فرشتوں کے سردار ہیں۔ وہ ہستی ہیں جس کی فرشتے اطاعت کرتے ہیں اور نوری مخلوق ہیں۔ ان کے بارے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ پر اس نے عرض کیا

یک سرے موئے برتر فرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

اے اللہ کے رسول ﷺ اگر یہاں سے سرِ مُو یعنی بال برابر آگے قدم رکھوں تو تجلیات باری میں جل کر خاک ہو جاؤں گا۔ حضور اکرم ﷺ آگے تشریف لے گئے۔ وجود عالی کے ساتھ کہاں تک تشریف لے گئے؟ جہاں تک رب نے چاہا۔ میں اور آپ نہیں جانتے۔ مولوی، عالم، پیر نہیں جانتا۔ یہ ربّ جانے ربّ کا نبی ﷺ جانے۔ اس کا مطلب ہے وجود عالی کی لطافت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ آپ تھے تو بشر اولاد آدمؑ میں سے تھے، حضرت عبداللہ کے بیٹے، عبدالمطلب کے پوتے لیکن آپ ﷺ کا بشری وجود ملائکہ کے سردار سے بھی کروڑوں درجے بلند تر تھا۔ جب روح میں یہ قوت پیدا ہوتی ہے تو کلام الٰہی وصول کرتا ہے۔ اسی لئے نبی کا کشف بھی وحی ہے۔ نبی کو فرشتہ آ کر بتائے، انسانی شکل میں بتائے یا فرشتہ فرشتے کی شکل میں آ کر بتائے نبیؑ کے دل پر القاء ہو جائے، نبی خواب دیکھ لے تو یہ سب وحی الٰہی ہے۔ جیسے ابراہیمؑ نے خواب ہی دیکھا تھا جس پر اسماعیلؑ نے تعبیر دی يَآبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ الصّٰفّٰت:102 کہ آپ کو حکم دیا جارہا ہے آپؑ کر گزریں۔ اس میں مشورے کی کیا بات ہے۔ تو روح میں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بات سن بھی سکتی ہے بات کہہ بھی سکتی ہے، جب روح میں قوت پیدا ہوتی ہے تو پھر یہ حجاباتِ برزخ کچھ نہیں رہتے۔ یہ بدن کے لئے ہیں روح کے لئے نہیں اور یہ پیدا ہوتی ہے، انبیاءؑ کے اتباع اور ان برکات کے حصول سے جو قلوبِ انبیاءؑ سے تقسیم ہوتی ہیں اور قلوب مؤمنین کو منور کرتی ہیں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ دنیا میں مکلف بالذات بدن ہے اور برزخ میں مکلف بالذات روح ہے۔ عرصہ محشر میں بدن اور روح دونوں برابر کے مکلف ہوں گے۔ جو قوتیں روح میں ہیں وہ بدن میں بھی آ جائیں گی جو بدن میں ہیں وہ روح میں بھی آ جائیں گی۔ دونوں برابر کے مکلف ہو جائیں گے۔ اب جنت کہاں عالم بالا میں۔ دوزخ نیچے اسفل سافلین میں کہیں نیچے تحت الثُریٰ میں یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ جنت والے جنت میں کھڑے ہوں گے وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ وہ وہاں سے دوزخیوں کو دیکھیں گے۔ پہچانیں گے تو بات کریں گے۔ وہ کہیں گے وہ تو فلاں بندہ ہے۔ یہ تو دنیا میں بڑا اکڑتا تھا۔ ہمیں بیوقوف اور جاہل بناتا اور اپنے آپ کو دانا و بینا کہتا تھا تو آؤ اس سے پوچھیں تو سہی تب اسے پکار کر پوچھیں گے۔ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا سنو! ہمارے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ دنیا میں تم ہمارا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کی شکلیں دیکھو یہ جنت سے آ گئے ہیں۔ ان کا عقیدہ صحیح نہیں ہے۔ یہ اپنے آباؤ اجداد کے عقیدے سے ہٹ گئے ہیں یہ بے دین ہو گئے ہیں۔ یہ صابی ہو گئے ہیں، یہ فلاں ہو گئے ہیں لیکن ہم اللہ

کے وعدے پر قائم رہے اور آج ہم نے اللہ کا وعدہ سچا اور کھرا پایا۔ اللہ نے ہمیں جنت میں پہنچا دیا۔ اللہ کا وعدہ تھا کہ مجھے وحدہٗ لاشریک مانو اور صرف میری عبادت کرو، میرے انبیاءؑ کو برحق مانو، میری کتابوں کو سچا مانو، فرشتوں پر ایمان لاؤ، یوم آخرت پر ایمان لاؤ، ہم نے ضروریات دین کو مانا اور مقدور بھر اطاعات کی۔ ہم سے غلطیاں ہوئیں تو ہم نے اللہ سے توبہ کی، اللہ سے معافی مانگی۔ یہ بھی اس کا وعدہ تھا کہ غلطی کرو گے، قصور کرو گے اور مجھ سے معافی مانگو گے تو میں معاف کر دوں گا، ہم نے اس کے سارے وعدے سچے پائے اور آج دیکھ لو ہم جنت میں کھڑے ہیں۔ اللہ کی بے پناہ نعمتیں ہیں، شمار ہی نہیں ہو سکتیں۔ تو ہم نے تو اللہ کے وعدے کو سچا پایا اور تم بتاؤ تم سے بھی اس نے وعدے کئے تھے کہ اگر نہیں مانو گے میرے نبیؐ کی غلامی نہیں کرو گے تو میں تمہیں دوزخ کی آگ میں جلاؤں گا۔ تمہارا کیا حال ہے؟ فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا پروردگار نے تم سے بھی وعدے کئے تھے۔ کیا تم نے سچے پائے؟ قَالُوْا نَعَمْ ۚ کہیں گے جی سچے پائے۔ بات وہی سچی ہوئی جو اللہ کی تھی۔ جو وعدہ اس نے ایمان والوں سے کیا تھا وہ بھی سچا ہوا، جو وعدہ اور نافرمانی کرنے والوں سے کیا تھا اسے بھی سچا پایا، آج ہم دوزخ میں جل رہے ہیں۔ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ ان کے درمیان سے پکار کر کہے گا اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو یعنی اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔ سب سے بڑا ظلم اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک کرنا ہے۔ اللہ کی نافرمانی ظلم ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اتباع میں نافرمانی کرنا ظلم ہے، بات کو نہ ماننا بڑا ظلم ہے، انکار کرنا کفر ہے، جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وہ سچ ہے اس پر عمل نہ کرنا بھی ظلم ہے۔ ماننے کی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے بلکہ اکثر آئمہ کا ارشاد یہ ہے کہ عمل ہی ایمان ہے۔ آئمہ اربعہ میں سے بھی تین امام اس پہ متفق ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، صحیح حدیث کے حوالے سے اس پر بڑا زور لگاتے ہیں کہ عمل ہی ایمان ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ میں اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہوں اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ کا رسول ﷺ مانتا ہوں تو کلمہ حق پڑھنا بھی تو ایک عمل ہے یہ وہ بھی نہیں کہتے کہ عمل ایمان نہیں ہے۔ کہتے ہیں ہر کلمہ گو کو ایمان دار مانا جائے کہ کلمہ پڑھنا بھی تو ایک عمل ہے۔ تو اصل شہادت عمل کی ہے ورنہ یہودی کہتے تھے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا النساء:46 بات ہم نے سن لی لیکن مانتے نہیں۔ یہ تو نہ ماننا ہوا۔ ماننا یہ ہے جو صحابہؓ کی خصوصیت ہے۔ ارشاد ہے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے ارشاد عالی سن لیا اور اس پر عمل کریں گے۔

روح کی وسعت دیکھیں وہ جنتی کہاں ہیں دوزخی کہاں ہیں، کتنا فاصلہ ہے؟ مرنے کے بعد بدن اور روح کی استعداد برابر ہو جائے گی۔ نہ صرف جنتیوں میں یہ استعداد ہو گی کہ جنت سے پکار کر دوزخ میں بات کر لیں

دوزخیوں میں بھی یہ استعداد ہوگی کہ وہ بات سن بھی رہے ہوں گے جواب بھی دے رہے ہوں گے۔ مرنے کے بعد ان کے ادراکات اتنے وسیع ہوجائیں گے تو جب ان کا ادراک اتنا وسیع ہوگیا تو اس کا انہیں کیا فائدہ ہوگا؟ فائدہ یہ ہوگا کہ تو اہل جہنم کا یہ وسعت ادراک عذاب کی شدت اور زیادہ بڑھادے گا اور جنتیوں کی یہ وسعت ادراک نعمتوں کی لذت کئی گنا بڑھادے گا۔ اور درمیان میں پکار کر کہنے والا ہاتف یہ کہے گا کہ ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے عقیدہ خراب کیا اور جنہوں نے کردار خراب کیا اور وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔ یہ وہ لوگ ہیں الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جن کا عقیدہ جن کا عمل، جن کی گفتار، جن کا کردار دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکنے کا سبب بنا۔ ایسے لوگ جو بدعقیدگی پھیلاتے ہیں، بدعملی پھیلاتے ہیں، جو بولتے ہیں تو ان کی باتیں لوگوں کے عقائد خراب کرتی ہیں جب عمل کرتے ہیں تو ان کا کردار لوگوں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے لوگ جو عملاً بھی، زبانی بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ اور یہی لوگ ہیں جو ٹیڑھے ٹیڑھے چلتے ہیں

اللہ کی اطاعت میں امیری اور غریبی دونوں جنتیں ہیں:

سیدھا راستہ کیا ہے؟ وہ راستہ جس پر اللہ کے نبیؑ چلتے ہیں اور جہاں بھی انبیاءؑ کی مخالفت ہو وہ ٹیڑھا پن ہے۔ ہم زندگی بسر کئے جارہے ہیں۔ ہمیں بڑی فکر ہوتی ہے کہ شام کو کھائیں گے کیا؟ یہ فکر ستاتی ہے کہ اس مہینے کی تنخواہ تو جلدی ختم ہوگئی بچوں کے کپڑے رہ گئے، فلاں کا بستہ رہ گیا، یہ ساری فکریں ہر بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق ستاتی رہتی ہیں۔ میں نے ذاتی طور پر غریبی بھی دیکھی اور امیری بھی۔ میں نے اٹھائیس روپے ماہوار پر ملازمت کی ہے اور یہ زمانہ بھی ہے کہ میں پندرہ بیس لاکھ ہر مہینے ملازمین کو اپنی جیب سے تنخواہ دیتا ہوں میرا تجزیہ یہ ہے کہ جو آرام غریبی میں ہے وہ امیری میں نہیں ہے۔ غریبی میں بندہ مکلف کم ہے، اس کی استعداد کم ہے، اس میں قوت کار کم ہے، اس کی رسائی چیزوں تک کم ہے، وہ اتنا مکلف ہے جتنی اس کی رسائی ہے، اس امارت میں کیا رکھا ہے کہ اس سے اختیارات بڑھ گئے۔ رسائی دور تک ہوگئی۔ اب اس سب کا جواب بھی تو دینا ہوگا۔ اس میں وہ اکیلا ہے۔ بے شمار گناہ ایسے ہیں کہ جو بندہ کرنا چاہے تو غریبی کی وجہ سے نہیں کرسکتا۔ دولت آجائے تو جو چاہے کرسکتا ہے۔ بہر حال یہ اللہ کریم کی مرضی ہے کہ وہ کس کو کس حال میں کب تک رکھتا ہے۔ غریب ہمیشہ غریب نہیں رہتا، امیر ہمیشہ امیر نہیں رہتا۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ ال عمران: 140 یہ دن ہیں ان کو ہم لوگوں میں پھراتے رہتے ہیں۔ غریبی ہو یا امیری اللہ کی اطاعت اور نبیؐ کا اتباع نصیب ہو تو دونوں جنتیں ہیں۔ میں عرض کررہا تھا کہ ہم

روزمرہ کی چیزوں کی کتنی فکر کرتے ہیں، کھانے پینے کی، تمام دنیاوی امور کی فکر کرتے ہیں اور اس بات کی فکر بہت کم کرتے ہیں کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، کر رہا ہوں یہ سب کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں۔ یہ دفتر جب عرصہ محشر میں کھلے گا تو کیا ہوگا، میرے معاملات کا اثر میری قبر میں کیا ہوگا۔ میدان حشر میں تو حضور اکرم ﷺ کی شہادت پر کسی کا عمل عبادت شمار ہوگا اور جس کام کے بارے آپ ﷺ فرمادیں گے کہ فلاں کام اس شخص نے اپنی مرضی اور اپنے طریقہ پر کیا تو اس کا جواب کیا ہوگا؟

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ جس چیز کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لیا ہے وہ رزق کی فراہمی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے مَامِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا زمین پر جو جاندار ہے اس کو رزق پہنچانا ہمارے ذمے ہے اور ہم نے یہ ذمہ داری خود اٹھالی ہے لیکن ہم اس کی فکر کرتے ہیں اور جو ذمہ داری ہماری ہے اس کی فکر نہیں کرتے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کر کے دیکھیں کہ کیا ہمارا عقیدہ وہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یا ادھر اُدھر سے سن کر اپنا رکھا ہے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ہم اپنے کاروبار میں ذاتی امور میں ایسا نہیں کرتے وہاں تو پوری چھان بین کر کے بڑی دانشمندی سے قدم اٹھاتے ہیں کہ کہیں نقصان نہ ہوجائے لیکن فکر آخرت سے دور ہیں اور اس کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی گفتگو لایعنی، لغو اور فضول ہوتی ہے یہ اپنے افکار، کردار و عمل سے لوگوں کو اللہ کی راہ سے عملاً روکتے ہیں۔ یہ ہر اس الٹے کام کی طرف بھاگتے ہیں جس سے اللہ کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ کٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آخرت کا انکار کر بیٹھے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عدم اعتماد کا نتیجہ آخرت کا انکار ہے:

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کریم نے وہ علوم عطا فرمائے جو اوّلین و آخرین میں سب سے بڑھ کر ہیں تو آخرت کے بارے جتنا حضور اکرم ﷺ بتا سکتے ہیں وہی حتمی اور یقینی ہے۔ اگر سارے مرنے والے برزخ سے لوٹ آئیں تو آپ بیتی بتائیں گے کسی دوسرے کی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تو دنیا میں بیٹھ کر آخرت کا حال بتا دیا ہے۔ پوری حقیقت بتادی ہے تو پھر کس کا انتظار ہے، اس سے بڑا گواہ کون ہے، لیکن آخرت کا انکار کرنے والے وہی ہیں جنہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتماد نہیں۔ وَبَیْنَھُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَی الْاَعْرَافِ اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان اعراف ہوگا رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ کُلًّا بِسِیْمٰھُمْ ۚ وہ لوگ جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچانتے ہوں گے۔

اعراف وہ مقام ہے جہاں لوگ پل صراط سے گزر کر پہنچیں گے۔ جو پار پہنچیں گے ان میں سے اکثریت تو پھر جنت میں داخل ہوجائے گی لیکن کچھ لوگ اعراف میں ہی رک جائیں گے، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ پل صراط سے ہر

کوئی اپنی قوت ایمانی اور اعمال صالحہ کے مطابق گزرے گا۔ جس طرح دنیا میں چلنے کے لئے تندرست جسم کی ضرورت ہے کہ کمزوری ہوتو چلنا مشکل ہو جاتا ہے اسی طرح پل صراط پر چلنے کے لئے درست عقیدہ، مضبوط ایمان ویقین اور پاکیزہ کردار کی ضرورت ہوگی۔ کچھ مسلمانوں کا یہ عالم ہوگا کہ وہ جب پل صراط سے گزریں گے تو جہاں تک ان کے اعمال ساتھ دیں گے وہاں تک وہ جاسکیں گے جہاں نیکیاں ختم ہو جائیں گی وہاں وہ جہنم میں گر جائیں گے پھر انہیں پیدل چل کر جہنم سے گزرنا ہوگا وہ کتنے ہزاروں سال کا فاصلہ ہوگا۔ آگ کی کیا کیفیت ہوگی اس میں کس طرح چلنا ہوگا۔ بالآخر کچھ لوگ حضور اکرم ﷺ کی شفاعت سے کچھ شہداء صالحین، اہل اللہ کی شفاعت سے دوزخ سے نکل آئیں گے، کچھ پر اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائیں گے اور نکال لیں گے۔ لیکن ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کے وجود جل چکے ہوں گے۔ اللہ کریم پھر انہیں نیا گوشت پوست عطا فرمائیں گے۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی یہ عیاں ہوگا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہنم سے ہو کر آئے ہیں۔

کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو جنت تک نہ پہنچ سکیں گے کہ ان کے اعمال صالحہ ختم ہو چکے ہوں گے۔ وہ اعراف میں ہوں گے۔ اعراف سے انہیں جنت اور اہل جنت بھی نظر آرہے ہوں گے اور جہنم اور اہل جہنم بھی نظر آرہے ہوں گے اور ان دونوں گروہوں کو اہل اعراف بھی نظر آرہے ہوں گے اور اتنے فاصلے پر رہ کر بھی ایک دوسرے سے بات کرسکیں گے۔

انسان کو یہ قوت نصیب ہونے کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب روح کی حیات ہے۔ روح کی حیات نور ایمان سے ہے۔ جیسے بچہ بلوغت کو پہنچتا ہے تو نیک و بد کو سمجھنے لگتا ہے۔ حالات کو سمجھتا ہے اسی طرح روح کو نور ایمان نصیب ہو اور اتباع رسالت پناہی نصیب ہو تو وہ بالغ اور جوان ہو جاتی ہے اور اس میں وہ قوت ہوتی ہے کہ وہ برزخ کو بھی دیکھ لیتی ہے اور عالم بالا کو بھی۔ البتہ ان لوگوں پر آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ نہ وہ برزخ کو دیکھ سکتے ہیں نہ عالم بالا کو۔ یہ قوت انبیاءؑ کو نصیب ہوتی ہے جو جسمانی اور روحانی ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہوتے ہیں۔ وہ براہ راست کلام الٰہی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ان کے اتباع میں زندگیاں بسر کرنے والے ان کے طفیل صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت اللہ کے وہ بندے جن کے دل زندہ ہیں ان کو یہ قوت دنیا میں بھی نصیب ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ مومن کو یہ نعمت دنیا میں بھی نصیب ہو سکتی ہے اور کافر کو موت کے بعد۔

فرمایا: اہل اعراف جنتیوں کو پکار کر کہیں گے وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اللہ کی سلامتی ہو تم پر۔ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ابھی وہ خود جنت میں داخل نہیں ہوں گے اعراف میں ہوں گے لیکن

اہل جنت کو دیکھ کر ان کی امیدیں اور پھڑک اٹھیں گی اور دعا کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں ان سے ملا دے حدیث شریف میں آتا ہے کہ بالآخر اللہ کریم سب اہل اعراف کو جنت میں پہنچا دیں گے۔

ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک شخص سب سے آخر میں پل صراط پر پہنچے گا۔ اعمال میں اتنی کمزوری ہوگی کہ بمشکل چل رہا ہوگا۔ لوگ کہیں گے کہ ابھی گرا کہ گرا۔ یوں گرتے پڑتے پل صراط سے گزر جائے گا اور اعراف میں پہنچ جائے گا۔ جنت کو دیکھ کر وہاں پہنچنے کی آرزو کرے گا۔ پہلے دعا کرے گا کہ اللہ پاک مجھے جہنم کے کنارے سے دور فرما دے پھر کچھ اور نہیں مانگوں گا۔ ارشاد باری ہوگا تم مانگنے سے باز تو نہیں آؤ گے لیکن تمہیں یہاں سے دور کئے دیتے ہیں۔ کچھ دیر بعد پھر دعا کرے گا کہ یا اللہ جنت کی دیوار کا سایہ ہی عطا کر دے پھر کچھ اور نہیں مانگوں گا۔ پھر ارشاد ہوگا کہ تو مانگنے سے تو باز نہیں آئے گا لیکن تجھے دیوار کے سائے میں کئے دیتے ہیں۔ کچھ عرصہ بعد دعا کرے گا اللہ کریم تیری جنت کے درخت اتنے باغ و بہار ہیں مجھے ایک درخت کا سایہ عطا فرما دے میں اس سے زیادہ نہیں مانگتا تو ارشاد ہوگا کہ مانگنے سے تو باز نہیں آیا اور اللہ کریم اسے جنت کے درخت کے نیچے جگہ دے دیں گے۔ اس شخص کے بارے آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس ایک درخت کے سائے میں اس کے ستر ہزار محل ہوں گے۔ یہ بندہ جنت کی سب سے قلیل نعمت پا رہا ہوگا۔

تمام اہل اعراف بھی بالآخر جنت میں چلے جائیں گے لیکن فی الحال وہیں بیٹھے ہوں گے جب وہ مقام اعراف سے اہل جنت کو سلام کریں گے اور جنت میں داخلے کے لئے پُر امید ہوں گے۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ ۙ جب ان کی نگاہ اہل جہنم کی طرف جائے گی تو وہ دعا کریں گے قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یا اللہ! ہمیں ان ظالموں اور غلط کاروں کے ساتھ شامل نہ کرنا۔

سورۃ الاعراف رکوع 6 آیات 48 تا 53

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور اعراف کے رہنے والے ان لوگوں سے پکار کر کہیں گے جن کو ان کے چہروں سے پہچانتے ہوں گے کہ تمہارا اکٹھ تو تمہارے کسی کام نہ آیا اور تم تو بہت اکڑا کرتے تھے۔ ﴿۴۸﴾ کیا یہی لوگ ہیں جن پر تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ ان پر رحمت نہیں فرمائیں گے (ان کو تو ارشاد ہوا) جنت میں داخل ہو جاؤ تم کو نہ

کوئی ڈر ہوگا اور نہ تمہیں کوئی افسوس ہوگا۔ ﴿۴۹﴾ اور دوزخ کے رہنے والے اہل بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ ہم پر تھوڑا پانی ہی ڈال دو یا جو رزق اللہ نے تمہیں عطا فرمایا ہے کچھ اس میں سے (ہمیں بھی دو) وہ کہیں گے کہ یقیناً اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں کے لئے منع فرما دیا ہے۔ ﴿۵۰﴾ جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا جس طرح یہ آج کے دن کے ملنے کو بھولے ہوئے تھے سو اسی طرح آج ہم ان کو بھلا دیں گے اور جیسا یہ ہماری آیات کا جان بوجھ کر انکار کیا کرتے تھے۔ ﴿۵۱﴾ اور یقیناً ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے کھول کر بیان فرما دیا ہے اور وہ ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ﴿۵۲﴾ کیا ان لوگوں کو اس کے نتیجہ (عذاب) کا انتظار ہے۔ جس روز اس کی حقیقت ظاہر ہوگی اس روز جو لوگ اسے پہلے بھولے ہوئے تھے کہیں گے واقعی ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے پس کیا اب کوئی ہمارے سفارشی ہیں کہ وہ ہماری سفارش کریں یا (کیا) ہم واپس جا سکتے ہیں کہ ہم جو کرتے تھے سو اس کے خلاف (نیک) کام کریں؟ بے شک ان لوگوں نے خود کو خسارے میں ڈال دیا اور جو باتیں یہ تراشا کرتے تھے سب ان سے گم ہو گئیں۔ ﴿۵۳﴾

خلاصۂ رکوع

اہل اعراف کچھ دوزخیوں کو پہچان لیں گے کہ یہ لوگ دنیا میں بڑے مالدار اور با اثر تھے اور اپنی دولت پر فخر کیا کرتے تھے اور دیندار لوگوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ان سے کہیں گے کہ دولت وحکومت کے تحت جو ہجوم تم نے اکٹھا کر رکھا تھا وہ تمہارے کسی کام نہ آیا اور تمہاری اکڑ دنیا میں ہی رہ گئی۔ دنیا میں تم نے اپنے لئے بڑا کرّ وفر بنا رکھا تھا۔ تو وہ سب تمہیں دوزخ سے نہ بچا سکا اور یہ لوگ جنہیں تم آج جنت میں بیٹھا دیکھ رہے ہو یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کوئی بھلائی نہ دے گا اور

انہیں تم اپنے سے کم تر سمجھتے تھے کہ تمہارے نزدیک ان کی تو دنیا میں کوئی مادی حیثیت نہیں تھی۔ تم یہ سمجھتے تھے کہ یہ عبادت کرنے والے ہیں یہ تو مسجدوں میں جاتے رہتے تھے داڑھیاں بڑھا رکھی تھیں اللہ اللہ کرنے والے لوگ تھے۔ ان کی دنیا میں ہمارے جیسی کرّ وفر نہیں تو آخرت میں بھلا کیا ہوگی؟ اور تم کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم نہیں کرے گا۔ انہیں کبھی اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا اور یہاں آ کر تمہیں پتہ چلا کہ ان لوگوں پر اللہ کا یہ انعام ہوا کہ فرمایا جنت میں داخل ہو جاؤ نہ وہاں تمہیں کوئی افسوس ہوگا اور نہ کسی قسم کا ڈر۔ نہ کوئی خطرہ، نہ کوئی غم۔ نہ گذشتہ کا غم کہ کچھ غلط ہو گیا تھا یا آئندہ کا خوف کہ کیا ہوگا۔ جنت امن کی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ اہل دوزخ اہل اعراف کی باتیں سن کر انہیں جواب دینے کے بجائے اہل جنت سے مخاطب ہوں گے۔ دنیا کے کرّ وفر کے عادی جہنم کے عذابوں میں مبتلا ہوں گے وہاں ان کی توجہ سوال و جواب کے بجائے جنت کی راحتوں کی طرف ہوگی اور وہ جنت والوں سے کہیں گے، تمہارے قدموں میں تو نہریں جاری ہیں، ہم یہاں آگ میں جل رہے ہیں اور تم عیش کر رہے ہو۔ ایسا کرو ہم پر تھوڑا سا پانی ہی پھینک دو یا ان کھانے پینے کی نعمتوں میں سے ہمیں کچھ دے دو جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے یہ چیزیں منع کر رکھی ہے جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور وہ اپنی دنیا کی زندگی میں بالکل ہی کھو چکے تھے۔ لہٰذا آج ہم انہیں ایسے بھلا دیں گے جیسے دنیا میں انہوں نے ہم سے ملنے کو بھلا رکھا تھا اور جیسا یہ ہماری آیات کو جانتے بوجھتے ہوئے انکار کرتے رہے۔ ہم نے تو ان کو ایسی کتاب پہنچا دی تھی جس کو ہم نے اپنے علم سے نہایت واضح کر کے بیان کر دیا اور یہ تو ان لوگوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے جو ایمان والے ہیں کیا یہ لوگ اس دن کے انتظار میں ہیں جب اُخروی نتیجہ سامنے آجائے گا لیکن جب قیامت قائم ہوگی تو مہلت عمل ختم ہو چکی ہوگی۔ جب اپنے انکار کا نتیجہ دیکھیں گے تو کہہ اٹھیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے تو کیا اب ایسا کوئی سفارشی ہے جو ہماری سفارش کر دے یا اللہ ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے تا کہ ہم اپنے غلط اعمال کے بجائے درست اعمال کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا اور جو باتیں یہ دنیا میں گھڑتے رہے وہ سب ان سے گم ہو گیا۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا یَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ کچھ دوزخیوں کو جن کو وہ اپنے زمانے میں پہچانتے ہوں گے جو دنیا میں بڑے با اثر تھے بڑے مالدار تھے اور اس پر بڑا فخر کرتے تھے اور دیندار لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے تو وہ انہیں پہچان لیں گے اور انہیں کہیں گے کہ تم تو کہتے تھے کہ ہم اکثریت

میں ہیں اور یہ چند ملاں ہیں جو اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں اور انہیں ہر وقت وضو اور صلوٰۃ کی فکر رہتی ہے یہ نمازیں ہی پڑھتے رہتے ہیں اور مسجد کی طرف رواں دواں رہتے ہیں۔ تمہارے نزدیک تو ان کی کوئی حیثیت نہ تھی اپنے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا کہ تم بڑی جماعتیں ہو اور تمہارے ساتھ اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ لوگوں کی کثیر تعداد تمہارے لئے نعرے لگاتی ہے تمہارے پاس دولت ہے، حکومت ہے، اقتدار ہے لیکن آج تم تہی دست ہو۔

فرمایا: قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ کوئی چیز تمہارے کسی کام نہ آئی۔ آج کے تناظر میں یوں کہا جائے گا کہ تمہاری دولت، تمہارے لوگوں کا ہجوم، زندہ باد کے نعرے، وہ کہاں گئے۔ وہ تمہیں جہنم سے تو نہیں بچا سکے۔ آج تو تم خالی ہاتھ اکیلے جہنم کی آگ میں جل رہے ہو۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور دنیا میں تم تکبر کرتے تھے آج کے متکبرین کے بارے کہا جائے تو یہ ہوگا کہ تم دنیا میں اکڑتے تھے۔ تمہارے پیچھے ہوٹر لگے ہوتے تھے اور ستر ستر گاڑیاں تمہاری عزت واحترام کے لئے چلتی تھیں اور جدھر سے گزرنا ہوتا تھا سڑکیں بند ہو جاتی تھیں تو آج وہ تمہارا کرّ وفر، تمہاری دولت، تمہارے پیچھے چلنے والے، نعرے لگانے والے وہ کوئی بھی تمہیں دوزخ سے تو نہ بچا سکتا۔ وہ کیا ہوئے؟

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ انہیں کوئی بہتری نہیں دے گا۔ ان کو تو روٹی نصیب نہیں ہے۔ ان کو تو پورا کپڑا نصیب نہیں ہے۔ ان کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان کے پیچھے تو کوئی نعرہ نہیں لگاتا، اسمبلی میں نہیں بٹھاتا، وزیر نہیں بناتا تو اللہ جنہیں یہاں کچھ نہیں دیتا انہیں وہاں بھی کچھ نہیں دے گا۔ یہ یہیں بس نمازیں پڑھنے، مسجدوں میں جانے اور اللہ اللہ کرنے کے لئے ہیں۔ تم قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اللہ ان پر کوئی رحم نہیں کرے گا۔ انہیں کبھی اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ لیکن یہ جب یہاں پہنچے تو اللہ نے کہا چلو جنت میں چلے جاؤ وہاں تمہیں نہ کوئی افسوس ہوگا نہ ڈر ہوگا۔ نہ کوئی خطرہ ہوگا نہ گذشتہ کا کوئی غم ہوگا کہ جو کیا تھا وہ غلط ہو گیا بلکہ تمہیں خوشی ہوگی کہ جو کیا تھا اچھا کیا تھا۔ تو وہ دوزخی اہل اعراف کو جواب دینے کی بجائے جنتیوں سے بات کریں گے وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ وہ جنت والوں سے کہیں گے تم عیش ونشاط میں ہو ہم یہاں آگ میں جل رہے ہیں اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ ہم پر تھوڑا سا پانی ہی پھینک دو آگ سے تھوڑی سی رہائی مل جائے یہاں تو پانی کا نام نہیں

ہے پانی آگ کی طرح کھولتا ہے۔ پانی بھی جلاتا ہے آگ بھی جلاتی ہے۔ ہم پر کچھ پانی ڈال دو اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ اور جو نعمتیں کھانے پینے کی اللہ نے تمہیں دی ہیں وہ ہمیں بھی دے دو۔ سوال تو ان پر اہل اعراف نے کیا تھا۔ انہیں جواب دینے کی بجائے وہ جنتیوں سے بات کررہے ہیں۔ دوزخ میں جل رہے ہیں لیکن استعداد ہے اہل جنت سے بات کرنے کی۔ اہل جنت بھی سن لیں گے قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وہ کہیں گے یہ ہمارا نہیں یہ اسی کا ہے جس کے ہم ہیں اور جس کا ہے اس نے دوزخیوں کو منع کردیا ہے۔ دوزخیوں کو دینے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم نہیں دے سکتے یہ بڑی عجیب بات ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ جنتیوں میں کوئی بیٹا ہو اور دوزخیوں میں کوئی باپ ہو۔ ہوسکتا ہے کوئی باپ اہل جنت میں سے ہو اور کوئی بیٹا اہل جہنم میں سے ہو یا ایک بھائی دوزخ میں اور ایک جہنم میں ہو تو وہ بھائی اپنے بھائی کو بھی ایک قطرہ پانی کا نہیں دے گا۔ دنیا میں اللہ نے جسمانی رشتوں کو اہمیت دی ہے اس نظام کائنات کو قائم رکھنے کے لئے اگر ماں کو محبت فطری نہ ہوتو انسانی بچہ پالنا آسان نہیں۔ باپ میں جذبہ محبت نہ ہوتو بچوں کے اخراجات اٹھانا آسان نہیں۔ انسانوں میں آپس میں محبت کے رشتے نہ ہوں تو دنیا تباہ ہونے لگتی ہے، قتل و غارت ہونے لگتی ہے، دہشت گردی ہونے لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محبت ایک ایسا جذبہ دیا ہے جس سے دنیا کا نظام قائم رہتا ہے۔ یہ تمام مادی دنیاوی رشتوں میں قائم ہے۔ دنیا سے جب کوئی جاتا ہے تو برزخ میں مکلف بالذات روح ہوتی ہے بدن اس کے تابع ہوجاتا ہے لیکن اس دنیاوی بدن اور رشتے کا ایک اثر برزخ میں بھی رہتا ہے۔

قیام قیامت کے بعد احساسات میں تبدیلی:

جب قیامت قائم ہوگی تو جسمانی تعلقات ختم ہوجائیں گے۔ پھر اس جہان کی آبادی کے لئے جسمانی تعلقات کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ وہاں کے رشتے وہاں کے ہوں گے۔ ہر اہل جنت کو ہر جنتی سے محبت اور پیار ہوگا اور ہر دوزخی ہر دوزخی کا دشمن ہوگا۔ وہاں دنیا والی بات نہیں ہوگی۔ دنیا میں اگر مومن مرد اور عورت بچے سے پیار کرتے ہیں تو کافر بھی کرتا ہے کہ دونوں انسان ہیں۔ آخرت میں پیار محبت اور نفرت بٹ جائیں گی۔ وہاں ساری محبت جنت میں چلی جائے گی۔ ساری نفرتیں دوزخ میں چلی جائیں گی۔ ہر دوزخی ایک دوسرے سے نفرت ہی کرتا ہوگا اور ہر جنتی دوسرے جنتی سے محبت ہی کرتا ہوگا۔ احساسات میں یہ تبدیلی واقع ہوگی۔ تو خواہ باپ جنت میں، بیٹا جہنم میں ہے یا باپ جہنم میں ہے اور بیٹا جنت میں تو ایک دوسرے کا کوئی احساس نہیں ہوگا جنتیوں کا رشتہ جنتیوں سے اور دوزخیوں کا رشتہ دوزخیوں سے ہوگا۔ وہ انہیں صاف

جواب دیں گے کہ یہ دریا ہمارے نہیں ہیں، یہ باغ میوہ جات، یہ پھل، یہ محل، یہ کھانے، یہ لباس یہ ہمارے نہیں ہیں یہ اس کے ہیں جس کے ہم ہیں اور اس مالک نے دوزخیوں کو دینے سے روک دیا ہے حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اس نے تو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔ کافروں کو روک دیا ہے۔ اللہ اتنا بڑا، اس کی رحمت اتنی وسیع، اس کے خزانے بھرے ہوئے، دوزخ میں اس کی اپنی ہی مخلوق ہوگی تو پھر اتنے عذاب کیوں؟

اللہ کریم نے انہیں انسان بنا کر دنیا میں بھیجا۔ انسانی وجود دیا، انسانی روح دی، انسانی شعور دیا تو اب کیا اللہ کریم اتنے سخت ہو گئے کہ انہیں دو گھونٹ پانی بھی نہیں دیتے۔ تو وہ فرمائیں گے کہ بات ایسی نہیں بات یہ ہے کہ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا انہوں نے خود ایسے کرتوت کئے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے۔ محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا۔ جسے کلمہ نصیب نہیں ہوتا اس کا دین تو ہے ہی کھیل تماشا۔ چند عجیب وغریب رسومات ہیں کہیں ڈھول بج رہے ہیں، کہیں طبلے بج رہے ہیں، کہیں ناچ ہو رہا ہے اور پھر اس سب کو دین سمجھا جا رہا ہے اور اس سب پر اللہ کی رضا کی امید بھی ہے، باجے گاجے بجائے جا رہے ہیں اور اسے دین سمجھا جا رہا ہے۔ یہ تو ہماری خوش نصیبی تھی کہ اللہ نے ہمیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا اور ہمیں وراثتاً کلمہ نصیب ہو گیا۔ اس نے ہمیں کلمہ تو نصیب فرما دیا لیکن ہم نے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے دین کی جگہ بہت سے کھیل تماشے بنا لئے۔ دین کے نام پر جتنی بدعات رائج کی جاتی ہیں وہ ساری کھیل تماشا ہوتی ہیں۔ شور شرابے کرنے، ڈھول بجانے، موم بتیاں جلانے، نعرے مارنے اور جشن منانے کے بعد اس سب کو دین سمجھنا اور اس پر نجات کی امید رکھنا۔ ایسا کرنے والے سب مایوس ہوں گے۔ چونکہ جو کلمہ حق ہے اس کے دو تقاضے ہیں۔ سب سے پہلا ہے لا الہ الا اللہ۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں۔ کوئی عبادت کا حق ہی نہیں رکھتا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ عبادت صرف اللہ کی ہوگی۔ دوسرا تقاضا ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ اللہ کی عبادت ایسے ہوگی جیسے محمد رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ عقیدہ اللہ کے ساتھ اللہ کی ذات وصفات کے ساتھ ایسا ہوگا جیسا رسول اللہ ﷺ تعلیم فرمائیں۔ عمل ایسا ہوگا جیسا محمد رسول اللہ ﷺ تعلیم فرمائیں۔ جن کاموں کی اصل شریعت سے ثابت نہیں حضور اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں، خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے، متقدمین نے جس کام کو درست نہیں کہا، آج وہ کیسے درست ہو گیا؟ آج وہ عبادت کا درجہ کیسے پا گیا؟

ادبِ بارگاہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم:

بارگاہ رسالت ﷺ کا ایک ادب ہے ایک شخص مویشی چھوڑ کر دیہات سے آیا۔ حضور اکرم ﷺ حجرہ مبارک میں جلوہ افروز تھے۔ اس نے باہر سے آواز دی یا رسول اللہ ﷺ کوئی شرعی مسئلہ پوچھنا چاہتا تھا۔ جلدی یہ تھی کہ اپنا ریوڑ یا اونٹوں کا گلہ یا مویشی چھوڑ کر آ گیا تھا۔ دیر ہو جانے سے خطرہ تھا کہ وہ کہیں گم نہ ہو جائیں، بکھر نہ جائیں، کسی کی فصل میں نہ چلے جائیں تو اس نے باہر سے آواز دینے کی جسارت کی تھی۔ اس پر پوری آیات اتریں۔ اس سورت کا نام ہی حجرات ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو حجرۂ مبارک کے باہر سے آواز دیتے ہیں یہ جاہل ہیں۔ اللہ کریم ناراض ہیں۔ یہ تو جہالت ہے۔ میرے نبی کریم ﷺ کو کیوں بے آرام کرتے ہیں۔ طریقہ یہ ہے۔ اسے چاہیے تھا تب تک خاموش بیٹھا رہتا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ کہ آپ ﷺ اس کی طرف تشریف لے جاتے اپنی مرضی سے باہر نکلتے اور پھر بھی آپ ﷺ کو متوجہ نہ کرتا آپ اپنی مرضی سے اس کی طرف متوجہ ہوتے تب وہ اپنی گذارش پیش کرتا۔ وہ شخص مخلص تھا، مومن تھا، دین پوچھنے آیا تھا۔ تو اللہ نے کوئی سزا نہیں دی لیکن ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ صحابیؓ ہو، عہد نبوی کا ہو، مخلص مسلمان ہو، دین پوچھنے آئے، حجرۂ مبارک کے باہر سے آواز دے یا رسول اللہ ﷺ تو اللہ کریم ناراض ہو گئے۔ اسے توبہ کرنی پڑے گی۔ آئندہ کا اصول پوری امت کو بتا دیا گیا۔ آج حال یہ ہے کہ یہاں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر لاؤڈ سپیکر پر آواز لگا کر کہتا ہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ نہ یہ صحابی ہے، نہ تابعی ہے، نہ تبع تابعی ہے، نہ اس کا کوئی مقام ہے۔ کہاں عظمت، رسالت ﷺ، کہاں یہ کھڑا ہے۔ میں نے سنا تو میرا وجود لرز گیا۔ ان لوگوں کو احساس ہی نہیں ہم کس کو آواز دے رہے ہیں۔ اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ جو یہ نہیں کہتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ یعنی اسے دین کا حصہ بنا دیا۔ بلکہ میں سوچ رہا تھا آنے والی نسلیں کیا سمجھیں گی اذان کہاں سے شروع ہوتی ہے کہاں ختم ہوتی ہے۔ انہوں نے تو آگے پیچھے اتنا لمبا کر دیا ہے کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آتی کہ اصل اذان کیا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

روضۂ اطہر آسمان کے نیچے ہے لیکن عرش عظیم سے بھی نازک تر ہے۔ وہاں کا ادب واحترام بے حد لازم ہے۔ لیکن آج ہم کیا کر رہے ہیں۔ کافروں کو تو چھوڑیں ان کا تو دین ہی دنیا ہے۔ مسلمانوں نے جو

برائے نام مسلمان ہیں ہم نے کون سی کسر اٹھا رکھی ہے۔جشن عید میلا د النبی ﷺ کا جلوس دیکھیں اس میں کیا خرافات نہیں ہیں۔کیا صحابہؓ کو اتنی محبت نہیں تھی کہ وہ یہ جلوس نکالتے کیا تابعین، تبع تابعین کو حضور اکرم ﷺ سے تعلق نہیں تھا۔حقیقی جانثار تو وہی تھے۔انہوں نے تو کوئی جشن نہیں منایا تھا۔سواس بدتہذیبی کو اور رسومات کو دین سمجھ لینا فرمایا اس لئے دوزخ میں جل رہے ہیں کہ انہوں نے دین کو تماشا بنالیا ہے۔مذاق بنالیا ہے۔کوئی کفر کر کے جائے گا وہ تو ٹھیک ہے لیکن جو برائے نام مسلمان سہی کلمہ تو پڑھتا ہے تو دین کا تماشا بنا کر وہاں کیوں جائے؟ وہاں وہ اللہ کریم فرماتا ہے اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴿۲۴﴾ البقرہ: 24 میں نے دوزخ تو کافروں کے لئے بنائی ہے تم ادھر کیوں بھاگے جارہے ہو۔وہ تو کافروں کے لئے ہی ہے۔تمہارے لئے تو جنت بنائی گئی ہے۔تم جنتیوں جیسے کام کرو۔جنت کی طرف جاؤ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دامانِ رحمت کو چھوڑ کر اللہ کے دین کا مذاق بنالیا! وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں رکھا۔انہوں نے سمجھا جب دنیا میں عیش کر رہے ہیں تو ہمارے ہمیشہ عیش ہی ہوں گے۔کسی کو دنیا کی دولت مل گئی، کسی کو رتبہ مل گیا اور کسی کو کچھ نہیں ملا وہ ویسے ہی خوش ہے۔بڑی عجیب بات ہے ہر بندہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اتنا اہم ہوں کہ شائد آسمان میری وجہ سے کھڑا ہے۔میں ہوں تو سورج نکلتا ہے۔میں نہیں ہوں گا تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا؟ سوچنا چاہئے کہ کتنی دنیا آئی کتنی چلی گئی، کوئی فرق پڑا؟ دن رات میں، شب و روز میں، موسموں کے آنے جانے میں، بارش کے برسنے میں، ہواؤں کے چلنے میں کوئی رتی برابر بھی فرق پڑا؟ نہیں۔تو تم کیا ہو؟ کوئی کچھ نہیں ہے۔اگر کوئی بڑا ہے تو اللہ کا نام۔اگر تمہیں نصیب ہے تو تم اس کے ساتھ بڑے ہو۔اسی کی اطاعت بڑی ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان رکھنے والا بڑا ہے۔آپ ﷺ کی غلامی اور پیروی بڑی ہے۔باقی کچھ نہیں ہے۔باقی کسی چیز میں کچھ نہیں رکھا۔اور فرمایا دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں رکھا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا یہ دنیا میں اتنے مصروف ہو گئے کہ انہیں آج کا دن قیامت کا دن یاد ہی نہیں رہا۔انہیں یہ خیال ہی نہیں رہا کہ انہیں وہاں جا کر جواب دینا ہے۔ہم منہ سے کیا نکال رہے ہیں۔سوچ کیا رہے ہیں؟ کر کیا رہے ہیں، ہر چیز کا اللہ کے روبرو حساب دینا ہے۔اچھا سوچیں، اچھا بولیں، اچھا کریں۔نہیں کر رہے تو توبہ کریں۔باز آجائیں، رک جائیں یعنی کوئی خیال ہی نہیں تھا۔جس طرح انہوں نے قیامت کو بھلا دیا تھا۔آج ہم نے بھی انہیں بھولی بسری چیز بنا دیا۔جو چیز بھول جائے تو پھر اس کا خیال ہی نہیں آتا۔اس آیہ مبارکہ میں یہی فرمایا جارہا ہے کہ جس طرح انہوں نے آخرت کو فراموش کر دیا ویسے ہی اللہ نے

انہیں بھلا دیا۔ ایسے الفاظ جب اللہ کریم کے لئے استعمال ہوں تو انہیں سلبی الفاظ کہتے ہیں۔ یہ جب اللہ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان سے معنی بعید مراد ہوتا ہے۔ معنی بعید وہ ہوتا ہے جو اس چیز کا نتیجہ ہو۔ ایک چیز آپ نے گھر میں رکھی، بھول گئے۔ اب اس پہ گرد پڑ رہی ہے۔ وہ خراب ہو رہی ہے۔ وہ ٹوٹ گئی ہے یا کوئی چرا کے لے گیا ہے کوئی پرواہ نہیں۔ آپ کو یاد ہی نہیں تو پرواہ کون کرے گا۔ لیکن لفظ بھلانا جب اللہ کریم کے لئے استعمال ہوگا تو اس سے معنی بعید مراد ہوگا کہ جس طرح انہوں نے قیامت کو فراموش کر دیا تھا آج ہم نے انہیں وہ حیثیت دے دی ہے جیسے بھولی بسری چیز ہوتی ہے۔ اب یہ جلیں، مریں جو کچھ ان کو پیش آتا ہے آئے۔ ہمارے لئے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی چیز بھلا دی گئی ہو **وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴿۵۱﴾** یہ وہ لوگ تھے جو جانتے تھے کہ دین حق ہے۔ میری آیات سچی ہیں لیکن ضد کر کے مانتے نہیں تھے۔ کفر جحودی یہ ہے کہ حق کی سمجھ آ جائے کہ یہ حق ہے لیکن مان کر نہ دے۔ فرمایا یہ جحودی کافر تھے یعنی میری آیات کو سمجھنے کے بعد ان کا انکار کر دیتے تھے۔ جیسا ابوجہل نے کیا۔ ایک دن ابوجہل بڑا پریشان بیٹھا تھا۔ تو اس کا کوئی دوست آ گیا۔ اس نے کہا لوگ تمہیں ابی الحکم کہتے ہیں تم وادی کے سردار ہو۔ پوری وادی میں کوئی تمہارے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا اور تم ہی پریشان ہو تو باقیوں کا کیا ہوگا۔ تم کیوں پریشان بیٹھے ہو؟ اس نے کہا اور تو کوئی پریشانی نہیں ہے اس ایک بندے (حضور اکرم ﷺ) نے اتنا پریشان کر دیا ہے۔ اس نے نہ ہمارے بتوں کی کوئی عزت چھوڑی ہے نہ ہمارے باپ دادا کے جو رسوم و رواجات تھے ان کی کوئی وقعت اور نہ ہمارے پلے کچھ رہنے دیا ہے۔ اس ایک بندے نے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ تو اس نے کہا یہ بھی کوئی بات ہے۔ تمہارے اشارۂ ابرو سے تو کتنے لوگ قتل ہو جاتے ہیں، کتنے قتل کر دیئے گئے تو ایک بندے کا کیا ہے، قتل کرا دو۔ تو وہ خفگی سے بولا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اسے قتل کروانے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے تو پورا زور لگایا لیکن مصیبت یہ ہے کہ اللہ کا نبیؑ ہے میں اسے مار نہیں سکتا۔ میں اس کے قتل کی سب تدبیریں کر چکا ہوں لیکن وہ اللہ کا رسولؐ ہے۔ اب اللہ اسے بچائے تو میں کیا کروں؟ اس نے کہا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ وہ اللہ کا رسولؐ ہے تو ظالم پھر مانتے کیوں نہیں۔ جب اللہ کا رسولؐ ہے تم جانتے ہو اللہ کا رسولؐ ہے، سچا ہے، پھر تو ایک ہی علاج ہے مان لو۔ کہنے لگا یوں تو میری آبرو خاک میں مل جائے گی۔ ہمارا کیا بنے گا؟ ہم جو سردار بنے بیٹھے ہیں ہماری بات مانی جاتی ہے پھر تو اس کی بات مانی جائے گی۔ لہٰذا مان نہیں سکتا۔ اسے کہتے ہیں کفر جحودی۔ یعنی جانتا ہے حق کو مانتا نہیں۔ فرمایا یہ لوگ جو دین کو تماشا بنا لیتے تھے انہی میں حق بتانے والے بھی موجود تھے اور یہ اندر

سے جانتے بھی تھے کہ یہ جو بات کہہ رہے ہیں وہ سچی ہے لیکن مانتے نہیں تھے۔اس لئے آج ہمیں ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

مسلمانوں کے لئے نوید:

اللہ بڑا کریم ہے۔اس کی رحمت بہت وسیع ہے۔وہ فرماتا ہے تم نے ساری عمر برائی میں، گناہ میں، دین سے دوری میں گزار دی۔مرنے سے پہلے کسی لمحے صدق دل سے کہہ دو یااللہ میں نے غلطی کی میں آئندہ نہیں کروں گا۔تو وہ نوید دیتا ہے کہ گذشتہ گناہوں کو معاف کردوں گا۔آئندہ تجھے نیکی کی توفیق بھی دے دوں گا۔

اب کوئی اتنا بھی نہ کرے تو کس سے شکائت ہے؟ نبی کریم ﷺ کی ذات رحمت اللعالمین ہے۔ محبت رحمت کا ایک جزو ہے اور نبی کریم ﷺ ایسا مرکز محبت ہے کہ آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سارے نبیوںؑ، رسولوںؑ کی محبت کا مرکز ہیں۔سارے فرشتے آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں خالق کائنات آپ سے محبت کرتا ہے اور جسے ذرۂ ایمان نصیب ہو وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔یاد رکھیں محبت کرنا محبت کرنے والے کا کمال نہیں ہوتا۔جس سے محبت کی جاتی ہے اس میں کوئی ایسا کمال ہوتا ہے کہ بندہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔تو یہ سارے کمالات محمد رسول اللہ ﷺ میں ہیں کہ ایک جہاں آپ کی محبت کا اسیر ہے۔آج بھی کروڑوں ایسے خوش نصیب ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے نام نامی پہ جانیں نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور جو اللہ کی نافرمانی کر کے عہدے سے محبت کرتے ہیں، پیسے سے کرتے ہیں، دین کو کھیل تماشا بناتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ سے کیسی محبت کرتے ہیں؟ حالانکہ سب سے پہلے محبت رسول اللہ ﷺ درکار ہے اور محبت ہوتی ہے فان المحب لمن یحب مطیع محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرمانبردار بن جاتا ہے۔وہ ایسا لباس پہنتا ہے جو اسے پسند ہو۔ایسا حلیہ اختیار کرتا ہے جو اسے پسند ہو۔کھانا اس طرح کھاتا ہے جو اسے پسند ہو۔لوگوں سے دوستیاں اس طرح کرتا ہے کہ جس سے محبوب ناراض نہ ہو جائے۔اس کی خاطر دشمنی کرتا ہے کہ یہاں وہ میری دشمنی سے خوش ہوگا۔ہم دعویٰ محبت تو کرتے ہیں، محبت کا تقاضا پورا نہیں کرتے۔محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی غلامی سراپا طاری ہو جائے نظر آئے کہ بندہ کسی کی محبت کا اسیر ہے۔

ہمارے پاس اللہ کی دی ہوئی فرصت ہے موقع ہے پورے خلوص سے توبہ کی جائے، اللہ سے حضور اکرم ﷺ کی محبت طلب کی جائے اور اپنے آپ کو بھی اس پہ قائل کیا جائے۔اللہ کریم سب کو یہ دولت نصیب فرمائے۔گناہ معاف فرمائیں، جہنم اور اس کے عذابوں سے پناہ دیں۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾ فرمایا: ہم نے

لوگوں تک کتاب پہنچا دی۔ اس کتاب میں ہم نے اپنے ازلی حقیقی اور ایسے علم سے جس میں خطا کا گمان تک نہیں ہر بات کھول کر بیان کر دی ہے۔ اس کتاب میں اس بات کی مکمل رہنمائی ہے کہ بندے کو دنیا میں کس طرح جینا ہے۔

اللہ کریم کی شانِ ربوبیت:

اللہ کریم رب العالمین ہیں۔ ربوبیت کا تقاضا ہے کہ تربیت کی جائے۔ رب ہی کو سزاوار ہے کہ درجہ بدرجہ ہر ایک کو اس کی ہر ضرورت کا سامان پہنچائے۔ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر جگہ پوری ہو۔ تو جس طرح اللہ نے دنیاوی نظام چلانے کے لئے انسان کو شعور بخشا ہے کہ ہر بندے کو لباس کا شعور ہے۔ کمانے کا، کھانے پینے کا، دنیا میں رہنے کا، رشتوں ناطوں کا، لوگوں کے ساتھ تعلقات کا اور زندگی گزارنے کا شعور بخشا ہے، اسی طرح روح کی تربیت کا بھی سامان کیا ہے کہ حقیقی انسان تو روح ہے۔ تو اگر روح کی تربیت کا سامان بہم نہ پہنچایا جائے تو بات ادھوری ہی نہیں بات تو ختم ہوگئی اس لئے کہ اکیلے جسم کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی لئے روح الگ ہو جائے تو نرے جسم کو کوئی انسان نہیں کہتا۔ میّت یا لاش کہتے ہیں۔ تو روح کی تربیت و رہنمائی تقاضائے ربوبیت تھا چنانچہ اللہ نے انبیاءؑ و رسلؑ مبعوث فرمائے، ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کتابوں میں رہنمائی فرمائی جو بندے کی فطرت کے مطابق ہے۔ اللہ کی حکمت اور اس کی رحمت اور اس کی بخشش کا کمال ہے کہ اس نے انسان کو انسانی زندگی سے ہٹ کر کوئی حکم نہیں دیا۔ یہ نہیں کہا کہ شادی نہ کرو، یہ نہیں فرمایا کہ کھانا پینا چھوڑ دو، یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دو، یہ بھی نہیں فرمایا کہ کاروبار کرنا بند کر دو حالانکہ وہ مالک الملک ہے جو چاہتا فرما دیتا لیکن اس نے زندگی گزارنے کا ایک خوبصورت نظام دیا جو ایک نظریے کے تابع ہے، ایک عقیدے کے تابع ہے۔ یعنی میری ذات کو واحد و لاشریک مانو، میرے نبی ﷺ کو برحق اور سچا مانو، میری کتاب کی صداقت پر ایمان لاؤ اور اس کتاب میں جو رہنمائی ہے اس کے مطابق زندگی گزارو جس میں مَیں نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو زندگی کے فطری تقاضوں سے روکتا ہو۔ بلکہ زندگی بسر کرنے کے لئے طریقے اور سلیقے سکھاتا ہے کہ کمانا کس طرح ہے، اسے خرچ کس طرح کرنا ہے، دوستی کی حدود کیا ہیں، دشمنی کے طریقے کیا ہیں، معاملات کس طرح کرنے ہیں اور اللہ کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیے۔ والدین اور اولاد، قریبی اہل قرابت اور دور والے اہل قرابت سے، انسانوں کے انسانوں سے تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ وہی زندگی جو ہمیں مادی دنیا میں گزارنی، وہی عملی کام جو ہم نے کرنے ہیں، اگر ایمان کے ساتھ کتاب اللہ کے مطابق کئے جائیں تو وہ

سارے ہدایت بن جاتے ہیں اور باعثِ رحمت بن جاتے ہیں۔ ہر کام اللہ کی رحمت اور بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔ کتاب الٰہی رحمت ہے۔ ہدایت ہے لیکن ان کے لئے جو اس پر ایمان لائیں اور صاحب کتاب محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائیں لیکن جب کوئی ایمان لا کر دانستہ اپنے نبی کریم ﷺ کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے تو اللہ کریم کو فراموش کر دیتا ہے۔ اللہ کریم کے عطا کردہ آسان دین کو چھوڑ کر من مانے راستے پر چلتا ہے تو اپنی زندگی کو مشکل بنا لیتا ہے۔ یہ روّیہ اسے دو باتوں سے محروم کر دیتا ہے ایک ہدایت دوسری رحمت الٰہی۔ چونکہ ہدایتِ اللہ کی کتاب میں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع میں ہے اور رحمت کا بھی یہی واحد سبب ہے تو فرمایا هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۵۲﴾ ہدایت اور رحمت کی بنیاد ایمان پر ہے اور اسی کو نصیب ہوگی جو پہلے اسے مانے اور اس پر پختہ یقین کر لے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں اور کلمہ پڑھ لینا اقرار ہے۔ ایک دعویٰ ہے اس کا عمل بھی جب اس کلمے کی گواہی دے تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے ورنہ جھوٹا۔

ہمارے لئے اس میں سبق یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارا اپنا کردار کیا گواہی دے رہا ہے لیکن بدقسمتی سے ہم دوسروں کو چیک کرتے رہتے ہیں کہ یہ کہتا کیا ہے اور کرتا کیا ہے۔

دنیا کی مہلت میں اصلاح احوال کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ کیا یہ چاہتے ہیں کہ اس کی تاویل وتعبیر آجائے ان کے اعمال بد کا نتیجہ سامنے آجائے تو یہ توبہ کریں۔ تب یہ نیکی کے لئے اٹھیں گے، تب یہ اتباع رسالت کو شعار بنائیں گے۔ تب یہ نبی کریم ﷺ کے حکم کے لئے تیار ہو جائیں گے فرمایا يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ جس دن کا نتیجہ، اس کی تاویل آگئی، قیامت قائم ہوگئی، آخرت سامنے آگئی تو اس دن تو کام کرنے کی فرصت نہیں ہوگی۔ دارالعمل ختم ہو چکا ہوگا۔ پھر اس دن افسوس کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟ پھر اس دن کے حقائق فرمائے گئے کہ اس دن کیا ہوگا۔ لوگ کیا کہیں گے؟ فرمایا جس دن نتیجہ سامنے آگیا تو جن لوگوں نے اسے پہلے بھلائے رکھا تھا۔ زندگی بھر اس کی پرواہ نہیں کی، جب اس کا نتیجہ سامنے آجائے گا تو پھر وہ کہہ اٹھیں گے قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ بے شک وہی ہو گیا جو اللہ کے رسولؑ فرمایا کرتے تھے۔ بے شک اللہ کے رسولؑ سچے تھے۔ جو کچھ وہ فرماتے تھے وہی ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا موت بھی چھوٹی قیامت ہے۔ مرنے والے کی قیامت تو اس وقت قائم ہو جاتی ہے جب وہ دنیا سے اٹھتا ہے۔ ممات فقد قام قیامة جو مرتا ہے اس کی قیامت تو آجاتی ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ مرنے والے سے فرشتے باتیں کرتے ہیں کہ اگر اس کے عقائد واعمال اچھے نہیں ہیں تو وہ پوچھتے ہیں فیما کنتم کیا کرتے رہے۔ تم نے دنیا میں اتنی زندگی گزاری تو کیا کرتے رہے، نہ تمہارا کردار ہے، نہ تمہارا ایمان ہے۔ اس کا مطلب ہے فرشتے سامنے آجاتے ہیں، فرشتوں سے بات ہوتی ہے، آخرت سامنے آجاتی ہے، عذاب وثواب سامنے آجاتا ہے، تو پھر وہ پکار اٹھتا ہے کہ اللہ کی اور اللہ کے نبیؐ کی بات سچی تھی۔ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ اللہ کے سارے رسول حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن اب کیا ہوسکتا ہے۔ میدان حشر میں پھر کہیں گے فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ کوئی ایسا سفارشی ہے جو آج ہماری سفارش کردے۔ ہم سے غلطی ہوئی ہم سے کوتاہی ہوئی، ہم دنیا کے لالچ میں دین کو بھول گئے تو اب کوئی ایسی ہستی ہے جو ہماری سفارش کردے؟ جب ناامید ہوجائیں گے کہ کفر کے لئے تو کوئی شفاعت اور سفارش بھی نہیں ہے اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ پھر کہیں گے یا اللہ مہربانی کر ہمیں پھر دنیا میں واپس بھیج دے۔ جو زندگی ہم نے پہلے گزاری ہے اور جس طرح کے کام ہم پہلے کرتے تھے پھر وہ نہیں کریں گے۔ نیکی کریں گے، برائی کرتے رہے عمر ضائع کر آئے۔ اگر آج ہمیں واپس فرما دیا جائے تو اب ہم واپس جا کر نیکی کریں گے، اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانیں گے۔ اللہ کے نبی کریم ﷺ کو برحق مانیں گے۔ اللہ کی کتاب کا اتباع کریں گے یوں تو وہ اپنے کفر اور بدعملی کا اقرار کرلیں گے کہ۔ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اپنے کرتوتوں کے سبب انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا۔ انہوں نے اپنا بہت نقصان کیا اور اپنی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو تباہ کرلیا۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ فرمایا انہوں نے مذہب کے نام پر خرافات رائج کر رکھی تھیں اور سمجھتے تھے کہ یہ ہماری بخشش کا سبب بن جائیں گے، یا بتوں کو پوجتے تھے اور سمجھتے تھے یہ ہمارے کام آئیں گے یا اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے رہے کہ یہ ہمارے کام آئیں گے ان سے وہ سب کچھ گم ہوگیا۔ یہ ان کی بنائی ہوئی باتیں تھیں۔ سب جھوٹ تھا اس لئے اس کا وجود نہ ملا۔

سورۃ الاعراف رکوع 7 آیات 54 تا 58

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِہٖ ط اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ط اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَھُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ط حَتّٰیٓ اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِہِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ط کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ ج وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ط کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

بے شک تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر قائم ہوا رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے تابع ہیں یاد رکھو! اللہ ہی کے لئے خاص ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا (حکومت کرنا) برکت والے ہیں اللہ جو تمام جہانوں کے پروردگار ہیں۔ ﴿۵۴﴾ اپنے پروردگار کو عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔ ﴿۵۵﴾ اور تم

ملک میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ کرو اور اسے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارو بے شک اللہ کی رحمت (خلوص سے) نیکی کرنے والوں کے قریب تر ہے۔ ﴿۵۶﴾ اور وہی (اللہ) تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم ان کو ایک مردہ زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس سے ہر طرح کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ ﴿۵۷﴾ اور جو ستھری زمین ہوتی ہے اس میں سے اس کے پروردگار کے حکم سے اس کی کھیتی (بھی خوب) نکلتی ہے اور جو خراب ہو (اس کی پیداوار) اگر نکلے بھی تو کم نکلتی ہے، ہم اسی طرح شکر کرنے والوں کے لئے آیات کو پھیر پھیر کر بیان فرماتے ہیں۔ ﴿۵۸﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: بلا شبہ اللہ ہی تمہارا رب ہے جو تمام جہانوں کا اکیلا پروردگار ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ روز میں پیدا فرمایا اور پھر عرش پر استویٰ فرمایا وہ دن کو رات سے یوں ڈھانپ لیتا ہے گویا دن رات کے پیچھے بھاگا چلا آ رہا ہے۔ سورج، چاند، ستارے سب اس کے حکم کے پابند ہیں۔ یاد رکھو ساری مخلوق اس کی اپنی ہے اور اسی کو حق ہے کہ وہ ان پر حکم چلائے وہ بہت بابرکت ذات ہے جو تمام جہانوں کا پالن ہار ہے۔ اللہ کو پکارو اس کی بارگاہ میں عرض کرو۔ عاجزی سے پکارو۔ اپنی محتاجی اور اس کی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت عاجزی سے بات کرو اور ایسی خفیہ کرو کہ وہ اللہ کے اور تمہارے درمیان ہو اور حد ادب سے باہر نہ نکلنا۔ زمین میں فساد اور خرابی نہ کرو جب کہ اسے اتنی خوب صورتی سے سنوار دیا گیا ہے۔ اس میں فساد پیدا نہ کرو بعد اس کے کہ اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ اور اللہ کے غضب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو۔ اسے یاد کرو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت خلوصِ دل سے نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے۔

وہ ایسا کریم ہے کہ اپنی رحمت کی بارش برسانے سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوا بھیج دیتا ہے۔ پھر اس کی قدرت کاملہ ہے کہ پانی کو ہوا پر لاد دیتا ہے۔ ہوا بڑے بڑے بوجھل بادل اٹھائے پھرتی ہے۔ پھر ہم اس بادل کو برساتے ہیں تو مردہ زمین کو حیات نو مل جاتی ہے اور طرح طرح کے میوہ جات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ فرمایا یاد رکھو! اسی طرح ہم مردوں کو بھی زمین سے نکال کھڑا کریں گے۔ یہ مثال اس لئے دی ہے کہ نصیحت حاصل کرو۔

جو زمین اچھی ہو اس میں اللہ کے حکم سے بہترین فصل آتی ہے بہترین پھل اگتے ہیں اور جو زمین شور زدہ ہوتی ہے وہ خراب اور تباہ حال ہوتی ہے۔ فرمایا: ہم تو اس طرح دلائل کو دہرا دہرا کر بیان کرتے ہیں لیکن سمجھتے وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بے شک اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ اس لئے اللہ کے علاوہ کسی سے امید نہ رکھو۔ اللہ ہی تمہارا رب ہے، وہی تمہاری ضرورتیں پوری کرنے والا ہے۔ وہ ضرورتیں مادی ہوں، روحانی ہوں یا جسمانی ہوں ہر چیز اسی نے عطا کرنی ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ تمہارا پروردگار اللہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ وہ اکیلا، واحد، لاشریک، ہر ذرے کا نگہبان ہے۔ کائنات کا نظام اس نے لمحوں، لحظوں کے حساب سے مربوط کر رکھا ہے۔ یہ جو اربوں، سالوں سے کائنات آباد ہے اگر ایک لحظہ زمین اور سورج کے درمیان فاصلہ گھٹنا شروع ہو جاتا تو آج زمین جل چکی ہوتی۔ ایک ایک لمحہ بڑھنا شروع ہو جاتا تو آج زمین یخ ہو چکی ہوتی۔ خود زمین کا درجہ حرارت اس نے ایسا رکھا ہے ہواؤں کا پانیوں کا، سورج، چاند، ستاروں کا نظام اس طرح سے مربوط کر رکھا ہے کہ اتنا نازک ہے کہ اس میں بال برابر فرق آ جائے تو کائنات تباہ ہو جائے۔

وہی اللہ تمہارا رب ہے الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ حکم دیتا ہے تو کام ہو جاتا ہے فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ البقرہ: 117 اس کے کہنے سے کام ہو جاتا ہے۔ فرمایا: میں نے دو دن زمین کے بنانے پہ لگائے۔ دو دن اسے سنوارنے میں لگائے۔ اس میں پہاڑ، دریا، نہریں، درخت، بوٹیاں، پھل، پھول، ہر چیز لگائی۔ یوں چھ دن میں یہ کائنات مکمل کی۔ وہ قادر مطلق تو آن واحد میں یہ سب کر سکتا تھا لیکن اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے۔ پہلے سبب پیدا ہوتا ہے اس کے نتیجے میں کوئی کام ہوتا ہے تو اس قادر مطلق نے وہ طریقہ پہلے

خود اختیار فرمایا جو کام آن واحد میں کر سکتا تھا وہ بھی ایک ترتیب کے ساتھ کیا اب یہ ضروری نہیں کہ یہ چھ دن ہمارے آج کے دن جیسے تھے۔ اس وقت تو نہ سورج تھا نہ چاند تھا۔ وہ دن کون سے تھے؟ وہ اس کے علم کے مطابق تھے۔ کتنے وقت کو اس نے دن کہا یہ اس کی مرضی۔ قیامت کا ایک دن دنیا کے دنوں کے حساب سے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ یہاں ایک اعتراض کیا گیا ہے۔ سوال بھی اٹھایا گیا ہے کہ جب سورج ہی نہیں تھا، زمین ہی نہیں تھی، کوئی طلوع وغروب ہی نہیں تھا تو پھر دنوں کا شمار کیسے ہوگیا؟ تو علمائے حق نے بڑا خوبصورت جواب دیا ہے کہ جنت میں اس طرح کا سورج یا اس طرح کی کوئی گرمی سردی نہیں ہوگی۔ ہمیشہ ایک سا موسم ہو گا، ہمیشہ ایک سی بہار ہوگی، ایک سی ہوائیں چلیں گی تو وہاں بھی وقت کا شمار تو ہوگا۔ کیسے ہوگا؟ جس کو اللہ وہاں لے جائے گا اس کو پتہ چل جائے گا۔ جو دوزخ میں ہوں گے وہ دن رات آگ میں جل رہے ہوں گے۔ کوئی رات دن کا فرق وہاں نظر نہیں آتا نہ سورج طلوع ہوگا نہ غروب ہوگا لیکن وہاں بھی دن تو گنے جا رہے ہوں گے۔ کیسے ہوں گے؟ جو وہاں پہنچیں گے وہ سمجھ جائیں گے۔ تو علم الٰہی کے مطابق چھ دن ہیں اور شائد چھ زمانوں پہ محیط ہوں۔ یہ اس کی مرضی۔ وہ ایسا قادر ہے کہ دنیا کو ایسا عالم اسباب بنایا ہے جیسے بڑے بڑے درختوں کا چھوٹا سا بیج ہوتا ہے۔ پھر وہ زمین میں عرصہ رہتا ہے پھر ایک کونپل سی اگتی ہے پھر وہ رفتہ رفتہ ایک بہت تناور درخت بن جاتا ہے۔ وہ چاہے تو آن واحد میں بڑا کر دے لیکن اس نے ایک نظام ترتیب دیا ہے۔ خود اسی کے مطابق ہر چیز کو تخلیق فرمایا تو انسان کو بھی چاہیے کہ نظام قدرت کے اصولوں پر چلے۔ ہم جب دعائیں کرتے ہیں تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ میں جو کہہ رہا ہوں یہ فوراً ہو جائے تو ایسا سوچنا غلط ہے اس لئے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور ان اسباب میں سے سب سے موثر سبب دعا ہے لیکن ہر کام کے ہونے کی ایک ترتیب ہے، اس کے وسائل ہیں اس کا وقت معین ہے اور اس وقت پر ہی وہ کام ہوتا ہے۔

استویٰ علی العرش کا مفہوم:

پھر فرمایا صرف چھ دنوں میں زمین و آسمان کو سنوار دیا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش پر استویٰ فرمایا۔ استویٰ علی العرش کا مفہوم یہ ہے کہ عرش کو مہبط تجلیات اور دعاؤں کا مرکز بنا دیا جس طرح زمین پر بیت اللہ شریف کو عبادات کا مرکز بنا دیا۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ البقرہ:115 جہاں کہیں بھی جاؤ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔ تو پھر ہم سب جہاں جی چاہے ادھر ہی نماز پڑھ لیں، قبلے کی طرف منہ کیوں کرتے ہیں؟ منہ تو اللہ کی طرف کرنا ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ قبلہ متعین

کر کے اللہ نے انسانوں کے لئے مرکزیت قائم کر دی۔ روئے زمین کے سارے مسلمان صرف ایک کی طرف منہ کرتے ہیں یوں ایک اجتماعیت پیدا کر دی۔ ایک مرکز پیدا کر دیا اور اسے مہبط تجلیات بنا دیا۔ اسی طرح زمین و آسمان سنوار کر اللہ کریم عرش پر بیٹھ نہیں گئے بلکہ ہر جگہ، ہر وقت موجود ہیں۔ وہ فرشتے جو دنیا میں نظام چلانے پر مامور ہیں ان کو تمام احکام عرش سے ملتے ہیں۔ بندوں کی عبادات اور نیک اعمال عرش کی طرف جاتے ہیں کہ دعا کا مرکز عرش الٰہی ہے۔ استویٰ علی العرش کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح زمین پر بیت اللہ کو عبادات کا مرکز بنا دیا اسی طرح عرش عظیم کو کائنات کے نظام کا مرکزی نقطہ قرار دے دیا۔ جسے انگریزی میں سیکریٹریٹ کہہ دیتے ہیں جس طرح ہر وزارت کا ایک سیکریٹریٹ ہوتا ہے اور پورے نظام کے تمام امور وہاں سے چلائے جاتے ہیں۔ اسی طرح عرش کو مرکز قرار دے دیا لیکن اس کی کیفیت کو انسانی فہم سے بالاتر رکھا۔ اس میں بحث کرنا اس لئے روا نہیں کہ یہ انسانی عقل سے بالاتر بات ہے۔ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وہ ایسا قادر ہے کہ دن کو رات سے ڈھانپ لیتا ہے اور پھر ایسے لگتا ہے جیسے دن رات کے پیچھے بھاگا چلا آرہا ہے۔ رات کو بھی ہمیشگی نہیں ملتی۔ اتنی دیر رہتی ہے جتنی دیر اللہ کو منظور ہوتا ہے اور دن پھر آجاتا ہے۔ اگر رات ہی رات ہوجاتی تو زندگی مشکل ہوجاتی، دن ہی دن ہوجاتا تو زندگی کی کوئی ترتیب نہ بنتی۔ وہ ایسا قادر ہے کہ دن پر رات کی تاریکی کو مسلط کر دیتا ہے اور روشنی پر اندھیرے کو۔

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ سورج، چاند، ستارے سب کے لئے اس نے وقت فاصلہ، سفر مقرر کر دیا ہے کہ کس نے کہاں جانا ہے۔ کتنی دیر میں جانا ہے۔ یہ سب کچھ اس نے طے کر دیا ہے۔ ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے طے کردہ فیصلوں کی تعمیل میں سرگرم عمل ہے۔ اگر سورج کی رفتار بڑھ جاتی تو کائنات تباہ ہوجاتی۔ اگر چاند کی رفتار بڑھ جاتی تو ستارے تیزی سے حرکت کرنے لگتے تو کچھ بھی نہ رہتا۔ ساری چیزیں حرکت کرتی ہیں لیکن اس کے بنائے ہوئے قاعدے کے مطابق۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ فرمایا خوب یاد رکھو! ساری مخلوق اس کی ہے اور وہ اکیلا خالق ہے۔ اور ساری مخلوق اس کی اپنی ہے ''والامر'' اسی کو حق ہے کہ اپنی مخلوق پر حکم چلائے، چونکہ وہ اکیلا مالک ہے۔ لہٰذا حکم بھی اسی کا ہے۔

صوفیاء نے اس سے استنباط کیا ہے کہ عالم دو ہیں۔ ایک عالم خلق جو تحت الثریٰ سے لے کر عرش عظیم تک ہے۔ جس میں زمین، سیارے، ستارے، سورج، چاند، آسمان حتیٰ کہ عرش عظیم تک شامل ہیں اور جہاں

عرش عظیم کی حدود ختم ہوتی ہیں تو اس کے اوپر عالم امر ہے۔ جس میں مخلوق کا گزر نہیں ہے۔ تو عالم خلق بھی اسی کا ہے۔ عالم امر بھی اسی کا ہے۔

آیہ مبارکہ کا حکم عام ہے:

یہاں یہ بھی دیکھا جائے کہ اللہ جن لوگوں کو اقتدار و اختیار دے دیتا ہے جب وہ اللہ کی مرضی کے خلاف قانون بناتے ہیں تو کیا وہ یہ نہیں سوچتے کہ ان کا مخلوق پر کیا حق ہے؟ کیا انہوں نے مخلوق کو پیدا کیا ہے؟ کیا وہ مخلوق کو زندگی، صحت اور روزی دے رہے ہیں؟ کیا وہ زمین سے روئیدگی پیدا کر رہے ہیں؟ کیا وہ آسمانوں سے بارش برسا رہے ہیں، جب یہ سب کچھ نہیں کر سکتے تو مخلوق پر اللہ کے علاوہ اپنا حکم کیسے چلا سکتے ہیں؟ آج تو قصر وزارت میں یا قصر صدارت میں بیٹھنا مزا دیتا ہے۔ اس کا پتہ تب چلے گا جب یہ پوچھا جائے گا کہ مخلوق کو جو حکم اپنی طرف سے دیتے تھے وہ میرے حکم کے خلاف کیوں دیتے تھے؟ کیا تم نے مخلوق کو پیدا کیا تھا؟ کیا تم ان کی روزی کے ذمہ دار تھے، تم انہیں اولاد دیتے تھے، زندگی دیتے تھے، یا میں دیتا تھا؟ حکمران تو اللہ کے احکام کا امین ہے اسی لئے انسان کو خلیفۃ الارض کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو زمین پر نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اپنی طرف سے اپنا حکم نافذ نہیں کر سکتا۔ یہ تو حشر میں جب وقت آئے گا تو بادشاہوں اور حکمرانوں کی نسبت غریب فقیر شکر کریں گے کہ اللہ تیرا احسان ہے کہ تو نے ہمیں حاکم نہیں بنایا۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط فرمایا، اسی کی مخلوق ہے اور حکم اسی کا ہے۔ اسی کے حکم کو نافذ کیا جانا چاہیے تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝۵۴ اور بہت برکت والی ہے اس کی ذات اور وہ سارے جہانوں کا پالنہار ہے۔ ہر شئے کو اس نے وجود عطا فرمایا، رزق وہ دے رہا ہے، زندگی اس کی دی ہوئی ہے، مخلوق میں جو صفات ہیں یا ذرے میں جو کمال ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ وہ سارے جہانوں کا اکیلا پروردگار ہے۔ لہٰذا تمہیں تو یہی زیب دیتا ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً کہ تم اپنے پروردگار کو پکار و اسے یاد کرو، اس کا ذکر کرو، جو ضرورت ہے اسی سے مانگو، اپنی مشکلات اور اپنی حاجات اس کے سامنے پیش کرو۔

اللہ کریم اپنی مخلوق کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں گویا فرمایا ہے کہ اپنی ساری باتیں مجھ سے کہو، مجھے پکارو صرف میں ہی تمہارا خالق اور مالک ہوں۔ کیوں در در کے دھکے کھاتے ہو؟ جبکہ باقی سب تمہاری طرح محتاج ہیں۔ جب خالق کا دروازہ کھلا ہے تو اس سے بات کیوں نہیں کرتے؟

بندہ مخلوق ہو کر خالق کو کیوں نہیں پکارتا؟ اس لئے کہ بندے نے خالق سے تعلقات بگاڑ رکھے ہیں۔ انسانوں میں بھی تعلقات کی نوعیت ہوتی ہے۔ہم سب انسان ہیں لیکن جس انسان کے ساتھ ہم تعلق بگاڑ لیتے ہیں خواہ وہ ہمارا رشتہ دار ہو یا کوئی اعلیٰ عہدیدار ہو ہم مرنا قبول کر لیتے ہیں اس سے کوئی مدد نہیں لینا چاہتے۔ اس سے دل کی کوئی بات کہنا نہیں چاہتے۔ یہ تعلقات کے بگڑنے کا ایک فطری ردّ عمل ہوتا ہے۔اسی طرح جب اللہ تعالیٰ سے تعلق نہ ہو تو اس سے بات کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ وہ قوم ہے جس کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو راہ ہدایت اور رحمت ہے۔ اسی قوم کے پاس محمد رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہیں تو کیا کبھی ہم نے یکسو ہو کر سننے کی کوشش کی ہے؟ اسی لئے ہمیں دعا کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے در پر آنے کی توفیق ہی سلب کر لیتا ہے۔

فرمایا: **اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً** مجھے پکارو اور پکارتے ہوئے دو باتوں کا خیال رکھو۔ایک یہ کہ تم مانگنے والے محتاج ہو اور عاجزی سے مانگا جاتا ہے اکڑ سے نہیں۔یعنی مانگنے کے لئے عاجزی شرط ہے۔ لہٰذا اپنی محتاجی کو سامنے رکھ کر اور میری عظمت کو سامنے رکھ کر صرف مجھ سے بات کرو۔خفیہ کرو، دکھاوا نہ کرو، اس طرح بات کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہو، دوسروں کو نہ سناتے پھرو۔

اور ہم ہیں کہ نمازیں بھی دکھاوے کی پڑھتے ہیں۔ ہم مولوی حضرات جب اپنی انفرادی نماز پڑھتے ہیں تو ہلکی سی دعا مانگ کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ کسی کا جنازہ پڑھانا پڑے تو ہاتھ کھڑے کر کے شروع ہو جاتے ہیں جو کچھ یاد ہو سب پڑھ ڈالتے ہیں خواہ جماعت میں لوگ پریشان ہو رہے ہوں دعا کیا کرتے ہیں لفاظی اور بناوٹ کرتے ہیں۔

اللہ کریم دعا کو خلوص سے مزین کرنے کے لئے خفیہ دعا کا طریقہ ارشاد فرما رہے ہیں یہاں سے صوفیاء نے ذکر خفی کا اصول لیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد پاک کا مفہوم ہے ذکر خفی ذکر جہر سے ستر گنا بہتر ہے۔ یاد رہے کہ ذکر کی کئی صورتیں ہیں۔ دعا بھی ذکر ہے۔ صلوٰۃ و تلاوت قرآن بھی ذکر ہے۔شریعت پر عمل بھی ذکر ہے۔ درود شریف اور مسنون دعائیں پڑھنا بھی ذکر ہے لیکن ذکر قلبی وہ ذکر ہے جو قرآن حکیم کے حکم ذکر کثیر کو پورا کرتا ہے۔ جب قلب ذاکر ہو جاتا ہے تو پورے وجود کو ذاکر کر دیتا ہے۔ بدن کا ذرہ ذرہ اللہ کے نام سے منور ہو جاتا ہے۔ جب ذکر دوام نصیب ہو جائے جب قلب ہمہ وقت ذکر کرے تب ذکر کثیر کی شرط پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے میں اس کی استعداد رکھی ہے۔ اب یہ فیصلہ بندے کا ہے کہ وہ اس استعداد کو استعمال کر کے ہمہ وقت قلب سے متوجہ الی اللہ رہے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ حد کیا ہے؟ حد ہے سنت رسول اللہ ﷺ ۔جس نے سنت کے خلاف کام کیا اس نے حد سے گزر کر کام کیا اس نے حد توڑ دی۔ اور جو حدود کو توڑتے ہیں جو حد سے گزر جاتے ہیں اللہ انہیں پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ ارشاد فرمایا کہ زمین کو اللہ کریم نے بہت سنوارا ہے۔ بہت خوبصورت بنایا ہے۔ اس کی فصلیں، اس کے پھل، اس کی گھاس، اس کا سبزہ، اس کے پھول، اس میں بسنے والے جانور، چرند پرند، حیوانات، سب انسان کی کسی نہ کسی طرح خدمت کر رہے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے سنوارنے میں مصروف نہ ہو۔ کافی عرصے کی بات ہے فصلیں ہوتی تھیں تو چڑیاں آجاتی تھیں اور فصلوں کو کھا جاتی تھیں تو چین میں ایک تجربہ کیا گیا کہ چڑیاں ختم کر دی جائیں۔ مار دی جائیں۔ دوائی چھڑکی جائے، جال لگائے جائیں کوئی چڑیا نہیں ہونی چاہئے۔ بے پناہ آبادی ہے اور وہ لوگ کام بھی کرتے ہیں اور وہ لگ گئے۔ انہوں نے بہت بڑی تعداد چڑیوں کی ختم کر دی۔ اگلے سال جب فصلیں ہوئیں تو ان پر جب ٹے آئے اور بور لگا تو اس پر کیڑا لگ گیا اور چڑیوں کی نسبت فصل کئی گنا زیادہ ضائع ہوگئی۔ تب انہیں سمجھ آئی کہ چڑیاں تو یہ جب کیڑے بنتے تھے وہ کھا جاتی تھیں۔ وہ تو ان کا شکار کرتی تھیں۔ فصل کو بچاتی تھیں، جیسے مغربی بنگال میں لوگ چاول کی کاشت کرتے ہیں وہاں سانپوں کی کثرت ہے لیکن یہ لوگ سانپوں کو برا نہیں سمجھتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ سانپ ان کی ضرورت ہیں اگر یہ سانپ نہ ہوں تو چوہے کھیتوں میں سوراخ کر دیتے ہیں۔ پانی بہہ جاتا ہے اور فصل خراب ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ ان سانپوں کو نہیں چھیڑتے کہ یہ فصلوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ تو چوہے نہیں ہوتے یعنی چیز بھی اللہ نے بنائی ہے وہ دنیا کو سنوارنے اور انسان کی خدمت کے لئے ہے تو فرمایا: تم اس میں فساد نہ کرو۔

ہم فساد کیسے کرتے ہیں؟ بندہ جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو سب سے پہلا فساد اس کے اندر پیدا ہوتا ہے دل میں سیاہی پیدا ہوتی ہے اس کی روح پر بوجھ آتا ہے۔ اس کا اپنا دل میلا ہوتا ہے۔ جب دل میلا ہوتا ہے تو سوچیں میلا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ نگاہیں میلا ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں ان میں خرابی آجاتی ہے۔ اللہ کی نافرمانی کا یہ اثر تو اس کی ذات پر ہوتا ہے۔ دوسرا اثر اس کے لوگوں کے ساتھ معاملات پر پڑتا ہے۔ کہ جب وہ والدین کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو گستاخی سے کرتا ہے۔ اولاد سے کرتا ہے تو اس میں شفقت نہیں ہوتی۔ بہن بھائیوں سے لڑائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ برادری میں فساد شروع

ہو جاتے ہیں۔ تیسرا اثر قومی زندگی پر آتا ہے۔ بددیانتی، وعدہ خلافی، لوٹ مار، غارت گری اور رشوت ستانی کا دور دورہ ہو جاتا ہے نیکی اور سچائی پر چلنا ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔ جائز کام بھی جائز طریقے سے کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پورا معاشرہ بدامنی، بے چینی اور بے سکونی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اسی کی خرابی کا اثر جو اللہ کی نافرمانی سے پیدا ہوئی معاشرے پر پھیل جاتا ہے۔ پھر ہر عمل کا ایک اثر پوری فضائے بسیط پر جاتا ہے۔ آسمانوں سے بارشیں برسنا رک جاتی ہیں یا برستی ہیں تو طوفان آجاتے ہیں۔ سمندر آبادیوں پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ زمینیں پھٹنے لگتی ہیں۔ زلزلے آنے لگتے ہیں، سڑکیں تباہ ہو جاتی ہیں، دریا غرق ہو جاتے ہیں، نہریں ٹوٹ جاتی ہیں، مکان گر جاتے ہیں، لوگ مرجاتے ہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ الروم: 41 لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے سمندروں میں بھی اور زمینوں پہ بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا تم تو سمجھتے ہو کہ میں نے تو ایک چھوٹا سا کام کیا ہے اس کا کیا ہے؟ لیکن تمہارے ہر عمل کا اثر ایک تمہارے اپنے باطن روح پر ہوتا ہے پھر وجود پر ہوتا ہے پھر گرد و نواح پر ہوتا ہے پھر پورے ملک پہ ہوتا ہے پھر دنیا پہ ہوتا ہے اور پورے معاشرے پر ہوتا ہے اور خرابی ہی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم کی ہر آیت ہر زمانے کے ابتر حالات کی بہتری کا طریقہ سکھاتی ہے۔ اس آیہ مبارکہ میں فساد اور دہشتگردی کا علاج رجوع الی اللہ بتایا ہے کہ توبہ کرو، برائی کرنا چھوڑ دو، اللہ دہشت گردی سے بچالے گا۔ اللہ سے بات کرو، اللہ سے گناہوں کی بخشش چاہو۔ حرام کھانا چھوڑ دو، لوگوں کو لوٹنا چھوڑ دو، روکھی کھالو، حلال کی کھاؤ اور حرام کی چپڑی کھانا چھوڑ دو، کوئی یہ حل نہیں بنتا لیکن اصل حل یہی ہے کہ جب تک اللہ سے رجوع نہ کرو گے، اللہ کی اطاعت نہیں کرو گے تو گناہوں کا لازمی نتیجہ تباہی ہے جو برائی کا پھل ہے۔ وہ اپنی بہار دکھاتا رہے گا۔

یہ دہشت گردی، یہ تباہی، یہ قتل و غارت، یہ چور بازاری، یہ سارے اللہ کی نافرمانی پر لگے ہوئے پھل ہیں۔ اگر آپ وہ درخت نہیں کاٹیں گے تو تباہی کا پھل کھانا ہوگا حکمران تو قومی خزانے کے امین ہوتے ہیں۔ پوری قوم کی قسمت، تقدیر، بچوں کی تعلیم، بیماروں کا علاج معالجہ، لوگوں کا روزگار وغیرہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ بیت المال، خزانہ ان کے سپرد ہوتا ہے اور اگر ملک اور قوم کے حکمران ہی ملک کو لوٹنا شروع کر دیں تو یہ برائی کی انتہا ہے۔ اور یہ کیوں ہے؟ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ قرآن حکیم

میں بڑے پیار سے سمجھایا گیا ہے۔ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ زمین میں فساد پیدا نہ کرو بَعْدَ اِصْلَاحِهَا بعد اس کے کہ اصلاح کر دی گئی ہے۔ دنیا بڑی خوبصورت بنادی گئی ہے۔ سوئی سے کھودنا شروع کر دیں تو زمین کو کھود سکتے ہیں اور اس پر بڑا عالی شان محل بنا دیں تو اٹھا کر کھڑی ہے۔ مردہ دفن کر دیں اسے بھی سنبھال لیتی ہے۔ کھیتی کرتے ہیں واپس لوٹا دیتی ہے، ہر خدمت بجالاتی ہے، اسے کھودتے ہیں تو تیل کے خزانے نکلتے ہیں، کوئلے کے خزانے نکلتے ہیں، اس میں سے سونا چاندی، ہیرے، جواہرات نکلتے ہیں۔ فرمایا تو اسے تباہ نہ کرو۔

غلطی کا علاج:

اگر غلطی ہو چکی ہے، گناہ کا پودا اب تناور درخت بن گیا ہے، اب یہ پھل دے رہا ہے۔ کہیں بم بلاسٹ ہو رہے ہیں، کہیں گولی چل رہی ہے، قتل عام ہو رہا ہے، کوئی پوچھنے والا نہیں، ڈاکے چوری اغوا ہیں کوئی پوچھتا نہیں۔ فرمایا اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اس کا ایک علاج کرو وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اللہ کو پکارو، اللہ کو یاد کرو، اس کے غضب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے۔ ایمان بیم و رجا کے درمیان ہے کہ اللہ کی بے نیازی سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمت سے پرامید رہے یہ ایمان ہے۔ تو فرمایا اسے یاد کرو، اسے پکارو، اس کی بارگاہ میں عرض کرو، بارالٰہا جو کر چکے ہیں ہم توبہ کرتے ہیں ہم باز آئے، تو ہمارے حالات بدل دے تو وہ قادر ہے۔ وہ پل بھر میں بدل دے گا۔ جب چاہے گا، جیسا چاہے گا کر دے گا۔ لیکن اس کے کچھ قانون ہیں۔ ارشاد ہے، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ الرعد:11 اللہ اس قوم کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ تبدیل نہیں کرتے۔ اب یہ تھوڑی رعایت ہے کہ جتنی برائی کر چکے ہو توبہ کرو اور اپنے اعمال کی اصلاح شروع کر دو۔ اور اللہ کو یاد کرو۔ تمہارا معاملہ درست ہو جائے گا۔ ہم اس انتظار میں رہتے ہیں کہ ساری قوم توبہ کرے، علاج یہ ہے کہ ساری قوم کو چھوڑو، خود توبہ کرو۔ میں ایک فرد توبہ کر لیتا ہوں تو تباہی لانے میں جو میرا کردار ہے وہ کم ہو جائے۔ کچھ ظلمت تو کم ہو گی۔ کچھ ظلم تو کم ہو گا۔ کچھ برائی تو گھٹے گی۔ تو اگر افراد توبہ شروع کر دیں تو قومیں افراد سے ہی بنتی ہیں۔ کم از کم اتنا تو ہو جائے کہ اگر بیس کروڑ لوگ ہیں تو اس میں سے دس نہ سہی گیارہ سہی تائب ہونے والوں کی اکثریت ہو جائے۔ شائد اللہ رحم فرمادے، دوسروں کو بھی ہدایت فرمادے۔ تو فرمایا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اسے یاد کرو، اس کی عبادت کرو، اس سے دعائیں کرو، اس کے غضب سے ڈرتے بھی رہو اور اس کی رحمت سے کبھی ناامید نہ ہونا، امید رکھو کہ وہ کریم ہے بخش دے گا۔ اور یاد رکھو اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ یقیناً اس میں کوئی

شبہ نہیں اِنَّ بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ترجمہ لکھا ہوا ہے نیک کام کرنے والوں کے نزدیک ہے۔لیکن محسنین صرف نیک کام کرنے والے نہیں ہوتے۔ حدیث احسان میں نبی کریم ﷺ نے احسان کا مفہوم ارشاد فرمایا ہے۔حدیث جبرائیل میں حضرت جبرائیلؑ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت عالی میں سوال پیش کیا کہ 'من احسان یا رسول اللہ ﷺ علیك وسلما ۔ارشاد فرمایا ان تعبد اللہ کانك تراہ اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تو اسے روبرو دیکھ رہا ہے۔فان لم تکن تراہ فانہٗ یراك دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر تم میں یہ ہمت نہیں ہے تو یہ یقین ہونا چاہئے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔اب ہم جتنی خرابیاں کرتے ہیں ایک دوسرے سے چھپ کر کرتے ہیں کہ کوئی بندہ دیکھ نہ رہا ہو۔ رشوت لیتے ہیں، چوری کرتے ہیں، گولی چلاتے ہیں، دوسروں سے چھپ کے کرتے ہیں، اگر یہ یقین ہوجائے کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے تو انسان میں کتنی تبدیلی آئے۔کیا پھر وہ اللہ کے روبرو چوری کرسکتا ہے۔جھوٹ بول سکتا ہے، رشوت لے سکتا ہے، یا شراب پی سکتا ہے تو محسنین وہ ہیں جو اللہ کو روبرو سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔اگر یہ جرأت نہ ہو اس سے کم استعداد ہو تو انہیں کم از کم یہ یقین ہوتا ہے کہ اللہ بہرحال مجھے دیکھ رہا ہے سو فرمایا جب بندے کو حضوری حق حاصل ہو اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ تو اللہ کی رحمت یقینا ایسے ہی لوگوں کے پاس ہے، نزدیک تر ہے، ہمہ وقت پاس ہے، اس کی رحمت دور نہیں ہے، تم اپنے آپ کو دور بھگاتے پھرتے ہو، واپس آجاؤ، وہ بڑا کریم ہے۔وَهُوَ الَّذِىۡ يُرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًاۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ جب کبھی قحط سالی آجاتی ہے، جنگلوں، صحراؤں میں سخت گرمی کے باعث گرد اڑتی ہے، خشک سالی اور تنگدستی ڈیرے ڈال لیتی ہے تو اللہ کریم اپنی رحمت کی بارشیں بھیج دیتا ہے۔اور اپنی رحمت کی بارش کرنے سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوا بھیج دیتا ہے۔بندہ خوش ہوتا ہے جب وہ اللہ کی نعمتوں سے حظ اُٹھاتا ہے تو کیوں نہ اللہ کا شکر کرے، کیوں نہ اللہ کا ذکر کرے، کیوں نہ اللہ کی اطاعت کرے۔ حَتّٰٓى اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا پھر اس کی قدرت کاملہ نہیں دیکھتے کہاں پانی ہوا پر لاد دیتا ہے۔بڑے بڑے بوجھل بادل ہوا اٹھائے پھرتی ہے، جب پانی برستا ہے تو زمین کو جل تھل کر دیتا ہے، اور زمین پھر سے ہری بھری ہو جاتی ہے۔فرمایا وہ قادر ہے کہ پانی کو ہوا پہ لاد دیا حَتّٰٓى اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ ہوا بڑے بڑے بوجھل بادل لے کر آجاتی ہے۔زمین خشک ہو چکی ہوتی ہے، ہر چیز تباہ ہو چکی ہوتی ہے۔سبزہ جل چکا ہوتا ہے، زندگی کے آثار ختم ہو چکے ہوتے ہیں تو ہوائیں ان پانی کے پہاڑوں جیسے بادلوں کو اٹھا لے آتی ہیں فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ ہم پھر اس بادل کو برساتے ہیں۔زمین کو حیات

نومل جاتی ہے اور طرح طرح کے میوہ جات پیدا ہونے لگ جاتے ہیں۔ جیسے ایک درخت تھا، ٹنڈ منڈ ہوگیا، سارے پتے گر گئے، خاک میں مل گئے، گر کر خاک ہو گئے، جب بارش آتی ہے تو چند دن بعد دیکھو تو پھر اتنا ہی گھنا سایہ اور اربوں پتے اس پر آ جاتے ہیں، کہاں سے آ گئے؟ یہ تو گر کر خاک ہو گئے تھے۔ مٹی میں مل گئے تھے، سوکھ گئے تھے، تباہ ہو گئے تھے۔ فرمایا: ایک بارش رحمت کی بھیجتا ہوں سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ جہاں سبزے کا تنکا نہیں ملتا تھا وہاں پہاڑ اور وادیاں بھر جاتی ہیں اور پھر طرح طرح کے پھل، میوہ جات، فصلیں ہر چیز اگنا شروع ہو جاتی ہے۔ فرمایا یاد رکھو! جس طرح تمہارے سامنے ہر موسم میں یہی کچھ دہرایا جاتا ہے كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى اسی طرح میں مردوں کو بھی زمین سے نکال کھڑا کروں گا۔ جس طرح سوکھے درختوں کے پتے زمین میں مل جاتے ہیں اور پھر درختوں پر سج جاتے ہیں اسی طرح مردے زمین سے نکل آئیں گے جس طرح ایک بارش سے مردہ زمین سے بیلیں اگتی ہیں پھل لے آتی ہیں، مردہ زمین سے فصلیں اگتی ہیں، درخت اگتے ہیں، میوہ جات نکل آتے ہیں۔ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى اس طرح مرنے کے بعد بے شک تم مٹی ہو جاؤ، میدان حشر میں روز قیامت میں تمہیں اسی طرح زمین سے نکال کر کھڑا کر دوں گا۔ یہ تو تمہارے سامنے ہے کہ روز چیزیں خاک میں مل کر پھر سبز ہو کر زمین سے نکل آتی ہے۔ اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے؟ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ فرمایا: یہ مثال اس لئے دی ہے کہ نصیحت حاصل کرو۔ یہی دنیا کی زندگی نہیں ہے۔ اسی لوٹ مار میں نہ لگے رہو، دنیا کی زندگی آخرت کو بنانے کے لئے ہے تو وہ کام کرو جس سے دنیا میں بھی راحت ہو اور آخرت کی زندگی بھی بنے۔ یہ ضائع نہ کرو۔ جو آخرت کو چھوڑ کر دنیا میں لگ گئے، تمہارا خیال ہے مر گئے تو قصہ ختم ہو جائے گا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ کہانی ختم نہیں ہوگی۔ موت کے ساتھ تو کہانی چھڑے گی۔ قصہ ختم نہیں ہوگا اس قصے کی ابتداء ہوگی اور وہ جس طرح مردہ زمین سے سبزے اور پھل نکالتا ہے اسی طرح تمہیں بھی زمین سے نکال کر کھڑا کر دیں گے تو تم اس سے نصیحت حاصل کرو۔

نصیحت حاصل کرنے کے لئے دل زندہ چاہیے:

نصیحت حاصل کرنے کے لئے دل زندہ چاہیے جیسے جب بارش برستی ہے تو ہر قسم کی زمین پر برستی ہے۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ زمین اچھی ہوتی ہے، صاف ستھری ہوتی ہے تو اس کے پروردگار کے حکم سے بہترین فصل آ جاتی ہے۔ بہترین پھل اگتے ہیں، بہترین سبزہ اگتا ہے وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ جو زمین شور زدہ ہوتی ہے خراب، تباہ حال ہوتی ہے۔ اوّل تو اس پہ کچھ اگتا ہی نہیں

اور کچھ اگے تو نہ اگنے کے برابر ہوتا ہے۔ تو بارش تو ایک ہی ہوئی۔ جو صاف زمین تھی وہ سرسبز ہوگئی، کھیتیاں اُگ آئیں، پھل اُگ آئے، درخت اُگ آئے اور جو شورزدہ تھی، کلر چھوڑ گئی تھی، خراب تھی اس میں سے کچھ نہیں نکلا۔ دل کی زمین بھی اگر شورزدہ ہو جائے تو فرمایا اس سے کچھ نہیں نکلتا۔ لیکن اصلاح کے لئے پہلے اپنے دل کی اصلاح کرو اور دل کی اصلاح کا صرف ایک ذریعہ ہے۔ انبیاءؑ مبعوث ہوئے تو مخلوق کے قلوب کی اصلاح کے لئے۔ وارثان نبوت اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھو، ان کی باتیں سنو، ان سے انوارات حاصل کرو، دل کی اصلاح ہو جائے گی، جب دل کی اصلاح ہوگی تو اس میں پھول کھلیں گے۔ پھل آئیں گے۔

گناہ کرو گے تو دل پر زنگ آئے گا جیسا کہ فرمایا: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ المطففین: 14 فرمایا ان کی برائیوں کی وجہ سے ان کے دلوں کو زنگ لگ گیا۔ اللہ کی نافرمانی کرو گے دلوں کو زنگ لگ جائے گا۔ پھر اس پر قرآن بھی پڑھتے رہو اسے سمجھاتے رہو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔ بارش برستی ہے زمین شورزدہ ہے۔ اس میں فصل کہاں سے آئے گی۔ بیج ڈالو گے تو اسے بھی کلر کھا جائے گا۔ اگے گا نہیں كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴿۵۸﴾ فرمایا: ہم تو اس طرح دلائل کو بیان کرتے ہیں لیکن پلے ان کے پڑتے ہیں جو لوگ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اللہ کا شکر ادا کرنا کیا ہے:

یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور جو اطاعت نہیں کرتا وہ ناشکری کرتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے **فاذ کرونی اذ کر کم** تم مجھے اپنی عاجزی سے اپنی ضرورتوں سے، اپنی احتیاجی سے، کچھ لینے کے لئے یاد کرو میں تمہیں اپنی بخشش سے، اپنی جود و سخا سے، تمہیں توفیق اطاعت دینے سے یاد کروں گا اور فرمایا **واشکرولی** یعنی تم میرا ذکر کرو گے، تم میری عبادت کرو گے، تم میری اطاعت کرو گے تو یہ شکر ہے۔ اللہ کی عبادت اللہ کی اطاعت، اللہ کے نبی ﷺ کی غلامی، اللہ کا ذکر، شکر ہے اور ایسا نہ کرنا ناشکری ہے لہٰذا **افلا تکفرون** البقرہ: 158 ناشکری نہ کرو۔ فرمایا: ہم نے تو مثالیں دے کر بار بار واضح کیا ہے تاکہ شکر ادا کرو۔

سورۃ الاعراف رکوع 8 آیات 59 تا 64

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا پس انہوں نے فرمایا اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارے لئے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بے شک مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔﴿۵۹﴾ (تو) ان کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً ہم آپ کو صریح غلطی میں بتلا دیکھتے ہیں۔﴿۶۰﴾ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی گمراہی نہیں ولیکن میں جہانوں کے پروردگار کا پیغمبر ہوں۔﴿۶۱﴾ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔﴿۶۲﴾ کیا تم (اس بات پہ) تعجب کرتے ہو کہ تمہاری طرف ایک ایسے بندے کے ذریعے جو تم میں سے ہی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت کی بات آگئی تا کہ وہ تمہیں (انجام بد سے)

ڈرائے اور تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ﴿٦٣﴾ پس ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اور جو اِن کے ساتھ کشتی میں سوار تھے کو بچا لیا اور جو ہماری آیات کو جھٹلایا کرتے تھے ان کو غرق کر دیا۔ بے شک وہ اندھے لوگ تھے۔ ﴿٦٤﴾

خلاصہ رکوع

فرمایا: ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے علاوہ کوئی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ غیر اللہ کی عبادت تمہیں تباہی میں لے جائے گی۔ مجھے تمہارے لئے قیامت کے دن کے سخت عذاب کا خطرہ ہے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت توحید نے ان کی قوم کے گمراہ کن عقائد پر ضرب لگائی تو سب سے پہلے ان کی قوم کے ان پیشواؤں اور سرداروں نے کہا کہ ہم آپ کو گمراہ دیکھ رہے ہیں۔ آپ ہمارے باپ دادا کی روش کا انکار کر رہے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے فرمایا، میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوا۔ تم غلطی پر ہو۔ تم گمراہ ہو۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسولؐ ہوں۔ میں تو تمہیں پروردگار عالم کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور اس کام سے میرا کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں اور میں تمہیں ان حقائق کی خبر دیتا ہوں جن کی تمہیں خبر نہیں۔ کیا تمہیں اس بات کی حیرانی ہے کہ تمہارے پروردگار نے تم ہی میں سے ایک شخص کو نبیؐ اور رسولؐ بنا دیا ہے جو تمہیں اعمال بد کے انجام سے ڈرائے تا کہ تم اللہ سے حیاء کرو اور نیک اعمال کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبیؐ انسانوں میں سے ہی بنائے جاتے ہیں تا کہ انسان مستفیض ہو سکیں۔ اتنی محبت بھری تبلیغ کے باوجود بھی انہوں نے انکار کیا اور اپنے پیغمبرؑ کو جھٹلاتے رہے تو ہم نے نوحؑ کو اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے آیات الٰہی کا انکار کیا ان سب کو ہم نے غرق کر دیا۔ وہ واقعی اندھے لوگ تھے جنہیں حق و باطل کی سمجھ نہ آئی۔

تفسیر و معارف

تمام قصص قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب بھی اقوام اللہ کی نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا ہوئیں اللہ کریم نے تب بھی انہیں اپنی رحمت سے محروم نہیں فرمایا بلکہ ہر جگہ اپنا پیغمبرؑ بھیجا تا کہ وہ دلوں کی مردہ

زمین پر نورِ نبوت کی بارش برسائیں اور اللہ سے بچھڑی مخلوق کو اللہ کریم سے ملائیں۔

حضرت نوحؑ کا قصہ بھی رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ آپؑ کی قوم مال ومنال کی کثرت کے بعد بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کے کفر وشرک میں مبتلا ہوگئی اور اپنی خواہشات کے مطابق شرک کو مذہب کا درجہ دے دیا۔ مفسرین کے نزدیک نوحؑ پہلے رسولؑ ہیں جنہیں کفر وشرک سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی ضمن میں ارشاد ہورہا ہے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ یہی مثالیں دیتے ہوئے نوحؑ کا قصہ ارشاد فرمادیا کہ دیکھو اس واقعہ میں غور کرو لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا ہم نے نوحؑ کو اِلٰى قَوْمِهٖ ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ نوحؑ کو آدم ثانی بھی کہتے ہیں۔

شرک کی ابتدا:

آپؑ کے زمانے میں طوفان سے نافرمان غرق ہوگئے تب دنیا کی آبادی آج کی طرح نہیں تھی۔ آدمؑ کے بعد تھوڑے سے خطے پر ہی انسان پھیلے تھے۔ غالباً ہزار سال کا وقفہ تھا تو نوحؑ مبعوث ہوئے اور نوحؑ جب مبعوث ہوئے تو وہ پہلے نبیؑ ہیں جن کو شرک سے واسطہ پڑا۔ نوحؑ سے پہلے لوگ نافرمانی تو کرتے رہے، گناہ تو کرتے رہے لیکن شرک کی ابتداء نہیں ہوئی تھی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ کوئی بیمار ہوا، اس نے کوئی جڑی بوٹی کھائی، اس سے اسے صحت ہوگئی، اب بجائے اللہ کا شکر ادا کرنے کے وہ اس جڑی بوٹی کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا کہ یہ اس بیماری کی شفاء دینے والا دیوتا ہے حالانکہ شفاء دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ اس طرح وہاں شرک کی ابتداء ہوگئی۔ جب کسی کی اولاد نہیں ہوئی اسے کسی نے بتایا کہ فلاں درخت کا پھل کھاؤ اس نے کھایا تو اللہ نے اولاد دے دی۔ وہ اس درخت کی پوجا کرنے لگ گیا، یوں شرک کی ابتداء انسانی خواہشات کے ذریعے ہوئی۔ جہاں سے کسی کی خواہش پوری ہوئی اس نے کہا یہ اللہ کا حصے دار ہے۔ یہی کام آج تک مشرکوں نے بانٹے ہوئے ہیں کہ فلاں دیوتا بارش برساتا ہے، فلاں اولاد دیتا ہے، فلاں روزی دیتا ہے، فلاں بیماری سے شفاء دیتا ہے، تو جتنے مشرک ہیں انہوں نے اتنے ہی الگ الگ دیوتا بنا رکھے ہیں اور ایک دوسرے کے دیوتا کو ماننے کو بھی تیار نہیں۔ یاد رکھیں! کوئی مشرک اللہ کے وجود اور اس کی ذات کا انکار نہیں کرتا۔ اگر اللہ کی ذات کا انکار کردے تو پھر شرک کس بات پہ کرے گا۔ شرک کس کے ساتھ کرے گا۔ سب مشرک اللہ کو مانتے ہیں لیکن مانتے اپنی مرضی سے ہیں۔ کہ اللہ تو ہے لیکن یہ کام اللہ سے فلاں بزرگ کرواسکتا ہے۔ فلاں دیوی کرواسکتی ہے، فلاں دیوتا کرواسکتا ہے، ہمارا اللہ سے براہ راست تعلق ممکن نہیں۔ ہم کیسے کرسکتے ہیں؟ حالانکہ اللہ کریم ہر بندے کا پروردگار ہے، ہر بندے کا معبود ہے، ہر بندے

کو براہ راست دعوت دیتا ہے، کسی کی نماز کوئی بزرگ پڑھتا ہے؟ کہ میری نماز تو فلاں بزرگ پڑھے گا۔ نہیں۔ کسی کا کھانا کوئی بزرگ کھاتا ہے کہ میں نہیں کھاتا ہوں میری جگہ تو فلاں بزرگ کھاتا ہے کبھی ایسا ہوا کہ کسی کے گھر کے کام کوئی بزرگ کرتے ہیں۔ یہ سارے کام تو لوگ خود کرتے ہیں۔ اور جو اللہ کے کام ہیں وہ ان کے بزرگ کرتے ہیں۔ دیوی، دیوتا کرتے ہیں۔ یہاں سے شرک شروع ہوتا ہے اور نوحؑ پہلے نبیؑ ہیں، پہلے رسولؑ ہیں جن کو شرک سے واسطہ پڑا۔ فرمایا: ہم نے ان کی قوم کی طرف نوحؑ کو بھیجا۔ نوحؑ نے فرمایا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ یہ جو تم نے بے شمار بت تصور کر لئے ہیں ان میں کوئی بھی اس لائق نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی ایسی ہستی نہیں جو عبادت کا استحقاق رکھتی ہو، عبادت کی مستحق ہو، اس طرح سیدھی سیدھی شرک پر چوٹ پڑی۔ ان کے دلوں میں ان کے سینوں میں، ان کی رگوں میں شرک دھنس چکا تھا۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آئی کہ ہمارے اتنے معبود ہیں۔ ہم ان کو چھوڑ دیں؟ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی ایک صحابیؓ اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی دعوت سنی تو میں نے کہا میں تو اپنے بتوں کو نہیں چھوڑوں گا۔ ہمارا ایک بت ہوتا تھا جس کی کئی قبیلے عبادت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر خاندان نے اپنا ایک بت بنایا ہوا تھا۔ ہر گھر میں ہر فرد نے اپنا ایک چھوٹا سا بت بنا رکھا تھا۔ میرے پاس بھی اپنا ایک چھوٹا سا بت تھا۔ میں اسے ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ جب چاہا سامنے رکھ لیا۔ پرستش کر لی۔ جو چیز مانگنی ہوئی مانگ لی پھر اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ میں بھاگا پھر رہا تھا کہ میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ ایک مرتبہ میں کہیں جا رہا تھا اور پیچھے پیچھے میرا کتا بھی آ رہا تھا۔ مجھے رفع حاجت کے لئے رکنا پڑا اور اس خیال سے کہ بے ادبی ہو گی کہ میرا معبود میری جیب میں ہے۔ میں نے اسے نکال کر رکھ دیا اور خود اس سے پردہ کر کے الگ جگہ پہ چلا گیا۔ فارغ ہو کہ جب آیا تو میں نے دیکھا میرا کتا بت پر پیشاب کر رہا تھا۔ میری آنکھیں کھل گئیں۔ میں نے سوچا اللہ کا نبیؐ سچ کہتا ہے۔ یہ تو نرے پتھر ہیں۔ میں اس سے شرم کر رہا ہوں۔ اس کا ادب کر رہا ہوں اور اس میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ کتے کو منع کر سکے۔ تو میں نے اسے اٹھا کر پھینکا کہ مجھے ایسے خدا کی ضرورت نہیں جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ میرے کس کام آئے گا؟ میں بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔ تو اللہ ہدایت دینے والا ہے۔

نوحؑ کے زمانے میں شرک شروع ہوا۔ وہ شرک کے رد کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ سو انہوں نے یہ دعوت دی کہ اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارے لئے کوئی دوسرا ایسا نہیں جو

عبادت کا مستحق ہو اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ اور مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ شرک کی وجہ سے اس عظیم دن، قیامت کے دن کا عذاب تم کو آجائے جو بڑا سخت ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اس عذاب میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس لئے تمہیں بتا رہا ہوں۔

بدعات:

جب دین کی جگہ رسومات آجاتی ہیں۔ شرکیہ عقائد آجاتے ہیں تو ایک طبقہ ان کی سرپرستی کرتا ہے۔ ان رسومات کا، ان رواجات کا ایک لیڈر بن جاتا ہے۔ اسے سردار کہہ لیں، اسے چودھری کہہ لیں، حکمران کہہ لیں، مولوی کہہ لیں یا پیر کہہ لیں۔ کسی نہ کسی نام سے کوئی ایک بندہ ہوتا ہے جو اس برائی کی، اس بدعت کی، اس رواج کی اشاعت کرتا رہتا ہے۔ اس بدعت اور رواج کی اشاعت میں اسے دو چیزیں ملتی ہیں۔ ایک تو لوگ اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں چومنے لگ جاتے ہیں اور اسے معبود بنا لیتے ہیں۔ اس کی خدمت کرتے ہیں۔ دوسرا اسے مالی منفعت ہوتی ہے، شیرنیاں، نذرانے دیتے ہیں وہ پیسے کماتا ہے اور ظاہر ہے جب شرک کا ردّ آیا ان کے پیٹ پر لات لگی انہیں خطرہ لاحق ہو گیا کہ ان کی سرداری، چوہدراہٹ ختم ہو جائے گی، اور پیسے آنا بند ہو جائیں گے تو سب سے پہلے وہ بولے قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ جن بڑوں اور سرداروں کے دنیاوی مفاد پر چوٹ پڑتی تھی انہوں نے کہا اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ ہم آپ کو واضح طور پر گمراہ پاتے ہیں۔

آج ہمارے ہاں بھی جو شخص دین کا سیدھا مسئلہ بتائے، سنت بتائے اور بدعات سے روکے اسے وہابی کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں لفظ وہابی گمراہ ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن اسی ملک میں کسی اغوا، قتل، چوری، ڈاکہ کرنے والے کو گمراہ نہیں کہتے جو بدعت سے روکے وہ وہابی ہوتا ہے۔ یہی انہوں نے کہا بھائی نوحؑ تم گمراہ ہو گئے ہو۔ یہ ہمارے باپ دادا کا مذہب ہے۔ ہمارے یہی بُت ہمارے کاروبار کے ذمہ دار تھے۔ ہم ان کی پوجا کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تم اکیلے گمراہ ہو گئے ہو۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ آپؑ نے فرمایا بیوقوفو! اللہ کائنات کا ربّ ہے، پروردگار ہے۔ ربوبیت ہوتی ہے ہر ایک کی، ہر ضرورت، ہر جگہ، ہر وقت پوری کی جائے۔ جس طرح جہان کی تعمیر کے لئے اس نے سورج کو گردش پہ لگا دیا، چاند، ستاروں، سیاروں کو کام پر لگا دیا، ہواؤں کو، بادلوں کو لگا دیا، بارشیں برستی ہیں، کھیتیاں ہوتی ہیں، دوائیں بھی بنتی ہیں، غذائیں بھی بنتی ہیں، دودھ گوشت بھی ملتا ہے، بدن کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اسی طرح روح کی ضروریات پوری کرنے کے لئے انبیاءؑ و رسل تخلیق فرمائے

جو روحانی آسمان کے سورج ہیں، چاند ستارے ہیں انہوں نے فرمایا میں گمراہ نہیں ہوا۔ گمراہ تم ہو۔ غلطی تم کر رہے ہو۔ اللہ ربّ العالمین کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جب لوگ بھٹکیں تو ان کی اصلاح کا سامان کرے۔ ان کی روح کی زندگی، بالیدگی، صحت کا اہتمام کر لے۔ میں تو اس کا رسولؐ ہوں جس طرح زندگی کے لئے سورج ضروری ہے، اسی طرح روح کے لئے روحانی زندگی کے لئے نبوت ضروری ہے۔ میں تو اللہ کا نبیؑ ہوں۔ اللہ کا رسولؐ ہوں۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ اور میں تم سے کچھ نہیں چاہتا اور میرا تم سے کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ نہ مجھے اقتدار کا شوق ہے، نہ حکمران بننے کا، نہ میں تم سے چندہ مانگ رہا ہوں، نہ مجھے مالی منفعت چاہیے، نہ تمہیں غلام بنانا چاہتا ہوں، میں تو اللہ کی بات تم تک پہنچا رہا ہوں۔ مجھے تم گمراہ تو تب کہو جب میں اپنی رائے سے بات کروں۔ میں تو اپنی بات ہی نہیں کر رہا۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ میرے پروردگار کے جو پیغام آتے ہیں میں وہ تم تک پہنچا رہا ہوں۔ وَاَنْصَحُ لَكُمْ اور میں تمہارا تم سے زیادہ خیر خواہ ہوں۔ تمہیں خود احساس نہیں ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس کا انجام کیا ہوگا۔ میں تو تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے یہ مشقت برداشت کر رہا ہوں وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ جو باتیں تم نہیں جانتے وہ باتیں مجھے اللہ نے بتا دی ہیں۔ تمہیں قیامت کی خبر نہیں مجھے اللہ نے قیامت کے بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ تمہیں حساب کتاب کا احساس نہیں مجھے اللہ نے بتا دیا ہے۔ تمہیں عذاب وثواب، قبر کا ادراک نہیں مجھے اللہ نے عطا کیا ہے جو باتیں تم نہیں جانتے اللہ نے مجھے وہ بتا دی ہیں اور میں تم تک اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہوں اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ تم اس بات پر حیران ہو رہے ہو کہ تم ہی میں سے ایک بندے کو اللہ نے نبی بنا دیا۔ اللہ کا ذکر اللہ کی یاد، اللہ کی باتیں، اللہ کی نبوت اس ایک بندے کو مل گئی۔ تو فرمایا بے وقوفو! جب زمین میں بندے بستے ہیں تو نبیؑ بھی انسانوں میں سے ہی آئے ہیں۔ اگر کسی فرشتے کو اللہ نبیؑ بنا دے تو تم میں سے کون ہے جو فرشتے کی بات سنے گا۔ اور اگر سن بھی لو گے تو کہو گے تیرے نہ بیوی، نہ بچے، نہ تجھے بھوک لگتی ہے نہ پیاس، ہمیں کیا بتا رہا ہے۔ ہم تو انسان ہیں ہمیں نیند بھی آتی ہے بھوک، پیاس بھی لگتی ہے، محنت کر کے روزی بھی کمانا پڑتی ہے، جب زمین پر انسان بستے ہیں تو تم اس بات پر حیران کیوں ہو کہ انسانوں میں سے ایک انسان نبیؑ ہو گیا یہ تو اللہ کی مرضی اس کی اپنی رحمت ہے جس کو اس نے منتخب فرما لیا اسے ممتاز کر دیا۔

آپ ﷺ کی بشریت کامل واکمل:

ہمارے ہاں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بشر نہ کہو۔ ایسا کہنے والے آپ ﷺ

کی بشریت کے اعلیٰ مقام سے نابلد ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ بلاشبہ آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالمطلب کے پوتے ہیں۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اکسٹھ برس اس عالم کو منور رکھا۔ اور پھر پردہ فرمایا۔ لیکن آپ ﷺ کی بشریت تمام انسانوں میں افضل، کامل اور اکمل ہے۔

یاد رہے اصل انسان نبیؑ ہوتے ہیں۔ آدمیت کی معراج نبوت ہے۔ اللہ کریم کی طرف سے عطا کردہ سب سے بڑا منصب نبوت ہے جو انسان کو عطا ہوا۔ نبوت ہی کے ذریعے انسانوں کو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ یہ نورِ نبوت ہی ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اسے دوسری مخلوقات سے مُمیّز کرنے والا کمال یہی ہے کہ اس میں معرفت الٰہی کی استعداد ہے اور یہ استعداد نور نبوت کی وجہ سے ہے۔

بشریت کی حقیقی صورت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ خیر البشر ہیں۔ آپ ﷺ جیسا کوئی دوسرا بشر اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ تمام انبیاءؑ بشر ہوتے ہیں۔ ہاں ان کی بشریت اتنی پاک، اتنی لطیف، اتنی منزہ ہوتی ہے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ کلام الٰہی کو سننے، وصول کرنے کے لئے پاکیزگی، طہارت، نورانیت اور لطافت اس پائے کی ہوتی ہے کہ وہ اللہ سے احکام وصول کرتے ہیں اور ان کی بشریت اتنی عام ہوتی ہے کہ پھر وہ عوام کو احکام الٰہی پہنچاتے ہیں۔ ایک طرف ان کا تعلق رب العالمین سے ہوتا ہے دوسری طرف عامۃ الناس سے ہوتا ہے۔ جس طرح تب کافر کہتے تھے کہ انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ اس طرح آج کلمہ گو کہتے ہیں کہ نبیؑ انسان نہیں ہوسکتے۔ ایسا کہنا بہت بڑا ظلم ہے۔ نبوت کا انکار ہے۔ اس بات سے ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے انسانیت کو چنا اور یہ شرفِ عظیم بنی آدم کو عطا ہوا۔

فرمایا: اس بات پر حیران ہونے کے بجائے کہ انسانوں میں سے ہی اللہ تعالیٰ نے نبیؑ بنا دیئے تم یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے کتنا عظیم انعام عطا فرمایا کہ تم ہی میں سے اپنے انبیاءؑ مبعوث فرمائے تاکہ وہ تمہیں نصیحت کریں۔ برائی کے بھیانک انجام سے بروقت خبردار کریں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت سے آشنا کریں تاکہ تم اللہ کی اطاعت اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ کا خوف کرو اس کا کہا مانو تاکہ تم اس کے رحم کے مستحق ہو جاؤ، تاکہ وہ تم پر رحم فرمائے۔

یہ کتنی سادہ سی بات ہے کہ ایک انسان کی نافرمانی اور مخالفت کی جائے خواہ وہ ملازم ہو یا ماتحت یا ساتھ کام کرنے والا تو وہ اسے کتنی دیر برداشت کرے گا۔ تو جب کوئی انسان مخالفت برداشت کرکے کوئی تعلق نہیں نبھاتا، کوئی شئے نہیں دیتا تو وہ خالق کل، مالک الملک ہے اور اللہ کے نبیؑ اللہ کریم کی رحمت کی طرف

بلاتے ہیں تا کہ انسان اطاعت اختیار کرے اور اللہ اس پر رحم فرمائے۔ نافرمانی پر تو رحمت نازل نہیں ہوتی۔
فَكَذَّبُوْهُ انہوں نے نوحؑ کو جھٹلا دیا کہ آپ جو باتیں کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ ہیں لیکن انبیاءؑ کی مخالفت اتنی آسان نہیں پڑتی۔ قومیں کفر کرتی رہتی ہیں، شرک کرتی رہتی ہیں، ظلم کرتی رہتی ہیں اور اللہ کریم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں لیکن جب اپنے نبیؑ اور رسولؑ مبعوث کرتا ہے اور قومیں اسؑ کی عظمت کا انکار کرنے پہ آتی ہیں تو گرفتار بلا ہو جاتی ہیں۔

آج مسلمانوں کو شکوہ ہے کہ تمام مصیبتیں مسلمانوں پہ آتی ہیں اور کافر عیش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں پر مصیبتیں آنے کی وجہ ایک ہی ہے کہ انہوں نے اپنے نبی کریم ﷺ کے اتباع سے منہ موڑ لیا ہے اور کافر کیا خاک مزے میں ہیں۔ کافروں کے حالات دیکھیں گویا جہنم میں پس رہے ہیں۔ کوئی کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ باپ بیٹے میں محبت نہیں۔ ماں بیٹی میں ہمدردی نہیں۔ کوئی کسی پہ اعتماد نہیں کر سکتا۔ باپ کو بیٹے کے گھر جانا ہو تو پہلے فون کر کے پوچھتا ہے کہ فلاں وقت تم ملو گے؟ رات ٹھہرنا ہو تو اجازت مانگتا ہے۔ بیٹا اجازت دے تو آ سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ان حالات میں کوئی آسودہ حال نہیں رہ سکتا۔

فرمایا: فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ ہم نے نوحؑ کو بچا لیا اور جس جس نے انؑ کا دامن تھاما اسے بھی بچا لیا۔ یہ آیہ مبارکہ واضح کر رہی ہے کہ کفر و شرک، چور بازاری اور رشوت ستانی کا سیلاب ہو تو اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے نبیؑ کے ساتھ رہو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام لو۔ مثالیں موجود ہیں کہ جس جس نے نوحؑ کا دامن تھاما اسے ہم نے بچا لیا۔

یہ تو انبیاءؑ کے حوصلے ہوتے ہیں جو قوم کی بے اعتنائی کے باوجود شفقت فرماتے رہتے ہیں۔ نوحؑ نے بھی نو سو پچاس برس تبلیغ کی اور ساڑھے نو سال لوگ آپؑ کا مذاق اڑاتے رہے۔ ان پر طعنے اور پھبتیاں کستے رہے۔ آخر اللہ کے عذاب کو پا لیا۔

سو فرمایا: ہم نے ایمان والوں کو بچا لیا وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور جھٹلانے والوں کو غرق کر دیا۔ تباہ کر دیا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ یہ تو اندھے لوگ تھے جسے سورج کی روشنی میں بھی نظر نہ آئے تو وہ اندھا نہیں تو کیا ہے؟ نور نبوت روحانی دنیا میں سورج کی مثل ہے۔ نبیؑ کے مبعوث ہونے کے بعد ایمانیات میں، اعمال میں کردار میں نبیؑ کی اطاعت نہ کرے پھر وہ اندھا نہیں تو اور کیا ہے؟

فرمایا یہ قوم ہی اندھی تھی۔ ہم نے سب کو غرق کر کے تباہ کر دیا۔

سورۃ الاعراف رکوع 9 آیات 65 تا 72

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ھود (علیہ السلام) کو بھیجا تو انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں سو کیا تم ڈرتے نہیں؟ ﴿۶۵﴾ ان کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے کہا بے شک ہم آپ کو کم عقلی (بے وقوفی) میں دیکھتے ہیں اور بے شک ہم آپ کو جھوٹے

لوگوں میں سے سمجھتے ہیں۔ ﴿۶۶﴾ انہوں نے فرمایا اے میری قوم! مجھ میں کوئی بے وقوفی نہیں ولیکن میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ ﴿۶۷﴾ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔ ﴿۶۸﴾ کیا تم (اس بات سے) تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تم میں سے ایک بندے کے ذریعے تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی تا کہ وہ تمہیں (انجام بد سے) ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح (علیہ السلام) کے بعد جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں تمہیں بڑا بنایا سو اللہ کی نعمتیں یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ﴿۶۹﴾ کہنے لگے کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہم صرف اللہ اکیلے ہی کی عبادت کریں اور جن کو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے ہم (ان کو) چھوڑ دیں اگر آپ سچے ہیں تو ہم کو جس (عذاب) کی دھمکی دیتے ہیں سو وہ ہم پر لے آئیں۔ ﴿۷۰﴾ انہوں نے فرمایا بے شک تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب اور غضب (غصہ) آیا ہی چاہتا ہے۔ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (خود) رکھ لئے تھے اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی پس انتظار کرو یقیناً میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ ﴿۷۱﴾ پس ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے اُن کو اپنی رحمت سے نجات بخشی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا ہم نے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ﴿۷۲﴾

خلاصۂ رکوع

ارشاد فرمایا، ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ آپؑ نے فرمایا، اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جو عبادت کا حق رکھتی ہو اور جتنے معبود تم نے گھڑ رکھے ہیں یہ سب باطل ہیں۔ کیا تم نے کبھی اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ انؑ کی قوم کے بااثر لوگ کہنے لگے آپ بے وقوفوں جیسی باتیں کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم اپنے

باپ دادا کو غلط مان لیں اور آپ کو سچا مان لیں۔ ہمارا خیال ہے کہ یا تو آپ میں یہ شعور ہی نہیں کہ آپ بزرگوں کی بتائی ہوئی باتوں کو غلط کہہ رہے ہیں یا آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول مبعوث ہوا ہوں۔ رسولؑ کا کام یہ ہے کہ جو پیغام اللہ اپنے بندوں کو پہنچانے کے لئے رسولؑ کو دے وہ اسے پوری دیانت وامانت کے ساتھ اللہ کے بندوں کو پہنچا دے اور جو الزام تم مجھ پر لگا رہے ہو یہ غلط ہے۔ میں نہ تو اپنی بات کہتا ہوں اور نہ اپنی بات تم سے منواتا ہوں میں تو پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں، میں تمہیں نصیحت کرنے والا ہوں۔ میں تو تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ اللہ نے مجھے دیانتدار بنایا ہے اور میں پوری دیانتداری کے ساتھ اللہ کی امانت تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا کیا تم بھول گئے ہو کہ نوحؑ اللہ کے رسولؑ تھے۔ ان کے بعد اللہ نے تمہیں زمین پر آباد کیا۔ تمہیں قد آور بنایا اور قوت بخشی سو تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ وہ کہنے لگے آپ اس لئے آئے ہیں کہ ہمارے باپ دادا جن بتوں کی پوجا کرتے رہے انہیں ہم چھوڑ دیں اور جس ہستی کو آپ واحد لاشریک کہتے ہیں اسے مان لیں تو سن لیجئے کہ آپ ہمارے باپ دادا سے بڑھ کر نہیں ہیں کہ ہم انہیں غلط قرار دیں اور یہ جو آپ ہمیں قوم نوح کے واقعات سے عبرت دلاتے ہیں اور ہمیں عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں کہ ہم آپ کی دعوت قبول نہیں کریں گے تو ہم پر عذاب آجائے گا تو اگر آپ سچے ہیں تو پھر عذاب لا کر دکھائیں۔ آپؑ نے فرمایا: عذاب تو تم پر آچکا ہے۔ عظمت الٰہی کا انکار، نبیؑ کی تکذیب، بتوں کو سجدے۔ یہ سب عذاب الٰہی ہے۔ اس کے بعد جو تباہی آئے گی وہ اس کا نتیجہ ہوگی۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے جھگڑتے ہو جو تمہارے باپ دادا نے فرض کر لئے تھے جبکہ اللہ نے ان کی کوئی تائید نازل نہیں فرمائی۔ اگر تم نے گناہ پر ڈٹ جانے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر انتظار کرو۔ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نتائج آجائیں گے۔ فرمایا: ہم نے ہودؑ کو بچالیا اور جن لوگوں نے آپؑ کا دامن تھاما انہیں بھی بچالیا۔ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ان کو ہم نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ وہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

اسی سلسلہ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ یہاں بھائی سے مراد قومی بھائی ہے کہ وہ اسی قوم کے ایک فرد تھے۔ ان کو مبعوث فرمایا۔ تمام انبیاءؑ کی دعوت کا بنیادی کلمہ ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے۔ لا الہ الا اللہ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا

لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ فرمایا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اس کے سوا تمہارے لئے کوئی دوسری ایسی ہستی نہیں ہے جو عبادت کا حق رکھتی ہو۔ جس کی عبادت کی جائے یہ صرف اللہ کا حق ہے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم میں کوئی شرافت باقی نہیں ہے۔

تقویٰ کا مفہوم:

جو اعمال کئے جاتے ہیں ان کے انجام سے باخبر ہونے سے ان میں جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ تقویٰ ہے۔ مثلاً کوئی نیکی کرتا ہے تو نیکی کے انجام سے اسے رضائے باری کی جو اُمید بندھتی ہے اللہ کریم کے لئے اس کے دل میں جو جذبۂ تشکر پیدا ہوتا ہے یا بتقاضائے بشریت، انسان غلطی کر بیٹھتا ہے پھر اپنی اس غلطی پر جب سوچتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ کے حضور اس پر گرفت ہوگی اور اس پر ایک خوف طاری ہوتا ہے تو یہ دونوں کیفیات ربِّ جلیل کے ساتھ اس کا جو رشتہ قائم کرتی ہیں اسے تقویٰ کہتے ہیں۔ جس طرح جملے میں لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے مطابق اس کا ترجمہ کہیں پرہیزگاری کر دیا جاتا ہے کہیں ڈر کر دیا جاتا۔ جملے میں جس طرح لفظ تقویٰ کا استعمال ہوتا ہے اس اعتبار سے اس کا ترجمہ ہو جاتا ہے۔ خود میں نے بھی اکرم التراجم میں کہیں ڈر لکھا ہے کہیں پرہیزگاری لکھا ہے۔ ترجمے میں چونکہ اجمال ہوتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ لفظ کی مکمل وضاحت کی جائے یہ چیزیں تو تفسیر سے متعلق ہیں تو تقویٰ ایک کیفیت ہے جو اپنے اعمال کی نسبت ربِّ جلیل سے پیدا ہوتی ہے۔

جہاں تک اللہ کی ذات کا تعلق ہے تو اس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ دنیا میں معدودے چند لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی ذات کے منکر ہیں جنہیں صابی یا بے دین کہا جاتا ہے۔ جو کہتے ہیں دہر یعنی زمانہ سب کچھ کرتا ہے یا نیچر سب کچھ کرتی ہے انہیں نیچری بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ گنتی کے لوگ ہیں۔ باقی جتنے مشرک ہیں، آتش پرست ہیں، ستارہ پرست ہیں، بت پرست ہیں یہ اللہ کی ذات کو، اللہ کو مانتے ہیں اور اگر اللہ کو کوئی مانے نہیں تو شرک کیسے کرے؟ سب اللہ کے شریک بناتے ہیں۔ اللہ کی ذات کو صرف ماننا اور اللہ کو ایسا ماننا جیسا وہ ہے۔ ان دو باتوں میں بہت فاصلہ ہے۔ تمام مشرک طبقے اللہ کو مانتے ہیں۔ لیکن اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، جیسے عیسائی کہتے ہیں اللہ ہے لیکن حضرت مریم کو بیوی اور عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ اسی طرح یہودی کہتے ہیں عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں۔ ہندو کہتے ہیں یہ ہمارے جو دیوی دیوتا ہیں یہ اللہ کے بڑے محبوب ہیں۔ ہمیں ان کی عبادت کرنی ہے۔ اللہ سے ان کا تعلق ہے۔ ہمارے مسلمانوں میں بھی جہاں جاہلیت ہے، جاہل لوگ یہی

سمجھتے ہیں کہ اللہ نے کائنات بنادی اور اسے پھر نیک لوگوں کے سپرد کر دیا۔ ہم نیک لوگوں کی خدمت کریں گے تو وہ ہمارے کام کرتے رہیں گے۔ یہ سب شرک کی مختلف قسمیں ہیں۔ اللہ واحد ہے۔ لاشریک ہے۔ صرف وہی خالق ہے اس کے علاوہ باقی ساری مخلوق ہے اور مخلوق اپنے وجود میں بھی اللہ کی محتاج ہے، اپنی عظمت اور خوبی میں بھی اللہ کی محتاج ہے، اپنی ذات میں بھی اپنی صفات میں بھی خود اللہ کی محتاج ہے۔ جو خود اللہ کی محتاج ہے وہ اس بات کا حقدار نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے تو فرمایا صرف اللہ کی عبادت کرو۔

عبادات کیا ہیں:

کچھ عبادات وہ ہیں جو اللہ کریم نے مقرر کر دی ہیں۔ ان کے اوقات معین ہیں۔ ان کا طریقِ کار معین ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ سارے معین ہیں۔ اوقات معین ہیں، سال بعد زکوٰۃ فرض ہوتی، حج اپنے مخصوص دنوں میں آتا ہے، رمضان اپنی مخصوص تاریخوں میں آتا ہے۔ ان کے ضابطے اور قاعدے مقرر ہیں۔ نماز اپنے وقت پر فرض ہوتی ہےاِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾ النساء:103 جب اس کا وقت آتا ہے تو فرض ہوتی ہے۔ کچھ عبادات کا تعلق اعمال و کردار سے ہے۔ دن بھر ہم جو کچھ کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں، کام کرتے ہیں، لوگوں سے ملتے ہیں، اگر یہ سب کام حضور اکرم ﷺ کی متعین کردہ حدود اور سنت کے مطابق ہیں تو یہ عبادت ہے اور سنت کے خلاف ہیں تو گناہ ہے۔

یہ دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اس سے عملاً کھرا مسلمان بننے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ یہ عبادات کا فوری نتیجہ ہے۔

عبادات کا حاصل بھی یہی ہے جسے ثواب کہا جاتا ہے۔ ثواب اس اجر کا نام ہے جو ہر اچھے عمل پر اور ہر برے عمل پر ملتا ہے۔ اس کے دو اثرات ہیں۔ ایک فوری اثر ہے جو دنیا میں ملتا ہے ایک اخروی اجر ہے جو بطور انعام آخرت میں ملتا ہے۔ ہر سجدے، ہر رکعت، ہر تسبیح اور ہر ذکر الٰہی کا فوری، اثر کیا ہے؟ قرآن حکیم بتاتا ہےاِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ العنکبوت:45 عبادات سے اللہ کریم سے ایسا تعلق بن جاتا ہے کہ بندہ اس کی نافرمانی سے رک جاتا ہے۔

اگر بندہ عبادتیں بھی کر رہا ہے، جھوٹ بھی بولے جا رہا ہے، نمازیں بھی پڑھتا ہے، رشوت بھی کھاتا ہے، حج بھی کرتا ہے، حاجیوں کو لوٹتا بھی ہے تو پھر اسے دیکھنا پڑے گا کہ جو نمازیں وہ پڑھتا ان میں کہیں کوئی کمی ہے، وہ شریعت کے مطابق ہیں، کیا اس کا عقیدہ درست ہے یا کیا اس کا طریق کار کہیں غلط ہے۔ اگر

عقیدہ بھی درست ہے۔ عمل بھی سنت کے مطابق ہے تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس سے گناہ چھوٹ جائے یہ فوری اثر ہے۔

فرمایا اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا انہی کے بھائی یعنی ان کے قومی بھائی ہودؑ کو بھیجا۔ یعنی تمام انسان آدمؑ کی اولاد سے ہیں۔ آپؑ نے اللہ کی توحید کی دعوت دی اور ان کے معبودان باطلہ کی قلعی کھول دی فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اللہ کے علاوہ کوئی حقیقی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴿۶۵﴾ تمہیں ان نظریات سے ڈر نہیں لگتا کہ ان کا انجام ہوگا قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ ان کی قوم کے مالدار لوگوں نے کہا کہ ہماری رائے میں تو آپ بیوقوفی کی بات کر رہے ہیں یا جھوٹ بول رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ گناہ کی طرف ہمیشہ مالدار شخص ہی بھاگتا ہے۔ صاحب ثروت ہی ہمیشہ انکار کی طرف دوڑتے ہیں۔ دولت میں چونکہ اختیارات ہوتے ہیں تو عموماً انبیاءؑ کی مخالفت طبقہ امراء نے کی ہے۔ معاشرے میں جتنی رسومات کفر و شرک اور بدعات پر مبنی ہوتی ہیں ان کے پیچھے یہی مالدار لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ان کے ذریعہ دولت بھی جمع کرتے ہیں، لوگوں سے خدمت بھی لیتے ہیں اور سجدے بھی کرواتے ہیں۔

تو وہ گمراہ طبقہ امراء کہنے لگا کہ جہاں تک ہماری یادداشت کام کرتی ہے ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی بتوں کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ ان کے بارے یہی سنا ہے تو ہم یہ کیسے مان لیں کہ وہ سارے بے وقوف تھے اور صرف آپ ہی عقل مند ہیں لہٰذا ہم آپ کو یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴿۶۷﴾ میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ تمہارے لئے رسول مبعوث ہوا ہوں اور رسولؑ اپنی بات نہیں کہتا صرف اپنے پروردگار کی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے اور بات پہنچانے میں وہ سب سے سچا، ایمان دار اور امانت دار ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہارا مجھے بے وقوف سمجھنا یا غلط بیانی کرنے والا کہنا انتہائی غلط الزام ہے۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ میں تو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچانے پر مامور ہوں۔

یہاں اللہ کریم کی ربوبیت کا ذکر کیا۔ یہ ربّ العالمین کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جس نے وجود پیدا کیا۔ اس کی غذا پیدا کی۔ اسے شعور بخشا کہ کون سی غذا اس کے لئے مفید ہے اور کون سی مضر ہے۔ اسی طرح روح کی تربیت کرنا بھی اس کی ربوبیت کا تقاضا ہے۔ جس طرح بدن انسانی کی بقاء اور شفاء کے لئے سورج، چاند، ستارے کام پر لگا دیئے۔ بارشیں برسائیں، پھل، گوشت، سبزیاں، غلہ پیدا کر کے غذا اور دوا بہم پہنچانے کا

اہتمام فرمایا اسی طرح روح کی شفاء اور بقاء کے لئے انبیاءؑ مبعوث فرمادیئے۔

فرمایا: وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ میں تو تمہیں نصیحت کرنے والا ہوں۔ نصیحت بھلائی کے لئے کی جاتی ہے۔ نیک مشورے کو نصیحت کہتے ہیں۔ فرمایا میں تو تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ اور اللہ نے مجھے انتہائی دیانت دار بنایا ہے۔ مجھے جو پیغام ملتا ہے میں اس میں کوئی لفظ کم نہیں کرتا اور کوئی بات اپنی طرف سے داخل نہیں کرتا۔ پوری دیانت داری سے اللہ کریم کا پیغام تمہیں پہنچا رہا ہوں۔ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ تم ہی میں سے ایک آدمی کو اللہ نے نبوت عطا کر دی۔ ان پر اللہ نے اپنا کلام نازل کر دیا۔ اپنی وحی نازل کر دی حالانکہ وہ تم ہی جیسا تم ہی میں ایک انسان تھا۔ تمہیں اس بات پہ حیرت ہو رہی ہے کہ یہ فلاں کا بیٹا، فلاں کا بھتیجا ہے۔ جیسے مشرکین مکہ یا کفار قریش کہا کرتے تھے۔ قرآن نے ان کا بھی تذکرہ کیا ہے يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾ الاعراف: 198 آپ ﷺ کی طرف نظریں تو ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتے۔ وہ ظاہری آنکھوں سے تو نبی کریم ﷺ کو دیکھتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ صرف یہی دیکھتے تھے کہ یہ ہمارا برادرزادہ محمد بن عبداللہ قریش کا ایک فرد ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انہیں نظر نہیں آتے۔ ان کی نگاہ اپنے ایک قریشی بھائی پر پڑتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے منصب جلیلہ اور ختم نبوت کی عظمت ان کی نظروں میں نہیں تھی۔ انہیں محمد رسول اللہ ﷺ دکھائی نہیں دیتے تھے۔

تو فرمایا تمہیں اس بات سے حیرت ہو رہی ہے کہ میں تم ہی میں سے ایک کا آدمی، کل تک تمہارے ساتھ ہی رہتا تھا، آج مجھ پر وحی آنا شروع ہوگئی، تم حیران ہو کہ آج یہ اللہ کی باتیں کر کے ہمیں نصیحتیں کر رہا ہے۔ آخرت سے ڈرا رہا ہے۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ بھول گئے ہو نوحؑ اللہ کے رسولؑ تھے وہ بھی انسان تھے۔ ساڑھے نو سو برس انہوں نے قوم پہ محنت کی۔ معدودے چند لوگوں کے سوا کوئی ان پر ایمان نہیں لایا۔ غضب الٰہی جوش میں آیا اور پانی جو زندگی کی بنیادی ضرورت ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ الانبیاء: 30 فرمایا، ہم نے ہر چیز کو پانی کے ساتھ حیات بخشی ہے۔ پانی زندگی کا بہت بنیادی سبب ہے۔ وہی پانی ان کے لئے تباہی کا اور موت کا سبب بن گیا اور انہیں غرق کر کے تباہ کر دیا۔ پھر ان کے بعد جو نسل چلی۔ فرمایا، یاد کرو اس کے بعد اس نے تمہیں زمین پر آباد کیا وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً اس نے تمہیں مضبوط ڈیل ڈول اور بڑے بڑے وجود دیئے۔ بڑا قد آور بنایا اور بڑی طاقت

بخشی۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ حضرت نوحؑ، حضرت آدمؑ کی آٹھویں پشت میں تھے تو اتنی زیادہ آبادی روئے زمین پر نہیں ہوئی تھی۔ لیکن سوائے چند افراد کے وہ ساری آبادی غرق ہوگئی۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا طوفان نوحؑ سارے روئے زمین پر آیا تھا یا خاص علاقوں پر آیا تھا۔ اس کا جواب سورۂ نوح میں موجود ہے۔ آپؑ نے دعا کی تھی رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ نوح:26 اے اللہ روئے زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ۔ اس کا مطلب ہے کہ جتنی انسانی آبادی اس وقت تک بڑھ چکی تھی وہ ساری زیر آب آگئی، غرق آب ہوئی۔ پھر اس کے بعد ان کی اولاد سے نسل انسانی آگے چلی۔ انہوں نے کہا وہ وقت بھی یاد کرو جب نوحؑ نے اپنی قوم سے وہی بات کہی جو آج میں تم سے کہہ رہا ہوں اور انہوں نے انکار کیا تو ان کا کیا انجام ہوا؟ تباہ و برباد ہوگئے۔ اس کے بعد نوحؑ کی اولاد چلی۔ اللہ نے تمہیں پیدا کیا تمہیں بڑے لمبے لمبے قد کاٹھ اور بڑی قوت جسمانی عطا فرمائی اور تم کو زمین پر پھیلا دیا۔ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ اللہ کے احسانات یاد کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ تاکہ تم کامیاب ہوسکو۔

جذبۂ تشکر سے جذبۂ اطاعت پیدا ہوتا ہے:

فرمایا اللہ کے احسانات کے بارے سوچنا، کامیابی کا ایک راستہ ہے۔ انسانی مزاج یہ ہے کہ جہاں جہاں کامیاب ہوتا ہے وہاں وہاں اپنی بڑائی کا اظہار کرتا ہے کہ یہ میں نے کر دیا۔ جہاں ناکامی آتی ہے کہتا ہے قسمت میں یہی تھا۔

بات بن جائے تو شان تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے خطا کاتب تقدیر کی ہے

لوگوں کا روّیہ یہ ہے کہ جہاں کامیاب ہوتے ہیں وہاں کہتے ہیں کہ یہ میری ہمت، میری دانش مندی، میری عقل سے ہوا۔ میں نے کر دیا۔ جہاں ناکامی ہوتی ہے کہتے ہیں اللہ کی طرف سے تھی، قسمت میں تھی۔ حالانکہ کامیابی ناکامی سب اس کی طرف سے ہے۔ البتہ جہاں ناکامی ہوتی ہے وہاں ہماری کوئی غلطی ہوتی ہے۔ جو کچھ ہمیں پہنچتا ہے فبما کسبت ایدیکم الشوریٰ:30 ہمارے کردر کی خرابی کے باعث پہنچتا ہے۔ جہاں کامیابی ہوتی ہے محض اس کے کرم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کوئی ادنیٰ سی بات اسے پسند آگئی اپنا رحم فرما دیا۔ لہٰذا اللہ کے احسانات کو یاد کرنا چاہیے۔ چوبیس گھنٹوں میں سے ہمارے پاس والدین

کے لئے وقت ہے، اولاد اور دوستوں کے لئے وقت ہے، چائے پینے کی فرصت ہے، ہوٹل جانے اور اخبار پڑھنے کی فرصت ہے، کاروبار ہم سارا دن کرتے ہیں تو کچھ تھوڑا سا وقت نکال کر اللہ کے احسانات کو بھی یاد کرنا چاہیے۔ اسی کو صوفیاء مراقبہ کہتے ہیں کہ کچھ دیر متوجہ الی اللہ ہو جائے۔ فرمایا: اس کے احسانات کو یاد کرنا کامیابی کا راستہ ہے۔ بندے میں جذبہ تشکر پیدا ہوتا ہے جس سے جذبۂ اطاعت پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: اللہ کے احسانات یاد کرو تاکہ کامیاب ہو سکو۔ قَالُوْٓا وہ کہنے لگے اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمارے باپ دادا جن خداؤں کی پوجا کرتے رہے ہیں ان سب کو چھوڑ دیں اور آپ جو کہتے ہیں کہ اللہ ایک واحد لاشریک ہے اس کو پوجنا شروع کر دیں۔ کیا آپ ہمارے باپ دادا اور بزرگوں سے بڑھ کر ہیں کہ ان کو ہم غلط قرار دے دیں۔

کفار کو عموماً یہی اعتراض ہوتا ہے جیسے فرعون کے پاس جب موسیٰؑ تشریف لے گئے اور جب وہ لاجواب ہو گیا تو کہنے لگا پہلے یہ بتاؤ کہ ہمارے باپ دادا جو اسی مذہب پر مر گئے تھے ان کا کیا ہو گا؟ اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ جب موسیٰؑ یہ کہیں گے کہ وہ دوزخ میں جل رہے ہیں تو کم از کم ان کی اولادوں کو کچھ تو غصہ آئے گا کہ ہمارے باپ دادا کو دوزخی کہہ رہے ہیں۔ لیکن موسیٰؑ نے فرمایا قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ طٰہٰ :52 ان کے حال سے میرا رب واقف ہے۔ وہ جانیں اور ان کا پروردگار جانے میں بات تم سے کر رہا ہوں۔ میں مرنے والوں سے بات نہیں کر رہا۔ یہی اعتراض انہوں نے یہاں ہودؑ پر کیا کہ آپ اس لئے آگئے ہیں کہ ہماری جتنی پشتیں گزر گئی ہیں، جہاں تک ہم جانتے ہیں وہ تو بتوں کو پوجتے تھے، تو اس کا مطلب ہے وہ سارے جھوٹے تھے، وہ سارے کافر تھے، وہ سارے دوزخی تھے اور ایک آپ سچے ہیں۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ کیا آپ اس لئے تشریف لائے ہیں کہ ہم وحدہٗ لاشریک اللہ کی عبادت کرنے لگ جائیں وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ ہمارے باپ دادا جن کی پوجا کرتے تھے ان کو یکسر چھوڑ ہی دیں۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ آپ یہ بار بار عذاب الٰہی کی بات کرتے ہیں۔ غضب الٰہی کی بات کرتے ہیں، طوفان نوحؑ کی بات کرتے ہیں، کبھی کسی قوم کے عذاب کی بات کرتے ہیں اور ہمیں ڈراتے ہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے تو عذاب آجائے گا۔ تو اگر آپ سچے ہیں تو عذاب لا کر دکھائیں۔ سبحان اللہ! آپؑ نے بہت خوبصورت بات ارشاد فرمائی وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ کہ تم پر عذاب الٰہی تو آیا ہوا ہے یہ جو تم عظمت الٰہی کا انکار کر رہے ہو یہ بتوں کو سجدے کر رہے ہو۔

اللہ کے نبی سے مقابلہ کر رہے ہو، تو یہی تو عذاب الٰہی ہے۔ سارا نتیجہ تو اسی پر مرتب ہوگا یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کپڑے کے ایک کونے پر دیا سلائی سے آگ لگا دی ہو تو وہ آگ چند لمحوں میں پورے لباس کو جلا کر راکھ کر دے گی۔

اسی طرح اللہ کی عظمت سے نا آشنا ہونا، اللہ کے احسانات کو یاد نہ کرنا، اللہ کی اطاعت نہ کرنا، اللہ کے نبیؐ کی اطاعت نہ کرنا۔ فرمایا یہ عذاب نہیں تو کیا ہے؟ یہ آگ تو لگی ہوئی ہے۔ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ یہاں بھی ربّ استعمال فرمایا ہے۔ ربوبیت کا اصول ہے کہ جس پھل کا بیج بویا جاتا ہے اس پر وہی پھل لگتا ہے۔

گندم از گندم بہ روئید جو زے جو
از مکافات عمل غافل نہ شو

گندم بیجو گے تو گندم اُگے گی۔ جَو بیجو گے تو جوا اُگیں گے۔ جو عمل کوئی کرتا ہے اس پر نتیجہ مرتب کرنا تقاضائے ربوبیت ہے۔ تو فرمایا بے وقوفو تمہارے پر تو تمہارے پروردگار کی طرف سے عذاب واقع ہو چکا ہے کہ تم اللہ کے نبیؐ کی دعوت کا انکار کر رہے ہو۔ اللہ کی نافرمانی کر رہے ہو۔ بتوں کو سجدے کر رہے ہو۔ یہی سب سے بڑا عذاب ہے اب جو تباہی آئے گی وہ اسی کا نتیجہ ہوگا ایک بندہ زہر کھا جاتا ہے وہ کہے اچھا مجھے مار کر دکھاؤ تو کہا جا سکتا ہے کہ تمہاری موت تو واقع ہوگئی۔ کیوں گھبرا رہے ہو۔ تمہاری موت تو واقع ہوگئی اب تمہیں گولی مارنے یا لاٹھی مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے فرمایا قَدْ وَقَعَ تمہارے پر واقعہ ہو چکا۔ تم پر تو عذاب الٰہی آیا ہوا ہے یہ جو نبوت کے پیغام کا انکار کر رہے ہو، گناہ کر رہے ہو، بتوں کو سجدے کر رہے ہو، حرام کھا رہے ہو، جھوٹ بول رہے ہو، یہ عذاب الٰہی نہیں تو کیا ہے وَّغَضَبٌ تم پر تو قہر نازل ہو چکا۔ تم پر تو عذاب آ چکا اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ تم اور تمہارے باپ دادا نے بتوں کے اور مختلف طاقتوں کے فرضی نام رکھ لئے تھے۔ تم ان کو لے کر اللہ کے رسولؐ سے جھگڑا کرتے ہو۔ میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو۔ میں تو وہ بات تمہیں پہنچا رہا ہوں جو اللہ کریم کی ہے اور تم مجھ سے افراد کی بات کرتے ہو۔ اپنے بڑے بوڑھوں کی بات کرتے ہو۔ تمہارے بڑے بوڑھوں کی حیثیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ سے حقیر سی مخلوق ہیں اور وہ بھی گمراہ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ یہ جو باتیں تم کر رہے ہو ان کی تائید میں اللہ نے تو کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ ہر بات جو حتمی ہے وہ اللہ کی ہے۔ اللہ کا نبیؐ جو بتاتا ہے وہ اللہ کی بات

ہوتی ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ حق ہوتا ہے۔ باقی اللہ کے علاوہ کوئی ایسی مخلوق نہیں جس سے غلطی نہ ہو سکے، جسے دھوکہ نہ لگ سکے جس کی بات حتمی اور آخری ہو۔ یہ شان اللہ کو سزاوار ہے۔ میں تمہیں اللہ کی بات بتا رہا ہوں اور تم بڑے بوڑھوں کے بتوں کو لئے پھرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

اور اگر تم میری بات نہیں مانتے فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴿۷۱﴾ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اگر تم نے اعمال بد کے نتائج ہی بھگتنے کا ارادہ کرلیا ہے تو پھر نتائج بھی آجائیں گے۔ انتظار کرو۔ کیونکہ یہ میرا کام تو نہیں ہے کہ میں عذاب بھیج دوں یا عذاب منگوالوں۔ یہ تو اللہ کا کام ہے۔ جو فصل بیجی جاتی ہے اس پر پہلے کونپل نکلتی ہے پھر وہ ایک پورا بڑا تنکہ بنتا ہے۔ پھر اس پر خوشہ نکلتا ہے۔ پھر اس کا سٹہ بنتا ہے۔ پھر اس پر دانے لگتے ہیں۔ پھر وہ پکتے ہیں۔ اس کا ایک نظام ہے۔ ہر چیز اپنا وقت لیتی ہے۔ تم نے گناہوں کی فصل بوئی ہے۔ اب یہ بڑھ گئی ہے۔ اس پر بور آ گیا ہے۔ اس پر پھل لگ رہا ہے اس کے پکنے اور کٹنے میں تھوڑا وقت رہ گیا ہے۔ تو تم بھی انتظار کرلو میں بھی انتظار کرتا ہوں فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴿۷۲﴾ پھر فصل پک گئی، کٹ گئی۔ ھودؑ نے ایک گھر کو احاطہ بنا دیا جو تھورے بہت لوگ ان پر ایمان لائے تھے انہیں کہا اس گھر میں آ جاؤ۔ ایک چار دیواری برائے نام سی بنا دی اس پر کچھ عارضی سی چھت ڈال دی۔ فرمایا: اس کے اندر آ جاؤ۔ اللہ نے ایسی تیز ہوائیں بھیجیں کہ وہ جو بڑے بڑے قد آور لوگ تھے اور انھوں نے بڑے بڑے مضبوط کئی منزلہ گھر بنائے ہوئے تھے وہ سب تباہ ہو گئے۔ وہ ایسے طاقتور تھے کہ جس طرح ہم گاجر مولی اکھیڑ لیتے ہیں اس طرح وہ کھجور کے بڑے بڑے درختوں کو ہاتھ سے پکڑ کر اکھیڑ لیتے تھے ان پر اتنی تیز ہوائیں چلیں کہ وہ جانوروں اور انسانوں کو زمین سے اٹھاتی تھیں اور نجانے کس بلندی سے لاکر پھر زور سے پٹختی تھیں۔ بدن ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے۔ بڑے بڑے محلات اور بڑے بڑے کئی منزلہ مکان جڑوں سے اٹھائے اور میلوں دور پھینک دیئے۔ لیکن اسی زمین پر اسی بستی میں وہ چار دیواری، کچی چار دیواری جو اللہ کے نبیؑ نے بنائی تھی۔ اس کے اندر وہی ہوا بادِ نسیم کی طرح چلتی رہی۔

اللہ کی شان دیکھو ہوا بھی زندگی کا بنیادی سبب ہے۔ کسی کی سانس چند لمحے روکو وہ مر جائے گا۔ کسی کی ہوا بند کردو۔ آکسیجن روک دو وہ آخر میں مر جائے گا۔ اس مالک الملک نے ہوا کو زندگی کے سبب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہی کا سبب بنا دیا۔ موت کا سبب بنا دیا۔ اور پھر کمال دیکھو، ایک ہی میدان میں، ایک

ہی آبادی میں، ایک ہی بستی میں، ایک ہی علاقے میں اتنا تیز طوفان آیا کہ اسی اسی نوے نوے فٹ کے بلند قامت آدمیوں کو اس نے اٹھا اٹھا کر نہ جانے کن بلندیوں سے کسی کو پہاڑوں پر پھینکا، کسی کو وادیوں میں، کسی کو درختوں پہ، درخت اکھڑ گئے، جانور مر گئے، انسان تباہ ہو گئے لیکن وہ جو چار دیواری تھی جس میں اللہ والے تھے، اس میں وہی طوفان تھم تھم کر چلتا رہا۔ بادِ نسیم بنا رہا۔ کوئی نقصان اس میں نہیں ہوا۔ فرمایا فَاَنْجَیْنٰہُ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ہم نے ہودؑ کو بھی بچا لیا اور جن لوگوں نے ان کا دامن تھاما تھا وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ یعنی جو ان کے عقیدے اور عمل میں اطاعت کرتے تھے انہیں بھی بچا لیا۔ نبیؐ کی معیت کیا ہوتی ہے؟ عقیدے اور عمل میں نبیؐ کی اطاعت کرنا ہی نبیؐ کے ساتھ ہونا ہے۔ فرمایا جو ان کے ساتھ تھے ان کو بھی اپنی رحمت سے بچا لیا۔ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ اور جنہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا ان کو ہم نے جڑ سے اکھیڑ دیا۔ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْ ان کی جڑ کاٹ کے پھینک دی۔ تباہ و برباد کر کے رکھ دی۔ کیوں؟ وَمَا کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ کہ وہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔

سورۃ الاعراف رکوع 10 آیات 73 تا 84

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ

مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی نہیں جو عبادت کے لائق ہو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے دلیل آچکی۔ یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے دلیل (معجزہ) ہے سو اسے (آزاد) چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور تم اسے بُرے ارادے سے چھونا بھی نہیں پس دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔ ﴿۷۳﴾ اور یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تم کو زمین میں آباد فرمایا کہ تم نرم زمین پر محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ ﴿۷۴﴾ ان کی قوم کے سرداروں نے تکبر کرتے ہوئے ان میں سے ان غریب لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کہ کیا تم کو یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا جس چیز کے ساتھ ان کو بھیجا گیا ہے ہم یقیناً اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿۷۵﴾ وہ لوگ جنھوں نے تکبر کیا تھا کہنے لگے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ہم یقیناً اس کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿۷۶﴾ غرض انہوں نے اونٹنی کی کونچیں (پاؤں) کاٹ ڈالیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے اے صالح (علیہ السلام)! اگر آپ پیغمبروں میں سے ہیں تو جس (عذاب) کا آپ ہمیں وعدہ دیتے ہیں وہ ہم پر لے آئیں۔ ﴿۷۷﴾ پس ان کو زلزلے نے آ پکڑا پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ﴿۷۸﴾ تب وہ (صالح علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی ولیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ ﴿۷۹﴾ اور لوط (علیہ السلام) کو (بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی

نے نہیں کیا۔ ﴿۸۰﴾ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ ﴿۸۱﴾ اور ان کی قوم سے جواب نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ کہنے لگے کہ ان (لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں) کو اپنی بستی سے نکال دو یقیناً یہ بہت پاک لوگ ہیں۔ ﴿۸۲﴾ پس ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بچالیا سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ ﴿۸۳﴾ اور ہم نے ان پر (نئی طرح کا) مینہ برسایا سو دیکھو گناہگاروں کا کیا انجام ہوا۔ ﴿۸۴﴾

خلاصۂ رکوع

فرمایا: قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو نبی مبعوث فرمایا۔ انہوں نے فرمایا میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ اللہ کی یہ اونٹنی تمہارے لئے معجزہ ہے۔ اسے چھوڑ دو کہ جہاں چاہے چرتی پھرتی رہے۔ اور اسے کسی بُرے ارادے سے ہاتھ تک نہ لگانا۔ اگر ایسا ہوا تو تمہیں بڑا تکلیف دینے والا عذاب آ پکڑے گا۔ اور اپنی حالت کو یاد کرو کہ اللہ نے تمہیں کیسے قوم عاد کے بعد زمین میں ان کا وارث بنا دیا۔ تمہیں یہ استعداد دی کہ تم کہیں تو نرم نرم زمین پر محل بناتے ہو اور کہیں پہاڑوں کو تراش کر اپنے لئے گھر بناتے ہو۔ لہٰذا اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس میں فساد نہ کرتے پھرو۔

ان کی قوم کے امیر اور متکبر لوگ اپنی قوم کے غریب لیکن ایمان والے لوگوں سے کہنے لگے کہ کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ صالحؑ اللہ کے نبیؑ اور رسولؑ ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تو اس پیغام الٰہی پر ایمان لا چکے ہیں جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس پر وہ متکبرین کہنے لگے تم تو مان چکے لیکن ہم اس کو نہیں مانتے ہم اس کا انکار کرتے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اور انہوں نے اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں اور اپنے ربّ کے حکم سے سرکشی کی اور تکبر میں اتنے بڑھے کہ صالحؑ سے کہنے لگے اگر آپ سچے رسولؑ ہیں تو آپ اس عذاب کو لے آئیے جس سے ہمیں ڈراتے تھے۔ پھر انہیں زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ صالحؑ نے تب ان سے اپنا

چہرہ پھیر لیا اور کہا، میری قوم میں نے تو تمہیں بہت نصیحتیں کی تھیں لیکن تم نصیحت کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

پھر ہم نے لوطؑ کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم ایسی بے حیائی میں مبتلا ہو کہ جس کی مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ تم تو حدِ انسانیت سے گزر گئے ہو۔ ان کی قوم کے سرکشوں نے بڑی ڈھٹائی سے جواب دیا کہ ان کو اپنے شہروں سے نکال دو کہ یہ اپنے آپ کو بڑا پاکباز سمجھتے ہیں۔

فرمایا: اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ ہم نے حضرت لوطؑ اور ان کے ساتھیوں کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے۔ اسے وہیں چھوڑ دیا۔

ہم نے ان پر بارش برسائی۔ نئی طرح کی بارش سو دیکھ لو کہ جرم کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟

تفسیر و معارف

اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرو:

ارشاد ہوا وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ رب العالمین نے انبیاءؑ کو ہی ان قوموں کا قومی بھائی قرار دیا ہے اور یہ فخر انسانیت ہے۔ انسان کس سبب سے اشرف المخلوقات ہے؟

کیا اس لئے کہ اسے کھانے پینے کا نہایت اعلیٰ شعور اور ذوق نصیب ہے؟ یہ تو جانوروں کو بھی دیکھ لیں۔ ہمیں تو تجربہ ہے ہم کاشتکار لوگ ہیں کہ جانوروں کو بھی جب چارہ ڈالا جاتا ہے تو وہ راتب میں سے اچھا اچھا پہلے کھاتے ہیں۔ ہر جاندار میں یہ شعور ہے۔ پھل پکتے ہیں تو پرندے کچے پھل میں چونچ نہیں مارتے وہ بھی پکے پھل کو کھاتے ہیں۔ یہ شعور صرف انسان کو ہی نہیں عطا ہوا۔ اگر انسان اولاد کو پالتا ہے تو ایک چڑیا بھی اپنے بچے پالتی ہے۔ جنگل کا جانور، ایک کتا، ایک بلی، ایک شیر، ایک گیدڑ اپنے بچے پالتا ہے اور زندگی کے تسلسل کو جاری رکھتا ہے۔ فطرت کے عمل کو جاری رکھتا ہے۔ انسان کا شرف صرف اس میں نہیں کہ اس نے سائنس میں بہت ترقی کر لی ہے اپنی ساری ترقی کے باوجود شہد کا چھتہ انسان کو بنانا پڑے تو شائد نہ بنا سکے۔ کسی اور طرح کا بنا سکتا ہے لیکن ویسا نہیں جیسا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ بناتی ہے۔ اگر انسان نے ہوائی جہاز اڑائے ہیں تو مردار کھانے والے گدھ بغیر مشینوں کے اڑتے پھرتے ہیں۔ کہیں آپ انسانی ترقی کی مثال حیوانات میں دیکھیں، انسان نے آبدوزیں بنائی ہیں تو وہیل مچھلیاں تک سمندروں میں پھرتی ہیں۔ ہر جگہ آپ

کو قدرت کی وہ مثالیں ملیں گی جہاں انسان کو کوئی افضلیت نہیں ہے کہ اس سے زیادہ بہتر بنا سکیں۔ انسانی آبدوز ایک معین مدت تک پانی میں رہ سکتی ہے لیکن ان کی عمر وہاں گزر جاتی ہے۔

انسانی شرف یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ نبوت وہ دروازہ ہے جو بارگاہ الوہیت میں کھلتا ہے۔ اللہ کی ذات، اس کی صفات سے آشنا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں نبیؑ پیدا نہیں فرمایا۔ نہ فرشتوں میں، نہ جنوں میں، نہ کسی اور مخلوق میں۔ نبیؑ صرف انسانوں میں پیدا فرمایا۔ ہاں! ہر نبیؑ انسان ہوتا ہے اور انسانیت کا تاج ہوتا ہے۔ صرف انبیاءؑ ہی معیار بشریت ہوا کرتے ہیں۔ اُمتیوں میں سے جو اپنے نبیؑ کے جتنا قریب ہوتا ہے اتنی ہی اس میں انسانیت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ فخر انسانیت ہیں۔ امام الانبیاءؑ ہیں۔ خیر البشر ہیں۔ آپ ﷺ جیسا کوئی دوسرا بشر اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں فرمایا۔ اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد بارگاہ الوہیت میں کھلنے والا صرف ایک ہی دروازہ ہے۔ ذات محمد رسول اللہ ﷺ۔ ہم میں بھی اتنی ہی انسانیت ہے جتنا ہمارا عقیدہ، نظریہ اور عمل حضور ﷺ کے تابع ہے اور جتنا ہم عقیدہ و عمل میں حضور اکرم ﷺ سے دور ہیں اتنی ہی ہم سے انسانیت نفی ہو چکی ہے۔

اس قوم نے جب بے راہ روی اختیار کر لی تو ان کی طرف صالحؑ کو مبعوث فرمایا اور انہیں یہ ارشاد فرمایا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔ یہ جملہ ہر نبیؑ نے کہا ہے کہ کلمہ طیبہ کا یہی مفہوم ہے۔ لا الہ الا اللہ ہر نبیؑ کے کلمے کا پہلا جز و یہی جملہ تھا اور یہ اسلام کا بڑا عجیب جملہ ہے کہ پہلے نفی کرتا ہے۔ لا الہ کوئی عبادت کے لائق ہے ہی نہیں۔ دوسرے نظریات ایسے ہیں جیسے ایک چیز پر پہلے سبز رنگ ہو پھر اس پر سرخ رنگ لگا دیا جائے تو اب وہ سرخ ہو گیا۔ اسلام ایسے نہیں کرتا۔ اسلام کہتا ہے اس پر جو کچھ ہے وہ سب اتارو۔ خالی کر دو۔ جو کچھ دل میں ہے سارا نکال دو۔ جس کسی سے تم نے امیدیں لگا رکھی ہیں ختم کر دو۔ جس کسی سے تم کو مدد کی امید ہے وہ ختم کر دو پھر کہو الا اللہ۔

عبادت کیا ہے؟

اس امید پر کسی کا حکم ماننا کہ اس سے مجھے فائدہ ہوگا یا اس ڈر سے حکم ماننا کہ نہیں مانا تو نقصان ہوگا یہ عبادت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ نماز ہی عبادت ہے، روزہ ہی عبادت ہے بلکہ ہر عمل عبادت ہے اگر ہم اسے اللہ کے ساتھ جوڑ دیں اور اگر اللہ کے سوا کسی اور کی خوشنودی مطلوب ہے کہ خیر ہے اللہ بھی ہے لیکن میرا فائدہ یا نقصان غیر اللہ سے وابستہ ہے اور اللہ کے حکم کے خلاف اس کی اطاعت کرتے ہیں تو یہ غلط ہے۔ اللہ کے حکم

کی اطاعت احکام الٰہی کی اطاعت ہے۔ نبیؑ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے کہ اللہ کا نبیؑ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا۔ اللہ کے نیک بندوں کی اطاعت کہ وہ نبیؑ کا پیغام پہنچاتے ہیں وہ اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن کوئی شخص اللہ کے حکم کے خلاف اپنی مرضی سے کوئی بات منوانا چاہتا ہے وہ پوپ ہو، پادری ہو، ربی ہو، مولوی ہو، پیر ہو، کوئی بھی ہو وہ ایسی بات منوانا چاہتا ہے جس کا حکم نہ اللہ سے ثابت ہے نہ اللہ کے رسولؐ سے۔ ہم اس لئے مان لیتے ہیں کہ اس کی بات مان لیتے ہیں تو فائدہ ہوگا نہیں مانیں گے تو نقصان ہوگا یہ عبادت ہے۔ تو فرمایا سب سے پہلے دل سے یہ بات خارج کر دو کہ کوئی عبادت کا حق دار ہے ہی نہیں۔ کسی میں یہ اہلیت ہی نہیں۔ اب کہو کہ اللہ ہے۔ لا الہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ الا اللہ ہاں اللہ ہے۔ جب قلب صاف ہوگیا، سلیٹ صاف ہو گئی، اس پر کچھ نہیں رہا، اب اس پر لکھو ''اللہ'' اس کا مطلب ہے دوستی، دشمنی، کاروبار، لین دین، ذاتی معاملات، خاندانی معاملات، شہری معاملات، ملکی معاملات، قومی معاملات، بین الاقوامی معاملات آپ جہاں تک چلے جائیں وہاں تک آپ کا الٰہ اللہ ہے۔ آپ کو اس کے حکم سے باہر نہیں جانا۔ یہ اسلام ہے۔ اپنی امیدیں اس ذات سے وابستہ رکھیں۔ یہی صالحؑ نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کی کرو۔ نفع کی امید پر اطاعت اللہ کی کرو۔ نقصان کے ڈر سے، اندیشے سے اطاعت اللہ کی کرو مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس سے تم امیدیں وابستہ کرسکو یا جس سے تم ڈرو۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اب تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی۔ جو معجزہ تم نے مانگا تھا وہ منہ مانگا معجزہ ظاہر ہوگیا۔ قوم نے کہا کہ آپ عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں۔ اتنا بڑا جہان ہے اس کو ایک اللہ کیسے چلا سکتا ہے۔ ہم نے ہر کام کے لئے معبود بانٹے ہوئے ہیں۔ ایک ایک کام ہر کوئی کرتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے اور اگر ایک اللہ ہی چلا رہا ہے تو پھر ہم جو نشانی طلب کرتے ہیں آپ وہ ظاہر کردیں اگر آپ اللہ کے نبیؑ ہیں۔

انہوں نے جو نشانی طلب کی وہ یہ تھی کہ سامنے جو چٹان ہے وہ پھٹ جائے۔ اس میں سے ایک اونٹنی نکلے اور وہ اونٹنی بچہ دینے والی بھی ہو۔ وہ اونٹنی نر بچہ بھی دے۔ یعنی عجیب وغریب بات تھی کہ چٹان سے اونٹنی نکلے اور پھر وہ اونٹنی گابھن بھی ہو اور باہر نکلے تو بچہ دے دے۔ آپؑ نے دعا کی بار الٰہا یہ جاہل لوگ ہیں ان کے ذہن میں یہی ناممکن ترین بات آئی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پتھر سے اونٹنی نکل آئے اور وہ بچہ بھی دے۔

یعنی جتنا مشکل ہوسکتا تھا انہوں نے ایک سوال تیار کیا لیکن نبیؑ نے پھر بھی شفقت فرمائی۔

سارے نبیؑ اپنی قوم پر بڑے کریم ہوتے ہیں:

حضور اکرم ﷺ کے اوصاف میں اللہ کریم نے فرمایا حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ التوبہ:128 لوگو میرا رسول ﷺ جو دو جہانوں سے بے نیاز ہے صرف میری محبت کا طالب ہے تمہارے لئے حرص کی حد تک چلا جاتا ہے کہ تم نیک ہو جاؤ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ قرآن نے حرص کا، لالچ کا لفظ استعمال کیا ہے کہ میرا نبی ﷺ اتنا کریم ہے کہ لالچ کی حد تک چلا جاتا ہے کہ تم توبہ کرلو۔

آپؑ نے دعا کی بار الہا میری قوم بے وقوف ہے۔ بت پرستی میں پڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے سمجھا ہے یہ بڑا ناممکن کام ہے۔ لیکن تیرے لئے تو کچھ ناممکن نہیں۔ تو ان کو یہ معجزہ دکھا دے شائد یہ توبہ کر جائیں، جہنم سے بچ جائیں۔ اللہ نے وہ معجزہ ظاہر کر دیا۔ ایک گڑگڑاہٹ سے پتھر پھٹا۔ اس میں سے ایک بہت خوبصورت قد آور صحت مند اونٹنی برآمد ہوئی۔ اونٹنی نے برآمد ہوتے ہی ایک بچے کو جنم دیا اور ایک صحت مند اور ٹھیک ٹھاک بچہ پیدا ہو گیا۔ تو انہوں نے فرمایا قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دیکھو تمہارے اللہ کی طرف سے، تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس اللہ کا نبیؑ آ گیا۔ یہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ کے نبیؑ کے ارشادات پروردگار کے احکام ہوتے ہیں۔ پھر جو معجزہ تم نے مانگا وہ بھی ظاہر ہو گیا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ یہ ہے اللہ کی اونٹنی جو تمہارے نزدیک ناممکن ترین کام تھا وہ بھی ہو گیا۔ اب یہ کرو وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ اب اسے ایذا نہ پہنچانا۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے اس اونٹنی کو تکلیف ہو۔ اگر ایسا ہوا فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ اگر اس اونٹنی کو تم نے کوئی رنج پہنچایا تو تمہیں بڑا دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ پھر تمہیں کوئی نہیں بچا سکے گا۔ کیوں کہ یہ قانون فطرت رہا ہے کہ جو معجزہ لوگ طلب کرتے ہیں جب وہ ظاہر ہو جائے اور وہ نہ مانیں تو تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی رعایت نہیں رہتی۔ انبیاء کرام کے بے شمار معجزات ہیں جو از خود ظاہر ہوتے رہے۔ اور حضور اکرم ﷺ کے معجزات کا تو شمار ممکن نہیں لیکن جو قومیں معجزہ طلب کرتی ہیں جب اللہ کی طرف سے وہ ظاہر کر دیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ شرط یہ ہوتی ہے کہ اب نہیں مانو گے تو بچو گے نہیں۔ سو انہوں نے فرمایا اب اس اونٹنی کو کوئی تکلیف مت دینا۔ یعنی برے خیال سے چھونا بھی نہیں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم پر بہت تکلیف دہ، دردناک عذاب واقع ہوگا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ فرمایا اللہ کے احسان یاد کرو۔ انسانیت یہ ہے کہ آدمی کچھ دیر الگ بیٹھ کر سوچے کہ میں کیا تھا؟ اللہ نے مجھ پر کتنے احسان کئے۔ مجھے علم دیا، شعور دیا، ایمان دیا، بہن بھائی، ماں باپ، دنیا میں عزت مقام، مرتبہ، اولاد، گھر، کاروبار سب کچھ دیا اور میں اس کا شکر ادا کرنے کا کتنا حق ادا کر رہا ہوں۔

صوفیاء اسی کو مراقبہ کہتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو کر سوچے کہ مجھ پر اللہ کے کتنے احسان ہیں۔ یہ چیز اللہ کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ جوڑتی ہے اور جب بندہ ان چیزوں کو بھول جائے تو آوارہ ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا تم اپنی حالت پہ غور کرو۔ اللہ نے تم کو قوم عاد کے بعد زمین میں ان کا جانشین بنا دیا۔ تمہیں آباد کر دیا۔ قومِ عاد پر عذاب آیا وہ تباہ ہو گئے۔ ان کے پرخچے اڑ گئے، ان کی آبادیاں تباہ ہو گئیں، نیست و نابود کر دیئے گئے، پھر اس کے بعد تمہیں پیدا فرما دیا۔ ان کی زمینیں، ان کی جائیدادیں، ان کا مال و زر، ان کے چھوڑے ہوئے خزانے تمہیں عطا کر دیئے، تمہیں ان کا وارث بنا دیا۔ وَبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ زمین میں جہاں وہ اجڑے تھے تباہ ہوئے تھے، تمہیں اس میں آباد کر دیا۔ جہاں ویرانیاں چھا گئی تھیں اور قوم کی قوم تباہ ہو گئی تھی، اسی زمین کو تمہارے لئے پھر چشموں سے سیراب کر دیا۔ نہروں، دریاؤں، بارشوں سے سیراب کر دیا۔ ان اجاڑ جنگلوں میں تمہارے لئے باغات بنا دیئے۔ ان ویران آبادیوں میں تم نے مکان بنا لئے اور تم وارث بن گئے تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا جو بستے تھے وہ تباہ ہو گئے۔ اور تمہیں اس نے توفیق دے دی۔ جہاں نرم زمین ہوتی وہاں تم محلات بنا لیتے۔ اور تم نے بڑے بڑے عالی شان گھر بنا لئے۔ وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا اور تمہیں ایسی طاقت دی، اتنی سمجھ، اتنا شعور دیا کہ تم نے پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بہترین گھر بنا لئے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرو فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔

وہ ایک ایک فرد پر کتنا کرم فرما رہا ہے۔ ایک ایک وجود کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک ایک جہان آباد کر رکھا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ دنیا عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر ہے لیکن سائنسی انکشافات کے مطابق دنیا عالم صغیر ہے اور انسان کا وجود عالم کبیر ہے۔ اگر دنیا کی آبادی چھ کھرب ہے تو ایک انسانی وجود میں دس کھرب سیل ہیں ان میں سے ہر آن کتنے ختم ہو جاتے ہیں اور کتنے پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ خالق کل، قادر مطلق ہر آن ہر سیل کی پرورش کر رہا ہے اور اس کی موت کا نظام چلا رہا ہے اس موت و حیات کے سبب ایک وجود میں وہ کتنی تبدیلیاں لاتا ہے اور کس اندازے سے وہ ہر وجود کی نشوونما، تربیت اور پرورش سے کہاں کہاں اور کن بلندیوں تک پہنچاتا ہے اور پھر کس طرح موت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ لہٰذا زمین میں فساد نہ کرو وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ اس کی زمین پہ فساد نہ پھیلاؤ۔

زمین میں فساد کیسے ہوتا ہے؟

قرآن حکیم میں دوسری جگہ اللہ کریم فرماتے ہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

اَیْدِی النَّاسِ الروم 41 بحر و بر میں، خشکی و تری میں، انسانوں کے کرتوتوں کے باعث، فساد پھیل گیا یعنی لوگوں کے اعمال بد کے باعث زمین پر زلزلے آتے ہیں۔ پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔ زمین شق ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک میزبان آنے والے مہمان کے لئے بہت اہتمام کرتا ہے۔ طرح طرح کے کھانے، نفیس برتنوں میں پیش کرتا ہے، خوب صورت اور آرام دہ نشستوں پر بٹھاتا ہے۔ ہر طرح کی آسائش مہیا کرتا ہے تاکہ ہر مہمان اپنے اپنے برتن میں اپنی پسند کا اپنے حصے کا کھانا لے اور آرام سے بیٹھ کر کھائے لیکن اگر مہمان چھینا جھپٹی کریں، بدتمیزی کا مظاہرہ کریں، دوسروں کو پریشان کریں تو مہمان کیا کہے گا؟

اللہ کریم نے بھی دنیا کو انسان کا مہمان خانہ بنایا ہے۔ اس عارضی زندگی کے لئے بھی بڑی خوبصورت دنیا بنائی ہے۔ بڑی خوبصورتی سے سجائی ہے۔ ہر چیز استعمال کے لئے بنائی ہے۔ کسی چیز سے منع نہیں فرمایا۔ اجازت دی ہے کہ اچھا گھر بناؤ، اچھی سواری رکھو، اچھا لباس پہنو، اچھا کھاؤ لیکن حلال کماؤ، حرام نہ کماؤ، چھینا جھپٹی نہ کرو کسی دوسرے کا حق نہ لو، دھوکہ نہ دو، جھوٹ نہ بولو، سچی بات کہو، اپنے ربّ سے تعلق قائم رکھو، اسے مت بھولو جس نے یہ ساری نعمتیں دی ہیں۔ اگر یہ نہیں کرو گے اسے بھول جاؤ گے اس کے احکام کے بغیر زندگی گزارو گے تو اس دنیا کے نظام میں فساد پیدا کرو گے۔ ساری میزبانی غارت کر دو گے تو تمہارا میزبان کیا کہے گا؟

دوسری جگہ ارشاد فرمایا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا البقرہ:29 میں نے ساری کی ساری زمین تمہارے لئے پیدا کی ہے۔ اے انسانو! اسے میں نے تمہاری خدمت پہ لگا دیا ہے۔ جانور، پرندے، نباتات، جمادات سب تمہارے خادم بنا دیئے ہیں۔ کسی جانور کا گوشت کھاتے ہو، کسی پر سواری کرتے ہو، کسی کی کھال سے اپنے لئے استعمال کی چیزیں بناتے ہو تو جس نے ہر چیز تمہاری خادم بنا دی ہے اس کا احسان مانو اور اس کی زمین پر فساد نہ پھیلاؤ۔

انسانوں کے تمام اعمال کا اثر تین طرح سے ہوتا ہے۔ ایک اثر سیدھا ہمارے دل پر آتا ہے، اگر عمل اچھا ہو تو دل میں روشنی آتی ہے۔ کام برا ہو تو دل پر زنگ آتا ہے۔ دوسرا اثر ہمارے گھر والوں پر، خاندان پر اور معاشرے پر آتا ہے۔ ہم جھوٹ بولتے ہیں تو بچے بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر نیک کام کریں تو اس کا اثر اولاد پر آتا ہے۔ انہیں نیکی کی ترغیب ملتی ہے۔ اسی لئے جن لوگوں کو فکر ہوتی ہے کہ ان کے بچے نیک ہو جائیں ان کے لئے ازحد لازم ہے کہ وہ پہلے خود نیک ہو جائیں۔ بچے والدین اور بڑوں کو

دیکھتے ہیں، پہلے خود کو نیک بنانے کا اہتمام کریں۔ خود نیک ہو جائیں تو اللہ کرے گا بچے بھی نیک ہو جائیں گے۔ والدین کی نیکی کا اثر ان تک بھی پہنچے گا۔

تیسرا اثر پوری کائنات تک جاتا ہے۔ روئے زمین کو متاثر کرتا ہے۔ آب و ہوا متاثر ہوتی ہے زمین کی روئیدگی، بادل بارش متاثر ہوتے ہیں تو انسان کو ہر جملہ سوچ کر کہنا چاہئے۔ ہر بات لکھی جا رہی ہے۔ میدان حشر میں سامنے کر دی جائے گی اور بارگاہ الٰہی میں ہر عمل پیش ہوگا تو وہاں پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے ساتھ جو ظلم کیا سو کیا اس کائنات میں فساد پھیلانے کا تمہیں کیا حق تھا؟

کائنات کی تباہی یا اسے سنوارنے میں ہر فرد کا حصہ ہے۔ خواہ تھوڑا ہے یا زیادہ۔ اگر وہ نیکی کرتا ہے تو کائنات کو سنوارنے میں اس کا حصہ ہے۔ اللہ کریم اس کے اس عمل کو قبول فرما کر شاید معاف فرما دے اور اگر برائی کرتا ہے تو اس کی تباہی میں حصہ دار ہے۔

تو صالح ؑ نے فرمایا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۝ اے میری قوم! اللہ کی بنائی ہوئی خوبصورت کائنات کو تباہ کرنے کا سبب نہ بنو۔

حضرت صالح ؑ کا ذکر خیر چل رہا ہ کہ جب آپؑ نے قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کرائے تو ان کی قوم کے متکبرین امراء کا روّیہ یہ تھا قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قوم کے وہ دولت مند جو تکبر میں گرفتار تھے ان غریب لوگوں سے جنہیں نور ایمان نصیب ہو گیا تھا کہنے لگے، تم جانتے ہو کہ صالح ؑ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں؟ واقعی پروردگار عالم نے انہیں نبیؑ، رسولؑ، پیغمبرؑ بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تم جانتے ہو؟ یہ جملہ استفہامیہ ہے۔ ان کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ دولت تو ہمارے پاس ہے ہم عقل مند، پڑھے لکھے، دانشور اور بڑے لوگ ہیں۔ تم ان پڑھ، غریب، کسان، مزدور قسم کے لوگ ہو تو جس بات کو ہم نہیں سمجھ سکے تم نے کیسے سمجھ لیا، تم تو غلطی کر رہے ہو۔ اگر یہ بات سچی ہوتی تو ہم، تم سے زیادہ دانش مند لوگ ہیں ہم پہلے سمجھ لیتے۔

ان صاحب ایمان لوگوں نے بغیر کسی بحث میں پڑے بڑا سادہ سا جواب دیا۔ انہوں نے کہا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝ جو پیغام صالح ؑ کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس پر تہ دل سے ایمان لے آئے ہیں۔ ہم نے اس کو مان لیا ہے۔ تم اس بات کو پسند کرو یا نہ کرو ہم نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ ہم اس پر ایمان

لے آئے ہیں۔ہم صالحؑ کو اللہ کا نبیؑ، پیغمبرؑ سمجھتے ہیں۔وہ جو بات بتاتے ہیں اللہ کا حکم بتاتے ہیں۔ہم نے اپنے مالک کا حکم مان لیا ہے۔اس کے نبیؑ کو اور اس کے پیغام کو تسلیم کر لیا ہے۔ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴿۷۶﴾ انہوں نے کہا تم تو نرے جاہل اور لکیر کے فقیر لوگ ہو۔جس بات کو تم مان رہے ہو ہم تو اس کا صریح انکار کرتے ہیں۔اس انکار کا بڑا سبب تکبر ہے۔بندے میں جب اتنا تکبر آ جائے کہ وہ عظمت الٰہی کو بھی ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوتا ہو، وہ خود کو ہی بڑا سمجھے کہ میں ہی بڑا ہوں کوئی دوسرا مجھ سے بڑا کیوں ہو؟ اسے کفر جحودی کہتے ہیں۔کفر جحودی یہ ہے کہ بندہ اس بات کو سچ سمجھتا ہو لیکن اس لئے نہ مانے کہ اس طرح اس کی وہ شان نہ رہے گی اور کلمہ ایمان پڑھ لینے کے بعد کلمہ کو تسلیم کر لینے کے بعد بندے کے لئے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی غلامی کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوتا۔بندے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں رہتی تو وہ متکبرین بھی اپنی حیثیت کو اللہ کے مقابلے میں بڑا سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے ایمان والوں سے کہا کہ جو بات تم تسلیم کرتے ہو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

امارت اور غربت دونوں امتحان ہیں:

دنیا میں انسان کی آزمائش دونوں طرح سے کی جاتی ہے۔رزق اللہ کریم کی اپنی تقسیم ہے۔مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ کریم نے تقسیم فرما دیا تھا کہ کس کو کتنا رزق دینا ہے۔اگر کسی کو زیادہ رزق دیتا ہے تو اس کی یہ آزمائش ہے کہ کیا وہ اس فراخی میں، دولت کے نشے میں، اللہ کی عظمت کو یاد رکھتا ہے یا بھول جاتا ہے۔اس کی نافرمانی کرتا ہے یا فرماں برداری کرتا ہے۔دولت کے ساتھ اقتدار میں شراکت بھی آ جاتی ہے۔دولت مندوں کو لوگ پکڑ پکڑ کر اپنے ساتھ ملاتے ہیں، عہدے دیتے ہیں، ہر بندہ ان کی خوشامد کر کے انہیں فرعون بنا دیتا ہے۔پھر ان میں یہ گھمنڈ آ جاتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت تو انہیں ان کی لیاقت اور قابلیت کی وجہ سے ملی ہے۔جس طرح قارون نے کہا تھا اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ القصص:78 میرے اپنے علم اور میری ہنر مندی سے میرے پاس اتنی دولت ہے۔اسی طرح متکبر یہی سمجھتے ہیں کہ ہر بات کی ہمیں ہی سمجھ ہے دوسروں میں تو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں۔دولت ایسا سخت امتحان ہے کہ اس سے وہ بہت کچھ خرید سکتا ہے اور بہت سے گناہوں میں ملوث ہونا دولت مند ہونے کے باعث آسان ہے۔دولت مندی کے ساتھ اختیارات بھی آ جاتے ہیں یا صاحب اختیار دولت مندوں کی بات کو اہمیت دیتے ہیں۔بندہ پھر یوں سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا اس کے دم قدم سے قائم ہے۔اس جیسا عظیم فرد تو کوئی اور نہیں ہے۔اور یوں دولت تکبر میں مبتلا کر

دیتی ہے۔

بعض لوگوں پہ روزی تنگ ہو جاتی ہے وہ اسی پہ گزارہ کرتے ہیں، یہ بلاشبہ بہت بڑا اور سخت امتحان ہے کہ آدمی کو صحیح کھانا نہ ملے صحیح لباس نہ ملے، اس کے بچے بیمار ہوں اور علاج کے لئے پیسے نہ ہوں۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے دین پر قائم رہنا واقعی مشکل کام ہے۔ لیکن مفلسی اور غربت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ بہت سے گناہوں سے بچا رہتا ہے۔ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ غریب چاہے بھی تو نہیں کر سکتا۔

درست روّیہ:

دولت کے ساتھ اگر عجز رہے، اپنے بندہ ہونے کا احساس رہے۔ دوسروں کی اہمیت کا بھی احساس رہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ ایسا دولت مند دولت کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق کماتا اور خرچ کرتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں ہر ایک کو اس کا حق از خود ملتا رہتا ہے۔

غربت اور مفلسی میں بندہ اللہ کے در پہ ہی رہے، دوسروں کے در پر دھکے نہ کھاتا پھرے۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے امیدیں نہ لگائے۔ اپنی محنت، اپنا کام، اپنی ذمہ داری پوری کرے اور جو نتیجہ ربّ کی طرف سے آئے اس پر راضی رہے۔ دعا کرنے اور اللہ ہی پر توکل کرے۔ اللہ کے وعدے پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب کی زندگی میں ایام بدل بدل کر لاتے ہیں تا کہ انسانوں کی ہر طرح آزمائش کی جائے۔

حضرت صالحؑ کے امراء کی آزمائش کی گئی تو ان متکبرین نے پہلے تو زبانی انکار کیا پھر اس اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اسے مار ڈالا اور اپنے پروردگار سے بغاوت کی۔

اللہ تعالیٰ کا کرم بے پایاں:

اللہ بہت کریم ہے، ہمارے اندازے اور ہمارے علم سے زیادہ کریم ہے۔ اللہ نے اپنا پیغمبر بھیجا، حضرت صالحؑ کو بھیجا پھر ان کی قوم کا منہ مانگا معجزہ انہیں دکھایا اور شرط یہ لگائی کہ مجھے مانو یا نہ مانو لیکن میری اس اونٹنی کو نہ چھیڑنا میں تمہیں مہلت دیئے رکھوں گا۔ تمہیں رزق بھی دوں گا، اولاد بھی دوں گا، مال و دولت بھی تمہارا نہیں چھینوں گا۔ تمہاری صحت بھی نہیں چھینوں گا۔ جو موج کر رہے ہو کرتے رہو۔ آخر ایک دن تم نے میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہاں آ کے حساب ہو جائے گا کہ میں نے کتنے احسانات کئے تم نے میرا کتنا شکر ادا کیا۔ نہیں کرو گے تو سزا پاؤ گے لیکن دنیا میں تم پر گرفت نہیں ہو گی۔ واقعہ ہے کہ وہ اونٹنی جنگل میں چرتی تھی ایک چشمہ یا تالاب تھا جہاں سے اس بستی کے سارے مویشی سیراب ہوتے تھے انہوں نے پانی پلانے

کے لئے باریاں مقرر کر رکھی تھیں۔ ایک دن تو ان سب کے مویشی اور ریوڑ پانی پیتے دوسرے دن اونٹنی کی باری ہوتی تھی۔ اللہ کی شان وہ تھا ہی معجزہ، وہ جب آتی تو سارا پانی پی جاتی تھی۔ یعنی دوسرے دن جس دن اونٹنی کی باری ہوتی تو ان کے کسی مویشی، کسی ریوڑ یا بھیڑ بکری یا ان کے لئے اس میں پانی نہیں بچتا تھا۔ وہ سارا پی جاتی، وہ تھا ہی ایک معجزہ وہ نارمل بات تو تھی نہیں۔ تو وہ کہنے لگے ہمارے جانور ایک دن پیاسے رہتے ہیں۔ یہ کوئی بلا ہے کہ سارا تالاب پی جاتی ہے۔ سارا چشمہ چٹ کر جاتی ہے۔ اس طرح تو گزارا نہیں ہوگا لہٰذا اسے مار ڈالنا چاہئے۔ وہ بہت عظیم الجثہ تھی لیکن اونٹ کی ٹانگیں تو پتلی پتلی ہوتی ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کی کونچیں کاٹ ڈالو۔ جب گر جائے گی تو تلوار سے پیٹ پھاڑ دینا، گردن کاٹ دینا۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ کر کے یہ کر ڈالا **فَعَقَرُوا النَّاقَةَ**۔

اللہ اتنا کریم ہے۔ اللہ نے فرمایا مجھے نہ مانو، ناشکری کرتے رہو تمہیں پھر بھی مہلت ملتی رہے گی لیکن میری اونٹنی کو نہ چھیڑنا۔ یہ تمہارے پاس میری ضمانت ہے کہ جب تک یہ تم میں موجود رہے گی تم پر عذاب نہیں آئے گا۔ سوچنا چاہیے کہ اگر اس اونٹنی میں اتنی برکت ہے تو صالحؑ میں جو اللہ کے رسولؑ اور پیغمبرؑ تھے ان میں کتنی برکت ہوگی؟ اگر انہیں پریشان نہ کرتے، انہیں آرام سے رہنے دیتے، نہ مانتے لیکن ان کے کام میں روڑے نہ اٹکاتے، رکاوٹ نہ بنتے تو اللہ کے عذاب سے بچ جاتے۔ تو اس کا مطلب ہے اللہ کے نیک بندوں کی برکت تو ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے مصیبتیں ٹلتی ہیں لیکن یہ ان کی ذاتی نہیں ہوتیں یہ اللہ کا کرم ہوتا ہے۔ اللہ انہیں سبب بنا دیتا ہے۔ تو ہمیں چاہیے کہ اللہ کے نیک لوگوں کے ساتھ رہیں۔ ساتھ رہنے میں بہت سی حفاظتیں ہوتی ہیں۔

بہر حال انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں **وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ** اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور پھر طنز کیا۔ کہنے لگے لو اب ہم نے اونٹنی مار ڈالی ہے۔ صالحؑ سے کہنے لگے آپ فرماتے تھے کہ اگر اونٹنی کو مار دو گے تو تم پر عذاب آ جائے گا۔ لو ہم نے اونٹنی مار دی **وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ** اگر تم سچے رسولؑ ہو تو پھر وہ عذاب لے آؤ جس کے وعدے کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اونٹنی کی وجہ سے تم سے عذاب ٹلا ہوا ہے۔ اسے نہ چھیڑنا۔ چنانچہ انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا پہلے اس کی ٹانگیں کاٹ دیں پھر قتل کر دیا پھر کہنے لگے کہ اے صالحؑ اگر تم اللہ کے سچے رسول ہو تو جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ لے آؤ ہم بھی دیکھیں گے وہ کیا بلا ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں **فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ** ہم نے ایک زلزلہ

بھیج دیا۔ ایک طوفان تھا جس نے زمین کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایک چنگھاڑ تھی۔ پہاڑ پھٹ گئے، زمین ہلنے لگ گئی، مکان گر گئے، پہاڑوں میں بنے ہوئے مکان تباہ ہو گئے اور ہر چیز کو اس نے اس طرح کر دیا فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴿۷۹﴾ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے۔ کسی کو کوئی سیدھا کرنے والا نہیں تھا۔ کوئی نہیں تھا کہ ان کی میتیں سیدھی بھی کر دے۔ زلزلے نے تباہ و برباد کر دیئے فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ صالحؑ نے ان سے رخ پھیر لیا وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ انہوں نے کہا اے میری قوم میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہیں بہت نصیحتیں کیں وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴿۷۹﴾ لیکن تم نصیحت کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

جب لوگوں میں بڑائی آ جاتی ہے تو وہ بھلی بات سننا پسند نہیں کرتے اور جو لوگ ان کے ارد گرد ہوتے ہیں وہ پھر خوشامدی بن جاتے ہیں۔ جو انہیں پسند ہو ویسی بات کرتے ہیں جب وہ غلط کر رہے ہوں اور اگر کوئی انہیں کہہ دے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ اسے دربار سے نکال دیا جاتا ہے ان کے گرد خوشامدیوں کا حلقہ بن جاتا ہے جو بالآخر ان کی تباہی پر ختم ہو جاتا ہے۔ انہیں چھوڑ کے چلا جاتا ہے۔ تو صالحؑ نے ان سے رُخِ انور پھیر لیا اور فرمایا اے میری قوم میں نے تمہیں اللہ کے پیغام پہنچائے اور بہت نصیحتیں کیں لیکن تم ایسے بدنصیب ہو کہ تم خوشامد پسند کرتے ہو نصیحت کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴿۸۰﴾

چنانچہ لوطؑ نے انہیں فرمایا اس قسم کی فحاشی تو دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ تم عجیب لوگ ہو ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی کہ دنیا میں کسی نے ایسی برائی جیسا فحش کام کیا ہو اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ تم خواتین کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ اور مردوں کے ساتھ برائی کرتے ہو کیسی عجیب بات ہے۔ غیر فطری کام کرتے ہو بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ﴿۸۱﴾ تم حدِ انسانیت سے بہت گزر گئے ہو۔ بلکہ حیوان بھی ایسا نہیں کرتے۔ تم تو حیوانوں سے بھی بدتر ہو گئے ہو وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾ ان لوگوں نے اپنی بے حیائی اور برائی پر شرمندہ ہونے کی بجائے ڈھٹائی سے یہ جواب دیا کہ انہیں اپنے ملک سے نکال دو اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ان کو نکال باہر کرو اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ﴿۸۲﴾ یہ بڑے پاک صاف بنتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا پاکباز سمجھتے ہیں اور ہمیں سمجھتے ہیں کہ ہم غلط کام کر رہے ہیں تو ان کا علاج یہ ہے کہ انہیں شہر سے نکال باہر کرو۔

فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر ان پر عذاب آیا۔ اور جب عذاب آ گیا تو پوری قوم میں سے فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ ان کے پیروکاروں کو اور ان کے متعین کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے اِلَّا امْرَاَتَهٗ

دلی تعلق کے بغیر ساتھ رہنا مفید نہیں:

عجیب بات ہے ایک تو ان کی بیوی بھی تھی اسی شہر کی رہنے والی تھی۔ اس کے میکے اور رشتہ داریاں بھی تھیں۔ دوسرے وہ بیوی تو اللہ کے نبیؑ کی تھیں لیکن ان کا رجحان اور ان کی رغبت اور ان کا تعلق اپنی قوم اور اپنے میکے سے زیادہ تھا اور ان کی وکالت کرتی تھیں۔ رہتی نبیؑ کے گھر میں تھیں، کھاتی نبیؑ کے گھر سے تھیں، عمر نبیؑ کے ساتھ بسر کی لیکن دلی تعلق جو تھا وہ اپنے پچھلے خاندان اور بستی والوں سے رکھا اور ان کے کردار میں بھی اس سے تعاون کرتی تھیں۔ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ صرف پاس رہنے سے بات نہیں بنتی جب تک تعلق قلبی استوار نہ ہو۔ دلی تعلق تو اس کا کفار کے ساتھ تھا تو فرمایا ہم نے اپنے نبیؑ کو بھی بچا لیا اور ان لوگوں کو بھی وَاَهْلَهٗٓ اور ان کے متعلقین جو ان کے خاندان سے تھے اور جو ان کی اولاد تھی یا جو لوگ ان کی پیروی کرتے تھے جو ان کے متعلقین تھے وہ سب جو آپؑ کی پیروی کرتے تھے ان کو ہم نے بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے جو ان کے گھر رہتی تھی۔ سب سے قریبی رشتہ بیوی سے ہوتا ہے لیکن یہ رشتے اور نسبی رشتے دنیا کے لئے ہیں۔ دنیا کا نظام قائم رکھنے کے لئے ہیں۔ اصل رشتہ ایمان کا ہے، اصل رشتہ دل کا ہے، روح کا ہے، اگر کسی کا دل کسی کے ساتھ نہیں ملتا تو اس کا کوئی رشتہ نہیں جیسے نوحؑ کا سگا بیٹا تھا جب طوفان آیا، آپؑ نے اسے بلایا بھی کہ آؤ کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ وہ کہنے لگا نہیں میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ ہود: 43 یہ مجھے پانی سے بچا لے گا قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ ہود: 43 فرمایا آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔ اتنے میں موج آئی اور فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ اسے لے گئی وہ غرق ہو گیا۔ تو نوحؑ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ تیرا وعدہ تھا کہ میری اولاد میرے اہل خانہ اور میرے متبعین کو آپ بچا لیں گے رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ ہود: 45 یہ سگا بیٹا تو میرے خاندان میں سے ہے اور آپ کے وعدے تو ہمیشہ سچے ہوتے ہیں۔ فرمایا اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اللہ کریم نے جواب دیا۔ فرمایا اس کا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ وہ آپ کے خاندان سے نہیں ہے۔ وہ آپ کی اولاد نہیں ہے۔ اگرچہ سگا بیٹا ہے۔ فرمایا وہ آپ کا کچھ نہیں لگتا۔ وجہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۫ اس کے کام برے ہیں اب جو برائی کرتا ہے اس کا اللہ کے نبیؑ سے کیا رشتہ۔ یہ آپؑ اندازہ کریں کہ نبیؑ سے رشتہ دلی محبت کا اور عملی اطاعت کا ہے اور دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ جس کو دلی محبت ہوتی ہے وہ اطاعت کرتا ہے

اور جو اطاعت نہیں کرتا اور محبت پیغمبر ؐ کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے ۔ اسے محبت نہیں ہے ۔ اس نے کوئی آڑ بنا رکھی ہے ۔فان المجیب لمن یحب مطیع محبت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ جو جس شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کی بات نہیں ٹالتا وہ اس کی ہر بات مانتا ہے یہ محبت کا تقاضا ہے ۔محبت اطاعت کو چاہتی ہے ۔تو اللہ نے فرمایا وہ آپ کا بیٹا نہیں ہے حالانکہ سگا بیٹا تھا ۔تو فرمایا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ گو وہ آپ کے نسب سے ہے ۔آپ کے صلب سے ہے لیکن اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ ہود:46 اس کے کام برے ہیں ۔وہ بدکاروں کے ساتھ گناہ میں شرکت کرتا ہے ۔تو آپ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔تو اس کا مطلب ہے انبیاءؑ سے صلحاء سے ، نیک لوگوں سے رشتہ دلی محبت اور عملی اطاعت کا ہے ۔ جو عملاً نیکی نہیں کرتا ۔ اگر وہ دعویٰ بھی محبت کا کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے ۔ چونکہ محبت اطاعت کو چاہتی ہے ۔آپ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے خلاف کام نہیں کرسکتے ۔اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ۔تو یہ خاتون بھی بیوی تو لوطؑ کی تھی لیکن انہیں محبت بدکاروں سے تھی ۔

قرآن کریم میں فرعون کی بیوی کا ذکر ملتا ہے کہ اس کی عمر تو فرعون کے ساتھ بسر ہوئی تھی لیکن جب موسیٰ ؑ کو دریا سے نکالا ، انہوں نے پکڑا تو تب بھی اس نے کہا بہت پیارا بچہ ہے لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اسے قتل مت کراؤ ۔ ہوسکتا ہے اس سے ہمیں فائدہ ہو اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا القصص:9 یا اس کو اپنا بیٹا بنا لیں ۔تو اسے موسیٰ ؑ سے محبت ہوگئی ۔ موسیٰ ؑ نے اس کے گھر میں پرورش پائی ۔ بالآخر موسیٰ ؑ چلے گئے جب واپس آئے اور نبوت کا اعلان فرمایا تو اس نے مان لیا ۔فرعون نے کہا عجیب بات ہے کہ تو نے ساری عمر میرے ساتھ بسر کی اور مصر کی ملکہ بن کر خوب عیش کرتی رہی ۔ دنیا کو تو نے اپنے قدموں کے نیچے رکھا اور آج موسیٰ ؑ کی بات مانتی ہو؟ پھر فرعون نے حکم دیا کہ اسے میخیں گاڑ کر اور ہاتھ پاؤں باندھ کر زمین پہ لٹا دو اور خوب مارو ۔گرم سلاخوں سے داغو ۔تو اس پاکباز خاتون نے اللہ کریم سے بات کی اور عجیب بات کی کہنے لگیں رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ یا اللہ میرے لئے جنت میں گھر بنا جو تیرے پاس اور تیرے قریب ہو ۔ یعنی صرف جنت نہیں تیرا قرب بھی درکار ہے ۔ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اے اللہ میرے لئے اپنے قریب تر اپنی خاص جنت میں ایک گھر بناؤ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ التحریم :11 اللہ میں ایک کمزور خاتون ہوں ۔فرعون بڑا ظالم ہے ۔ مجھے اس کے مظالم سے بھی نجات دے ۔ یعنی یہ سزائیں بھی مجھ سے برداشت نہ ہوں گی ۔اس سے پیشتر کہ یہ میرے ہاتھ پاؤں میں میخیں گاڑے اور مجھے زمین پر لٹائے اور مجھے کوڑے سے مارے تو اللہ مجھے اس سے بچالے ۔ میں کمزور ہوں ۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا اور میرے لئے جنت میں اپنے قریب تر میرا گھر بنا ۔مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس کی روح قبض ہونے سے پیشتر اللہ نے

اسے جنت میں اس کا گھر دکھا دیا تھا اور فرعون کی سزا دینے سے پہلے اس کی روح قبض فرمالی۔ اس دنیاوی سزا سے بھی بچا لیا۔ آخرت کی بات بھی پوری کر دی اور نبی کریم علیہ السلام کے ارشاد میں ملتا ہے کہ جنت میں میری بیویوں میں وہ خاتون بھی شامل ہوں گی۔ اب اس سے بڑا مقام کسی خاتون کے لئے دونوں جہانوں میں اور کیا ہوسکتا ہے۔ عمر اس کی فرعون کے ساتھ بسر ہوئی محبت موسیٰ سے تھی۔ اور لوطؑ کی بیوی کی عمر لوطؑ کے ساتھ بسر ہوئی محبت بدکاروں سے تھی۔ تو جدھر دل تھا ادھر اللہ کریم نے ان کو روانہ کر دیا۔ جس طرف جس کا دل تھا۔ تو ہمیں چاہیے اپنے دل کی گہرائی سے محمد رسول اللہ علیہ السلام سے محبت کریں۔ اللہ کے نبیؐ سے پیار کریں۔ اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ فرمایا فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ان کو، ان کے گھر والوں کو، ان کے متبعین کو بچا لیا گیا۔ ان بستیوں پر عجیب عذاب آیا۔ ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ انہیں تباہ کر دیا گیا۔ ساتویں زمین تک اس خطۂ زمین کو اکھاڑ کر واپس دے مارا۔ تفاسیر میں ملتا ہے کہ جبرائیل امین نے گزارش کی یا رسول اللہ علیہ السلام میں انہیں آسمان کے اتنے قریب لے گیا تھا جتنے میں مرغوں کے بولنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یعنی اتنا فاصلہ رہ گیا تھا آسمان سے جتنے فاصلے سے مرغ کی اذان سنائی دیتی ہے۔ پھر اللہ کے حکم سے میں نے اس بستی کو الٹ کر پھینک دیا۔ وہ نیچے چلے گئے اور نیچے والی تہہ جو تھی وہ اوپر آ گئی۔ اور جہاں ان کی بستیاں تھیں وہ تباہی کا نشان بن گئی۔

ان کے مرکزی شہر کا نام صدوم تھا۔ چار پانچ شہر تھے۔ وہ سارے ایسے غرق ہوئے کہ وہاں ایک گڑھا بن گیا۔ اب اس گڑھے میں پانی جمع رہتا ہے۔ لیکن وہ پانی ایسا ہے کہ آج بھی اس میں کوئی چیز زندہ نہیں رہتی۔ کوئی آبی جانور، کوئی پرندہ، نہ زندہ ہے اور نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ آج بھی وہ موت ہی کا منظر پیش کرتا ہے۔ بلکہ جو دریا اس میں گرتے ہیں ان میں جو مچھلیاں بہتی ہوئی آتی ہیں جب اس میں گرتی ہیں تو وہ بھی مر جاتی ہیں۔ اس پانی میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ سو فرمایا ایک ان کی بیوی کو چھوڑ دیا كَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ﴿۸۳﴾ جو پیچھے رہ جانے والے تھے جن پر عذاب ہوا۔ اس کا شمار ان میں تھا وہ ان میں رہ گئی۔ وَاَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ان پر ہم نے ایک عجیب طرح کا مینہ برسایا۔ عموماً جو مینہ برستا ہے اس میں رحمت ہوتی ہے پانی ہوتا ہے۔ فرمایا اس پر ہم نے ایک نئی طرح کی بارش برسائی آسمان سے پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴿۸۴﴾ سو اے مخاطب دیکھ لے کہ جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴿۸۴﴾ اے مخاطب دیکھ لے جو لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں جرم کرتے ہیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ دیکھ لے۔

سورۃ الاعراف رکوع 11 آیات 85 تا 87

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِىْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو (بھیجا) انہوں نے فرمایا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آچکی ہے پس تم ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں درستگی کے بعد خرابی پیدا نہ کرو اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔﴿۸۵﴾ اور ہر راستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو اللہ کے ساتھ ایمان لاتا ہے اسے تم ڈراتے ہو اور روکتے ہو اور اس میں کجی (ٹیڑھاپن) تلاش کرتے ہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا اور دیکھو فساد کرنے والوں کا کیسا انجام

ہوا۔﴿۸۶﴾اور اگر تم میں سے کچھ لوگ اس بات پر ایمان لے آئے ہیں جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور کچھ لوگ ایمان نہیں لائے تو ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دیں وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔﴿۸۷﴾

خلاصہ رکوع

اللہ کی توحید نبیؑ کی رسالت اور احکام الٰہی کا انکار کرنے والوں کے عبرتناک انجام کا تسلسل سے ذکر چل رہا ہے۔اسی بارے ارشاد فرمایا، مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو مبعوث فرمایا۔انہوں نے بھی قوم کو وہی پیغام پہنچایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ میں تمہارے پاس اللہ کی واضح دلیل اس کی شریعت لایا ہوں تو تم ماپ تول پورا کرو۔دنیا کو اللہ کریم نے نہایت موزوں بنایا ہے۔اس میں لوگوں کے حقوق ضائع کر کے فساد پیدا نہ کرو۔اور یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

راستوں پر اس طرح مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکو اور اللہ کے دین سے بہکاؤ۔تم دین میں کجی تلاش کرتے ہو۔ایسے فضول اعتراضات کرتے ہو جن کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔اور فرمایا اس وقت کو یاد کرو جب تم چھوٹی سی جماعت تھے پھر اللہ نے تمہیں مال واولاد عطا فرمایا حتیٰ کہ تم طاقتور ترین قوم بن گئے۔ اور یاد رکھو بندہ جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو پھر اس پر عذاب بھی آتا ہے۔دیکھو جنہوں نے زمین پر فساد برپا کیا ان کا انجام بھی دیکھ لو۔

بے شک تم میں سے بعض نے اس چیز کو مانا جو مجھے دے کر بھیجا گیا اور ایک طبقہ ایسا ہے جو ایمان نہیں لایا تو اپنی اپنی جگہ اپنا کام کرتے رہو اور صبر کرو یہ معاملہ ربّ العالمین کے ساتھ ہے اس وقت تک صبر کرو جب اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔بے شک وہ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے۔

تفسیر ومعارف

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ اسی طرح مدین کی طرف ان کے قومی بھائی شعیبؑ کو مبعوث فرمایا۔وہ ان کے قومی بھائی تھے۔ان کی قوم میں سے تھے۔ہم نے انہیں نبوت اور پیغمبری سے سرفراز فرمایا۔ان پر وحی کی اور انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو میری طرف سے پیغام پہنچائیں اور انہوں نے بھی وہی

پیغام قوم کو پہنچایا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو۔ صرف اللہ کریم سے امیدیں وابستہ کرو۔ صرف اس کے عذاب سے، اس کی ناراضگی سے ڈرو۔ جن کاموں کے کرنے کا وہ حکم دیتا ہے وہ کرو، جن کاموں کے نہ کرنے کا حکم دیتا ہے وہ چھوڑ دو۔ اللہ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ کوئی اس کی مثل نہیں۔ اس کی مثال نہیں۔ اس کے نظام میں کسی کا کوئی حصہ نہیں لہٰذا صرف اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرو اس کے سوا تمہارے پاس کوئی چارہ ہی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جس کو پکارا جائے، جس کی عبادت کی جائے قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تو میں تمہارے پاس اللہ کا پیغمبرؑ بن کر آیا ہوں۔ اللہ کے احکام لایا ہوں۔ اللہ کی شریعت لایا ہوں۔ اس سے بڑی واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ بندے کو اللہ مخاطب کر کے اپنا پیغام دے۔ اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی ہے۔

بندہ اپنی حیثیت دیکھے۔ قرآن کریم کو پڑھیں تو کتنی دفعہ پڑھنے والے کو مخاطب کرتا ہے یاایہا الذین اے میرے وہ بندو جنہیں ایمان نصیب ہوا ہے، جو ایمان لائے ہو یہ کرو یہ نہ کرو۔ اور اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ ایک مشت غبار سے مخاطب ہو۔ بندے کی حیثیت کیا ہے؟ چند ذرات ہیں، مٹی کے انہیں مٹی سے مادہ بنایا پھر اس میں مادہ منویہ میں اسے ایک نطفے ایک قطرے میں رکھ دیا وہاں سے شکم مادر میں پہنچا۔ انسان بڑا کرّ و فر والا ہے۔ بڑا خوبصورت لباس پہنتا ہے لیکن جہاں سوئی لگے اور خون نکل آئے گا تو وہ وضو بھی توڑ دے گا اور جس کپڑے سے لگے گا وہ کپڑا بھی ناپاک کر دے گا۔ جسم کا کوئی حصہ کھول دو تو اندر سے غلاظت ہی نکلے گی۔ کیا حیثیت ہے انسان کی اور اس محتاج و بے بس کو وہ قادر و کریم پکارے، بات کرے اور فرمائے ایسا کرو ایسا نہ کرو تو یہ اس کے لئے بہت بڑا مقام ہے۔ صرف اللہ کا یاایہا الذین امنوا فرما دینا کہ اے ایمان والے بندو یہی بہت بڑا رتبہ ہے اس کے لئے کہ اللہ اس سے بات کرے۔ یہ بات شعیبؑ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ لوگو! سب سے بڑی بات اور تم کیا چاہتے ہو کہ اللہ نے مجھے اپنا پیغام پہنچانے والا، اپنا پیغمبرؑ، اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف بطور قاصد بھیجا ہے۔ لوگو تم بے بس لوگ ہو۔ وہ چاہے تو تمہیں مسل کر رکھ دے، چاہے تو ایک لمحہ ہوا بند کر دے، وہ چاہے تو پانی کو زندگی کی بجائے موت کا سبب بنا دے، وہ چاہے تو سورج اتنی گرمی برسائے کہ تم جھلس جاؤ، وہ چاہے تو اتنی ٹھنڈ پیدا کر دے کہ تم ٹھٹھر کر مر جاؤ، وہ چاہے تو سانس لیتے ہو وہ نہ چاہے تو نہیں لے سکتے۔ دل دھڑکے نہ دھڑکے تم کیا کر سکتے ہو۔ لیکن وہ اتنا کریم ہے کہ ایک کمزور مخلوق کو دعوت دے رہا ہے اس لئے کہ اس نے تمہیں شعور بخشا ہے اور اختیار دیا ہے کہ میرا شکر اختیار کرنا چاہتے ہو یا ناشکری۔ وہ اپنے اس وعدے پر قائم ہے تمہاری طرف نبیؑ بھیجا ہے شریعت بھیجی ہے۔ اس

سے بڑی دلیل کیا ہو گی؟ اور ان کی عادت تھی ناپ تول میں بے ایمانی کرتے تھے اور ڈاکے ڈالتے تھے۔ چیزیں لیتے وقت پوری لیتے، دیتے وقت تول کم کر دیتے۔ قیمت اچھی کوالٹی کی لے لی، چیز گھٹیا کوالٹی کی دے دی۔ یہ ان کی عادتیں تھیں۔ تو انہوں نے فرمایا فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ لوگو ناپ تول پورا کرو۔ جو لیتے ہو پورا لو، جو دیتے ہو پورا دو، کسی چیز کا جو معیار دکھاتے ہو وہی چیز دو۔ معیار اچھا دکھا دیا، دیتے وقت بُری چیز دے دی۔ ناپ تول میں کمی کر دی۔ فرمایا یہ بہت بری بات ہے۔ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ تو ماپ تول پورا کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں حق مارتے ہو۔ جس کام کی تنخواہ لیتے ہو وہ تمہاری ذمہ داری ہے اسے پوری کرو۔ اگر اس میں ڈنڈی مارو گے تو یہ بے ایمانی ہے۔ دیہاڑی پر کام کرتے ہو تو دیانت داری سے کام کرو۔ ڈنڈی مارو گے تو برائی ہے اشیاء فروخت کرتے وقت خریدار کو بتاؤ کہ اتنے کی چیز ہے، جتنے کی ہے اتنے کی دو۔ پھر تول میں کمی کر دیتے ہو، اسے دس کلو کہہ کر دیتے ہو، گھر جا کر تولتا ہے تو آٹھ کلو بنتی ہے۔ کیا فائدہ؟ یہ تو صریح ڈاکہ ہے اور لوگوں کے حقوق مارنے کی بات ہے۔ اس طرح نہ کرو وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا اس دنیا کو اس زمین کو اللہ کریم نے اتنا خوبصورت بنایا ہے اور اتنی خوبصورت بناوٹ کے بعد اس میں فساد پیدا نہ کرو۔ یہ معمولی بات نہیں ہے۔ اس سے پوری روئے زمین پر فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس سے لوگ تباہ ہوتے ہیں۔ اس سے زلزلے آتے ہیں۔ اس سے طوفان آجاتے ہیں۔ اس سے سیلاب آجاتے ہیں۔ اس سے پورے نظام عالم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی گناہ مل کر ایک طوفان کا سبب بن جاتے ہیں۔ اللہ نے کتنی خوبصورت دنیا بنائی ہے۔ اس میں آرام کے اسباب بنائے ہیں۔ تو اس میں فساد پیدا نہ کرو ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ یہ جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں یہ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا اگر تم میری بات پر یقین کرو تو جو کچھ میں نے کہا ہے تمہارے بھلے کے لئے ہے۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔ فرمایا وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ حضرت شعیبؑ کا واقعہ چل رہا تھا اس کے ضمن میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا مزاج عجیب ہے۔ تم راستوں پر بیٹھ جاتے ہو۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں ایمان سے بہکانے کی اور اللہ کی راہ سے روکنے کی کوشش کرتے ہو۔ ایسا مت کرو۔ تمہاری تو عادت ہو گئی ہے وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا کہ ایسے اعتراضات نکالتے ہو جو ناجائز اور ناروا ہوتے ہیں

دین تو سادہ اور آسان ہے تم اس میں ناجائز قسم کے اعتراضات نکال کر لوگوں کو دین سے بہکانے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ عادت چھوڑ دو۔ قرآن کریم نے صرف یہ واقعہ بیان نہیں فرمایا بلکہ نفسیات کا ایک

بہت بڑا اصول اس واقعہ میں سمجھ آتا ہے کہ انسانی مزاج ایسا ہے کہ وہ اپنے لئے جو کچھ پسند کر لیتا ہے۔ وہ بنیادی کام ہوں، دینی ہوں، عقیدہ وایمان ہو یا عمل ہو تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ساری دنیا ایسا ہی کرے۔ خواہ وہ خود غلط کر رہا ہو اور اسے روکیں تو بھی وہ اس بات کو ماننے کو تیار نہیں ہوتا کہ وہ غلطی کر رہا ہے۔

آج یہ برائی پھر عام ہے۔ سرکاری مال کو خُرد بُرد کرنے والے برائی پر شرمندہ ہونے کے بجائے صاف کہتے ہیں کہ جو اپنے عہدے سے فائدہ اٹھا کر لوٹ مار کے ذریعے مال جمع نہیں کر رہا وہ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے۔

یہ انسانی نفسیات ہے کہ بندہ جس برائی میں خود ملوث ہوتا ہے، چاہتا ہے کہ باقی سارے بھی ایسے ہی ہو جائیں۔ شعیبؑ کی قوم کے وہ لوگ جو آپؑ پر ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی یہی چاہتے تھے کہ ان لوگوں کو واپس کفر میں لے آئیں جو شعیبؑ پر ایمان لے آئے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے وہ جگہ جگہ راستوں پر بیٹھ جاتے اور آنے جانے والے لوگوں کو گھیر کر اللہ کے دین اور اس کے نبیؑ پر اعتراضات کرتے تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں۔ اس پر شعیبؑ نے فرمایا، راستوں پر اس لئے مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکو اور اللہ کے دین سے بہکاؤ۔ تم دین میں کجی اختیار کرتے ہو یعنی بے بنیاد اعتراضات کرتے ہو تو اس سے باز رہو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ شعیبؑ نے فرمایا یاد کرو تم چھوٹی سی قوم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں افرادی قوت عطا فرمائی اور تم ایک طاقتور ترین قوم بن گئے۔

مال واولاد اللہ کی نعمت:

مال اور اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اگر انہیں پا کر بندہ بگڑ نہ جائے، تکبر میں نہ آجائے اور اللہ کی بنائی ہوئی حدود کے اندر رہے تو یہ اللہ کا انعام ہے کہ قومیں، افراد کے ذریعے ہی طاقتور ہوتی ہیں۔ لوگ زیادہ ہوتے ہیں تو کام بھی زیادہ کرتے ہیں۔ ہر پیدا ہونے والا اپنا رزق لے کر آتا ہے اور اللہ کی زمین رزق کے وسائل سے مالا مال ہے۔ ہر پیدا ہونے والا اگر کھانے کے لئے ایک منہ لاتا ہے تو کمانے کے لئے دو ہاتھ بھی لاتا ہے۔ اس لئے محنت کر کے اپنی روزی کمانا بندے کی اپنی ذمہ داری ہے۔

اہل مغرب نے اس کلیہ کو الٹ دیا ہے کہ بچے زیادہ ہوں گے تو کہاں سے کھائیں گے؟ مسلمان کا تو عقیدہ ہے کہ جو پیدا کرتا ہے وہی رزق بھی دیتا ہے۔ مغرب کا اپنا خاندانی نظام تباہ ہو چکا ہے۔ ان کے ہاں خواتین شادی نہیں کرتیں اور بغیر شادی کے اولاد لئے پھرتی ہیں۔ کچھ اس لئے شادی نہیں کرتیں کہ بچے پالنے کی ذمہ داری نہ اٹھانا پڑے۔ یوں کسی نہ کسی وجہ سے ان کی عورتیں تو بچے پیدا کرنے سے گریزاں ہیں لیکن

وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی آبادی کم ہو جائے کہ جوں جوں مسلمانوں کی آبادی بڑے گی یہ پھیلیں گے، باہر نکلیں گے، دوسرے ممالک میں جائیں گے تو ہمارے ملکوں کی آبادی کا کثیر حصہ انہی پر مشتمل ہو جائے گا۔ اس خوف کے سبب انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر اسلامی ممالک میں وزارتیں اور محکمے بنوا دیئے ہیں تاکہ بچے پیدا ہونے میں رکاوٹ ڈالی جائے۔

اسلام نے ماں اور بچے کی صحت کے لئے اجازت دی ہے کہ جہاں ضروری ہو مثلاً عورت کی صحت ٹھیک نہیں یا بچے چھوٹے ہیں ان کی پرورش کے لئے وقت درکار ہے یا کسی وجہ سے وہ مجبور ہیں تو عارضی انتظام کروا سکتے ہیں کہ وقتی طور پر بچے پیدا نہ ہوں لیکن ہمیشہ کے لئے کسی عورت یا مرد کو بانجھ کر دینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مال و اولاد کی کثرت اللہ کا انعام ہے۔ مجبوریاں ہمیشہ تو نہیں رہتیں جب خاتون صحت مند ہو جائے، رزق میں فراخی آ جائے یا دوسرے مسائل نمٹ جائیں تو اولاد کی پیدائش ہونا ایک فطری عمل ہے۔ اسے خواہ مخواہ روکنے کی اجازت نہیں۔ کسی کو کیا خبر کہ جس بچے کو پیدائش سے روکنا چاہتے ہیں وہ پیدا ہو کر دنیا کا بڑا عالم بنے۔ سائنسدان بنے یا زندگی کے کسی اور شعبے کا ماہر بن جائے۔

شعیبؑ نے فرمایا: یاد کرو کہ تم لوگ قلیل تعداد میں تھے۔ اللہ نے تمہیں کثرت سے اولادیں دیں اور تم دنیا کی ایک طاقتور قوم بن گئے۔ تو اللہ کا احسان یاد کرو۔

یہ تو تھا نعمت کا ایجابی پہلو کہ کثرت اولاد کے کیا فوائد ہیں۔ اس کا ایک سلبی پہلو بھی ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو پھر اس پر کس کس طرح اللہ کا عذاب آتا ہے۔ فرمایا وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴿۸۶﴾ انہوں نے زمین پر فساد مچایا ان کا انجام بھی دیکھ لو۔ تم سے پہلے کتنی قومیں گزریں، قوم نوحؑ غرق ہوئی، عاد و ثمود، قوم لوط پھر فرعون اور آل فرعون یہ کتنی اقوام تھیں جنہوں نے نافرمانی کی، تکبر کیا، اپنی طاقت پر گھمنڈ کیا تو ان کا انجام کیا ہوا؟ ان کے انجام کو دیکھو اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

کوشش کا طریقہ کیا ہے؟ کیا صرف زبانی توبہ توبہ کہتے رہنا یا زبانی زبانی کہتے رہنا کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ یہی طریقہ ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ شکر اور توبہ دونوں کرنے کے کام ہیں۔ صرف کہتے رہنے کے نہیں۔ توبہ کا درست طریقہ ایسی ندامت کا ہونا ہے جو اصلاح عمل کروا لے اور شکر کا بہترین طریقہ اللہ کریم کی اطاعت کرنا ہے۔

ایک غلط روّیہ:

بجائے عمل کرنے کے سارا زور اس بات پر صرف کرنا کہ کوئی ہمارے لئے دعا کر دے تاکہ ہم نیک

نمازی ہو جائیں۔ یہ ایسا غلط روّیہ ہے جو انسان پر جمود طاری کر دیتا ہے۔ مجھے کسی نے لکھا کہ آپ میرے لئے دعا کریں میں نمازی بن جاؤں۔

میں نے اسے لکھا ہے کہ دعا کرنا اچھی بات ہے۔ دعا کرنا عبادت ہے۔ دعا کرنی چاہئے لیکن اس کے ساتھ عملاً کوشش بھی کرنی چاہئے۔

دعا کا سلیقہ:

میں نے اسے یہ بھی لکھا کہ مجھے یہ بات سمجھاؤ کہ اللہ نے تو آپ کو حکم دیا ہے کہ نماز پڑھو۔ اور آپ اس کا حکم نہیں مانتے۔ تو میں دعا کس سے کروں؟ کوئی اور ہستی بتاؤ جو اللہ سے بڑی ہے کہ میں اس سے دعا کروں کہ تمہیں نمازی بنا دے اور اگر اللہ ہی سے دعا کرنی ہے تو اللہ کریم مجھ سے فرمائیں گے کہ جب میں نے اسے کہا کہ صلوٰۃ ادا کرو وہ نہیں کرتا تو تم درمیان میں کون ہو؟ دعا عبادت ہے۔ اچھی بات ہے لیکن ہر بات کا ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ اس کا سلیقہ یہ ہے کہ پہلے اس کا حکم مانیں پھر دعا کریں کہ اللہ یہ جو میں ٹوٹی پھوٹی نمازیں پڑھتا ہوں انہیں قبول فرما، اللہ مجھے خلوص عطا کر، اللہ مجھے درد دے، لیکن کچھ کر تو سہی۔ بندہ نماز ادا نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے لئے دعا کرو کہ میں نماز پڑھوں تو سوچنا چاہئے کہ کس سے دعا کریں۔ میں نے اسے لکھا ہے کہ میں اللہ سے دعا کروں گا تو وہ فرمائے گا کہ میری مخلوق ہے، میرا بندہ ہے، میں نے اسے پیدا کیا ہے، میں اسے ساری نعمتیں دے رہا ہوں، میں نے اسے حکم دیا ہے کہ دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھو۔ میرے نبیؐ نے اسے سکھائی ہے، پڑھ کر دکھایا ہے، چودہ سو سال سے میرے بندے بتاتے چلے آرہے ہیں۔ وہ نہیں پڑھتا۔ تم کہاں کے نمبردار ہو کہ تم بیچ میں آگئے ہو کہ تم زبردستی نماز پڑھاؤ گے؟ اگر اس نے زبردستی پڑھانی ہوتی تو کوئی ایسی شرط لگا دیتا ہے کہ جو نماز نہیں پڑھے گا اس کی نظر بند ہو جائے گی۔ یا جو نماز نہیں پڑے گا اس کی سانس نہیں چلے گی تو سارے بھاگ بھاگ کر نماز پڑھتے یا جو نماز نہیں پڑھے گا اس کو رزق نہیں ملے گا، یا جو نماز نہیں پڑھتا وہ پانی نہیں پی سکے گا۔ کوئی شرط لگا دے اس کے حکم سے بندہ خاک سے انسان بنتا ہے۔ انسان سے مردہ بنتا ہے۔ کل قیامت کو پھر کھڑا ہو جائے گا۔ اس کے حکم سے بیمار ہوتا ہے۔ اس کے حکم سے صحت ملتی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جیسی چاہتا ہے کہ شکل بناتا ہے۔ جیسا چاہتا ہے قد بناتا ہے۔ جیسا چاہتا ہے شعور بناتا ہے۔ جیسا چاہتا ہے بخت بناتا ہے۔ تو اگر اس نے زبردستی پڑھانا ہوتی تو کون انکار کر سکتا؟ یہی تو انسانی عظمت ہے کہ انسان کو اللہ نے فہم و شعور بخشا ہے کہ حکمت الٰہی سے آشنا ہو اور پھر اللہ کا حکم مانے اور اس کی اطاعت کرے۔

صلوٰۃ ایک انعام:

کہ بندہ خاک نشین، غریب، فقیر کی جس کی کوئی بھی نہیں سنتا وہ اللہ اکبر کہہ کے ساری خدائی کو چھوڑ کے اپنا حال دل اللہ سے کہنا شروع کر دے۔ جو اس کی سنتا ہے اسے بلاتا ہے کہ آؤ آؤ میرے پاس آؤ۔ اپنا دکھ درد بیان کرو اور اپنی ضرورتیں بیان کرو اور مجھ سے باتیں کرو۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے الصلوٰۃ معراج المؤمنین او کماقال رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ تو مومنوں کی معراج ہے جس طرح معراج میں حضور اکرم ﷺ کو بالمشافہ بارگاہ الٰہی میں عرضداشت پیش کرنے کا شرف نصیب ہوا۔ صلوٰۃ اسی کا پرتو ہے۔ اس کا عکس ہے۔ انعام کا ایک ذرّہ ہے کہ ہر بندہ مومن ہاتھ باندھ کر، پاک کپڑے پہن کر، قبلہ رو ہو کر، باادب ہو کر ایک تکبیر سے ساری کائنات سے الگ ہو کر دنیا کا خیال چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ سے باتیں کر رہا ہے کہ اللہ تو بڑا پیارا ہے۔ پاک ہے۔ تو لائق تعریف ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں۔ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں، تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔ مجھے گمراہی سے بچا۔ مجھے نیکی پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اب اس کام کے لئے بھی اگر دعا کی ضرورت ہے تو کھانے کے لئے بھی دعا کیا کرو کہ میں کھانا کھالوں۔ سونے کے لئے کسی پیر فقیر کو لکھا کہ دعا کرو میں سو جاؤں۔ دنیا کے کاروبار اپنی فکر سے کرتے ہو اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لئے دعا کرواتے ہو؟ جبکہ انسان کی دنیا میں حیثیت کیا ہے؟ کون ہمیں دفتر میں گھسنے دیتا ہے۔ کون ہماری بات پر کان دھرتا ہے؟ اور وہ کائنات کا خالق و مالک، بادشاہ، ہر چیز کا مالک وہ میری بھی سنتا ہے۔ غریب فقیر کی بھی، جتنا کوئی خستہ حال ہو اس کی زیادہ سنتا ہے۔ تو اس کا کتنا کرم ہے۔ تو فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو۔ تم تھوڑے تھے، اس نے تمہیں مال و اولاد دے کر طاقتور قوم بنا دیا۔ اب دوسرا پہلو بھی دیکھ لو جنہوں نے نافرمانی کی، طاقت کے نشے میں آگئے، بعض نے اپنی خدائی کے دعوے کئے اور بعض نے بت پرستی کی، ان کا انجام کیا ہوا وہ بھی دیکھ لو۔ کس تباہی سے وہ دوچار ہوئے۔ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فرمایا یہ ٹھیک ہے تم دو حصوں میں بٹ گئے ہو۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو اس پر ایمان لے آئے ہیں جو اللہ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ اس پر ایمان لے آئے۔ ایک جماعت، ایک طائفہ، ایک طبقہ وہ ہے جس نے اس کا انکار کر دیا۔ اب اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جنہوں نے انکار کیا ہے وہ ایمان والوں کو قتل کر دیں یا جو ایمان لے آئے ہیں وہ بندوق اٹھا کر ان کے پیچھے لگ جائیں جو ایمان نہیں لائے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ معاملہ بندے کا اللہ کے ساتھ

ہے۔ اس میں کسی دہشت گردی کی، کسی قتل و غارت گری کی ضرورت نہیں ہے۔ انبیاءؑ نے بھی یہ فرمایا وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴿۱۷﴾ یٰسین: 17 ہمارے ذمے پیغام پہنچانا ہے۔ منوانے کے ہم ٹھیکیدار نہیں ہیں کہ زبردستی منوایا جائے۔ اس بات پر کسی کو قتل نہیں کیا جائے گا کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوا۔ اس کے دوسرے شرعی قاعدے ہیں۔ اگر کوئی قتل کرتا ہے تو اس کے بدلے میں قتل ہوگا۔ اگر کوئی ظلم برپا کرتا ہے تو میں اور آپ اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے حکومتی ادارے، عدالتیں ہیں۔ جس کو وہ سزائے موت دیں یا بری کریں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ ان کو بھی اللہ کے نزدیک جواب دینا ہے۔ یہ کوئی جواز نہیں کہ یہ شعیہ ہے اس کی مجلس میں بم پھینک دو۔ یہ ایک ہندو ہے اس کے مندر کو جلا دو۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اصول یہ ہے کہ جو ایمان لائے ہیں وہ اپنے نیک انجام کا انتظار کریں اور جو کافر ہیں، گناہ کر رہے ہیں، ظلم کر رہے ہیں وہ بھی دیکھیں ان کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ بے شک تم میں سے بعض نے اس چیز کو مانا جو مجھے دے کر بھیجا گیا۔ میں اللہ کا پیغمبر ہوں میں اللہ کا پیغام لایا۔ آپ لوگوں میں سے ایک طبقہ نے اسے قبول کر لیا وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا کچھ لوگ ایسے ہیں، ایک طبقہ ایسا ہے جو ایمان نہیں لایا۔ تو کیا ہوا؟ فرمایا اس کا حل یہ ہے فَاصْبِرُوْا اپنی اپنی جگہ اپنا کام کرتے رہو۔ اور صبر کرو۔ ایک دوسرے کو برداشت کرو۔ یہ معاملہ ہر ایک کا رب العالمین کے ساتھ ہے۔ جواب طلبی کا حق اس مالک کو حاصل ہے جس نے یہ سب کچھ دے رکھا ہے۔ جو دیتا کچھ نہیں وہ جواب کس چیز کا لیتا ہے؟ ایک بندے کی آپ مدد کر دیتے ہیں یا ادھار دیتے ہیں تو اس سے تو آپ پوچھ سکتے ہیں کہ بھئی میرے پیسے واپس کیوں نہیں کرتے ہو؟ جس سے آپ کا لین دین ہی نہیں ہے اس سے پوچھنے آپ کیوں جائیں گے کہ کیا کر رہے ہو؟ تو مخلوق کو پالنا اس کا اپنا کام ہے۔ جواب بھی وہی لے سکتا ہے۔ تو اصول یہ ہے فَاصْبِرُوْا صبر کرو۔ ایک دوسرے کو برداشت کیا جائے۔

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا فرمایا اس وقت تک صبر کرو کہ ہمارے تمہارے درمیان اللہ فیصلہ کر دے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴿۸۷﴾ اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں میں سب سے زیادہ بے مثل و بے مثال ہے۔ حکم دینے والا فیصلہ کرنے والا ہے۔ انتظار کرو تم بھی دیکھو کیا ہوتا ہے ہم بھی دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے؟ ہمیں اپنا کام کرنے دو۔ تم اپنا کام کرو۔ پھر دیکھتے ہیں کہ کون کہاں پہنچتا ہے اور یہی اصولِ زندگی ہے۔